۳۹۶۷۹ع

ہندو راج کے منصوبے

۳۹۶۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

رسالہ

مسلم حقوق

اور

ہندو سیاست کے داؤ پیچ

یا

ہندو راج کے منصوبے

حصہ دوم

از قلم

ملک فضل حسین صاحب قادیان

۱۰ ستمبر ۱۹۳۱ء

بار سوم — تعداد ۱۰۰۰

ملنے کا پتہ: بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان (پنجاب)

وجہ تصنیف

یہ یقینی اور قطعی امر ہے کہ جبتک کانگرس مسلمانانِ ہند کے جائز حقوق تسلیم نہ کرے۔ اسوقت تک اس سے ا
مسلمانانِ ہند کیلئے نہ صرف مضر بلکہ مہلک ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے اس
ہیں جبکہ مسلمانانِ ہند کا ایک حصہ گذشتہ سال کانگرس کی تخریبی رو میں بہ جانے پر تیار تھا ہمیں کتاب
پہلا حصہ لکھنے اور شائع کرنے کی توفیق بخشی۔ اور ہماری اس ناچیز تحریر میں وہ تاثیر اور قبولیت د
کہ مسلمانوں کے ہر طبقہ ہر خیال اور ہر جماعت کے اصحاب نے اسے پڑھا۔ پسند کیا اور دل کھولکر اسکی تعر
کی۔ اور جو حقائق اسمیں بیان کئے گئے تھے انکو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ کانگرس کی امن شکن اور تباہ کن تحر
میں شامل ہونے سے باز رہے بلکہ اکثر وہ مسلمان بھی اس سے کنارہ کشی کر گئے جو مدت سے اسکے ساتھ واب
تھے۔ لیکن چونکہ کانگرس مسلمانوں کو ساتھ ملائے بغیر ہندوانہ مقاصد کو تقویت نہیں پہنچا سکتی اسلئے ا
اب پھر بعض مسلمانوں کو آلۂ کار بنا کر دیگر مسلمانانِ ہند کو اپنے دام میں پھنسانے کا تہیہ کیا ہے اور
بھالے مسلمانوں کو یہ کہہ کہہ کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ چونکہ مسلم کانفرنس م
لیگ۔ خلافت کمیٹی۔ جمعیۃ العلماء وغیرہ مسلمانوں کی نمائندہ انجمنوں کے ممبر ٹوڈی ہیں۔ حکومت پرس
گورنمنٹ کے خوشامدی۔ ملک کے بدخواہ اور آزادی کے دشمن ہیں۔ اور انہی کی وجہ سے ملک سور
سے محروم ہے اس لئے ہر اس شخص کو جو آزادی کو عزیز رکھتا ہے۔ کانگرس کے ساتھ اشتراک عمل ک
چاہیئے۔ کیونکہ یہی وہ پارٹی ہے جو مدت سے ملک کو سوراج دلانیکی کوشش کر رہی ہے اور جو شخ
اس سے الگ رہتا ہے وہ ملک کیساتھ غداری کرتا ہے۔ چونکہ اس قسم کی باتیں حقیقت سے ناواق
مسلمانونکو اپیل کرنیوالی ہیں۔ اسلئے ہم نے اس رسالہ میں دلائل اور واقعات کی بنا پر ثابت کیا
کہ کانگرسیوں کی یہ دلیل بازی محض ایک داؤ۔ فریب اور دھوکہ ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہی لوگ ٹوڈ
حکومت کے خوشامدی اور سوراج کے مخالف ہیں۔ اور انکی پکٹنگ بازی۔ نمک سازی۔ عدم تعاون
اور امن شکن حرکات سوراج کے لئے نہیں بلکہ ہندو اقتدار کے لئے ہیں۔ انہیں آزادی کی خواہش
نہیں بلکہ ہندو راج کی تمنا ہے۔ اور ان کا گورنمنٹ سے تعاون اور عدم تعاون محض اسلئے ہے کہ وہ مسلمانا
ہند کو انکے حقوق سے محروم کر کے سبھی کچھ ہندو راجیوں کے حوالہ کر دے۔ ہمیں امید ہے کہ دردمندانِ اسلام
نے جس طرح پہلے حصہ کی اشاعت میں حصہ لیکر ملت کی شاندار خدمت انجام دی۔ اسی طرح اسے بھی اپنائینگے۔ او
پہلے سے کہیں زیادہ اسکی اشاعت میں حصہ لینگے اور اسکے مطالب سے ایک ایک مسلمان کو واقف کر دینگ
تاکہ ہر ایک مسلمان اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائے اور اسپر اغیار کی کسی
چال یا داؤ کا بھی اثر نہ ہو۔

خاکسار مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسلم حقوق

اور

ہندو سیاست کے داؤ پیچ

تمہید یورپ۔ امریکہ۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا اور دیگر مغربی ممالک میں اگر چینی جائیں افغان جائیں۔ مصری۔ عراقی اور سوڈانی جائیں۔ ان کی ہر جگہ عزت ہو گی انہیں ہر ایک احترام کی نگاہوں سے دیکھے گا۔ مگر ایک ہندوستانی خواہ وہ کتنا ہی مہذب۔ شائستہ۔ عالم اور بہترین شہری ہو۔ وہ ہرگز وہاں اتنی عزت حاصل نہیں کر سکتا جو ایشیا اور افریقہ کے آزاد ممالک کے باشندوں کے حصہ میں آتی ہے +

آخر وجہ؟ کیا ہندوستانی سب کے سب جاہل ہیں؟ وحشی ہیں؟ غیر مہذب اور غیر متمدن ہیں؟ کیا ہندوستانی چینیوں۔ سیامیوں۔ مصریوں۔ عراقیوں۔ افغانوں اور ایرانیوں سے علم و تہذیب میں کم ہیں؟ کیا ہم میں ان سے زیادہ عالم نہیں کیا ہم میں ان سے زیادہ دستکار اور صناع نہیں۔ کیا ہم میں ان سے زیادہ سوداگر اور بینکر نہیں۔ کیا ہم میں ان سے زیادہ موجد اور سائنسدان نہیں۔ کیا ہم میں ان سے زیادہ فلاسفر اور ادیب

نہیں۔ کیا ہم میں ان سے زیادہ مدبر شاعر اور سیاستدان نہیں ؟ پھر کیا وجہ ہے کہ دوسرے ملکوں کے لوگ تو امریکہ۔ یورپ اور دوسرے مغربی ملکوں میں عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جائیں اور ہم علم و شائستگی سے بہرہ ور ہوتے ہوئے بھی ہر ملک ہر آبادی ہر مقام اور ہر جگہ سے دھتکارے جائیں ؟

دیگر ممالک کے باشندے۔ یورپ اور امریکہ کے جس کالج میں چاہیں داخل ہوں۔ جس ہوسٹل میں چاہیں قیام کریں۔ جس ہوٹل اور ریسٹارنٹ میں جی کرے آرام کریں۔ جس تھیٹر اور سینما یا سیرگاہ میں چاہیں لطف اندوز ہوں۔ ان کے لئے سب کے دروازے وا ہوں۔ مگر ہندوستان کے بہتر سے بہتر مہذب اور شائستہ شہریوں کو قدم قدم پر روکا اور ٹوکا جائے ؟ یہ خالی مولی باتیں نہیں۔ حقیقت اور تلخ حقیقت ہے اور اخبار بین طبقہ اس سے بخوبی واقف ہے کہ امریکہ۔ آسٹریلیا۔ کینیڈا اور دوسری یورپین نو آبادیوں میں کئی ایک ایسے مقام ہیں جہاں ہندوستانیوں کا گذر نہیں ہو سکتا کئی ایسے کالج ہیں جہاں ہندوستانی داخل نہیں ہو سکتے۔ کئی ایسے ہوٹل ریسٹارنٹ سینما۔ تھیٹر اور تفرج گاہیں ہیں جہاں ہندوستانی کے سایہ تک کی گنجائش نہیں۔ کیوں ؟ اس لئے کہ ہم انسان نہیں ؟ کیا اس لئے کہ ہم کسی جنگلی اور وحشی نسل سے تعلق رکھتے ہیں ؟ کیا اس لئے کہ ہم غیر مہذب اور غیر متمدن اور جاہل ہیں ؟ نہیں۔ بلکہ اسلئے اور صرف اسلئے کہ ہم ایسے ملک سے تعلق رکھتے ہیں جو محکوم ہے اور ہم ایسی قوم سے ہیں جو دوسروں کی غلام ہے ؛

یہی نہیں بلکہ ہمارا واسطہ اور رشتہ ایسے لوگوں سے ہے جو غیروں کے ماتحت ہوتے ہوئے بھی دوسروں کو غلام بنائے رکھنے کے متمنی رہتے ہیں۔ پس ہماری ذلت ہماری بدنامی۔ ہماری بے توقیری کی یہی وجہ ہے۔ ورنہ یہ ممکن نہیں کہ ایشیا اور افریقہ کے آزاد ممالک کے باشندے یورپ۔ امریکہ۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا۔ نیوزیلینڈ اور افریقہ

کی گوری نوآبادیوں میں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جائیں اور ہندوستانیوں کو قدم قدم پر ندامت۔ شرمساری۔ توہین اور ذلت کا سامنا کرنا پڑے +

یورپ۔ امریکہ اور دوسری نوآبادیاں آزاد ہیں۔ ان کے باشندے حریت پسند اور آزادی کی خوگر ہیں۔ انکی نگاہوں میں اُنہی کی عزت اور توقیر ہے جو حُر اور آزاد واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے انہیں وہی قابل عزت نظر آتے ہیں جو دوسروں کے غلام نہیں۔ اگر ہم بھی انکی طرح غلامی کی سیاہی سے داغدار نہ ہوں۔ اگر ہم بھی انکی طرح آزاد ہوں تو یہ ممکن ہی نہیں کہ جو عزت۔ جو احترام۔ جو اعزاز اور جو اکرام دیگر ایشیائی ممالک کے آزاد باشندوں کا وہاں ہوتا ہے وہ ہمارا نہ ہو +

پس جس حقیر اور ذلیل سلوک کے ہم مستحق سمجھے جاتے ہیں اس کا ایک ہی باعث اور سبب ہے کہ ہم محکوموں کے ملک میں پیدا ہوئے اور خود بھی محکوم اور غلام ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ ہم غلام ہیں بلکہ غلاموں والی تمام خصلتیں ہم میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ اور ہمارے ملک کی بیشتر آبادی غیروں کے ماتحت ہوتے ہوئے بھی دوسروں کو ماتحت رکھنے کی آرزومند ہے۔ خود محکوم ہوتی ہوئی بھی دوسروں کو اپنا محکوم بنائے رکھنے کی خواہاں ہے۔ خود غلام ہوتی ہوئی بھی آبادی کے بہت بڑے حصہ کو اپنا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دست نگر اور غلام بنائے رکھنے میں کوشاں رہتی ہے اور ہماری اکثریت کی یہ ذہنیت ہی آزاد ممالک میں ہندوستانیوں کو عزت و احترام کا مستحق سمجھنے میں سب سے بڑی روک ہے +

آزاد ممالک میں ہماری مطلق غلامی بھی شائد نظر انداز ہو جاتی اور وہ ہم سے مساویانہ برتاؤ نہ کرتے تو کم از کم ہمیں قابل امداد ضرور سمجھتے۔ مگر مصیبت تو یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر خود غلام ہوتے ہوئے بھی دوسروں کو غلام بنائے رکھنا نہ صرف اپنا ملکی اور قومی فرض بلکہ مذہبی فرض سمجھے بیٹھے ہیں +

جبتک ہم میں براہمنزم کا دور دورہ ہے۔ جب تک ہم میں سے بعض ہیچو ما دیگرے نیست ۔ سمجھنے والے موجود ہیں۔ جب تک ہم میں اپنے آپ کو ایشور کا مکھ قرار دینے والے پائے جاتے ہیں۔ جب تک ہم میں سے اکثر کو دوسروں پہ ناجائز دباؤ اور تسلط قائم رکھنے کی خواہش موجود ہے اُس وقت تک ہم کسی آزاد ملک میں عزت واکرام کی نگاہوں سے نہیں دیکھے جاسکتے +

ممکن ہے ان ناگوار مگر حقیقت پر مبنی باتوں پر صاد کرتا ہُوا کوئی شخص کہہ اُٹھے کہ ہندوستانیوں کی ذلت ۔ توہین ۔ رسوائی اور بے عزتی کی ذمہ دار برٹش حکومت ہے جس نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے اور نہیں چاہتی کہ ہمارا ملک آزاد ہو۔ تو ایسے شخص کے متعلق ہم کہیں گے کہ وہ اپنی اور اپنی قوم کی غلطیوں ۔ کمزوریوں کوتاہیوں اور عدل وانصاف کے خلاف کارروائیوں کو مخفی رکھنے کے لئے دوسروں کو بے وجہ متہم کرنے کا مرتکب ہُوا ہے ۔ کیونکہ یہ بہت حد تک غلط ہے کہ برٹش گورنمنٹ ہمیں غلام بنائے رکھنے کی متمنی ہے اور نہیں چاہتی کہ ہندوستانی حکومت خود اختیاری حاصل کریں +

حکومت تو چاہتی ہے کہ ہندوستانی اپنے ملک کا آپ انتظام کرنا سیکھ جائیں مگر مشکل یہ ہے کہ ملک کی آبادی کا کثیر حصہ اپنی تنگ نظری ۔ کم ظرفی اور غلامانہ ذہنیت کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ۔ آخر ہندوستان کی طرح کبھی کینیڈا ۔ آسٹریلیا نیوزیلینڈ ۔ ٹرانسوال ۔ مصر ۔ عراق بھی غلامی کے دن گذار رہے تھے ۔ لیکن وقت آنے پر اسی برٹش گورنمنٹ نے ۔ جسے ظالم اور غاصب کہا جاتا ہے انہیں سوراج دیدیا ۔ اور سوراج بھی ایسا سوراج جو قریب قریب مکمل آزادی سے ہے ۔ پھر ہندوستان کو سوراجیہ کیوں نہ دیگی ؟ جبکہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ ۔ ان کے جانشین ۔ اور دوسرے ذمہ دار برٹش حکمران بارہا اس امر کا اعلان کر چکے کہ جس وقت بھی ہندوستانی اپنے ملک کا انتظام کرنیکے اہل ثابت ہو جائینگے ۔ اسوقت انہیں یہ امانت سپرد کر دی جائیگی ۔ تو پھر

کس طرح یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ ہی نہیں چاہتی کہ ملک آزاد ہو۔
اگر گورنمنٹ کی یہی ذہنیت اور نیت ہوتی کہ جو ملک ایک دفعہ ماتحت ہو گیا اُس کو آزاد نہ کیا جائے تو پھر اسی گورنمنٹ نے کینیڈا۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ ٹرانسوال۔ عراق مصر وغیرہ کو کیوں آزادی دی اور یہ ملک اب کیوں سوراج کا سُکھ بھوگ رہے ہیں؟
پس یہ کہنا نادرست ہے کہ گورنمنٹ ہمیں سوراج دینے کو تیار نہیں۔ وہ تو تیار ہے خود ہندو اکثریت تیار نہیں۔ گورنمنٹ نے اگر اپنا قبضہ دائمی رکھنا ہوتا تو اسے وقتاً فوقتاً اس قسم کے اعلان شائع کرنے کی کیا حاجت تھی کہ وقت مناسب پر ہندوستان کو خود اختیاری ضرور دی جائیگی۔ اور یہ صرف ہمارے مُنہ کی باتیں نہیں حقائق اور واقعات ہیں اور خود ہندو بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایڈیٹر اخبار کیسری کے مندرجہ ذیل اقبالی بیان سے ظاہر ہے۔

حکومت خود اختیاری کے متعلق وعدے

"فرمانروایان برطانیہ کی طرف سے جو سنجیدہ اور اہم اعلان) بار بار کئے گئے ہیں۔ ان اعلانات میں ایک اہم ترین اصول کا اظہار کیا گیا تھا۔ وہ یہ کہ ہندوستان کو جلد سے جلد سیلف گورنمنٹ یا سوراج دیا جائیگا سب سے اول ۱۸۵۷ء کے بعد کیا گیا تھا۔ جبکہ ہندوستان کی عنان حکومت ایسٹ انڈین کمپنی کے ہاتھ سے لیکر براہ راست برطانیہ کی شاہی حکومت کے ہاتھوں میں رکھی گئی تھی۔ اس وقت ہندوستان پر ملکہ وکٹوریہ کی حکومت تھی جنکی طرف سے اعلان میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان کو اسی قدر جلد سیلف گورنمنٹ کی نعمت سے بہرہ اندوز کیا جائے گا جونہی کہ اس کے باشندے اپنے معاملات کا انتظام و انصرام بذات خود کرنے کے قابل ہو جائینگے۔ یہی وہ وعدہ ہے جس کا بعد میں بار بار اعادہ کیا جاتا رہا ہے۔" (اخبار کیسری لاہور ۳۔ اپریل ۱۹۲۴ء ص ۳)

چنانچہ اس قسم کے اعلانات کے مطابق وقتاً فوقتاً عمل بھی ہوا جیسے جیسے وقت گذرتا گیا۔ ہندوستانیوں میں انتظام و انصرام کی صلاحیت پیدا ہوتی گئی۔ گورنمنٹ بھی حکومت کی باگ ڈور ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں دیتی گئی +

کہا جائے گا کہ اس وقت تک جو وعدے ہوئے وہ ابھی تک پوری طرح عملی جامہ نہیں پہن سکے۔ اور ایسی حالت میں جبکہ کافی مدت تک انگریزوں کی صحبت میں رہ کر ہندوستانی

"اپنے ملک کا انتظام بلا امداد غیرے کرنے کی پوری قابلیت رکھتے ہیں" (اخبار کیسری")

پھر بھی ہندوستان "سیلف گورنمنٹ کی نعمت سے بہرہ اندوز" نہیں ہوا۔ اور گورنمنٹ ہی حیلوں بہانوں سے وعدہ ایفائی کے زمانہ کو لمبا کرتی چلی جا رہی ہے تو یہ کہنا بہت حد تک نادرست ہے کیونکہ اگر ہم واقعات پر نظر ڈالتے ہوئے دیکھیں تو اس دیر اور توقف کی ذمہ داری خود ہندوستانیوں پر عائد ہوتی ہے۔ اور وہی ابھی اس "نعمت سے بہرہ اندوز" ہونیکے اہل ثابت نہیں ہوئے +

سوراج حاصل کرنیکے لئے باہمی رواداری اور اتحاد کی ضرورت

کیونکہ جبتک ہندوستانیوں میں یکجہتی اتحاد اور اتفاق پیدا نہ ہو۔ انکے باہمی اختلاف اور مناقشات نہ مٹیں۔ انکے دلوں سے قومی تعصب دور نہ ہو۔ اسوقت تک یہ سوراج کے اہل نہیں بن سکتے +

سوراج کے حاصل کرنیکے لئے صرف ملک کے انتظام و انصرام کی قابلیت ہی ضروری نہیں بلکہ رواداری۔ فیاضی۔ مسالمت۔ اور وسیع قلبی کی بھی ضرورت ہے۔ سوراج کا مستحق اور اہل بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک قوم اور فرقہ کو خیالات رسم و رواج کی آزادی نصیب ہو۔ ہر ایک کے جائز ملکی اور مذہبی حقوق محفوظ ہوں

ہر ایک سے مساویانہ برتاؤ کیا جائے۔ ہر ایک سے مساوات برتی جائے۔ یہ نہیں کہ ایک قوم دوسری قوم پر غلبہ پانے کے درپے ہو۔ اور ایک دوسری کو مغلوب و ماتحت رکھنے میں ہی اپنی بڑائی سمجھے +

بھلا یہ ممکن ہے کہ جس ملک کی یہ حالت ہو کہ زبردست زیردستوں کو پیس کے رکھ دینا چاہیں انکے قومی خصائص کو فنا کر دینے کے پیچھے پڑے ہوں۔ انکی تہذیب انکے تمدن انکی زبان اور لٹریچر کا نام و نشان تک مٹا دینے کے خواہاں ہوں وہ ملک سوراج کا مستحق ٹھہرے؟ +

پس جہاں یہ کہنا درست نہیں کہ گورنمنٹ ہندوستانیوں کو حکومت خود اختیاری دینے کو تیار نہیں وہاں یہ بھی غلط ہے کہ ہندوستانی بغیر باہمی اتحاد کے اس "نعمت غیر مترقبہ سے بہرہ اندوز" ہو سکتے ہیں۔ سوراج تبھی ملے گا۔ جبکہ ہندو اور مسلمان متحد اور متفق ہونگے۔ ایک دوسرے کی تخریب و بربادی کا خیال ترک کر دینگے ایک دوسرے کے حقوق کو غصب کرنے کی خواہش جاتی رہے گی اور جس وقت بھی یہ دو بڑی قومیں خلوص نیت سے کام لیتی ہوئیں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرنے لگیں گی سمجھ لو کہ سوراج وہ پڑا ہے +

لیکن جبتک یہ صورت حال پیدا نہ ہو۔ اور اکثریت بدستور اپنی قدیم روش پر گامزن رہتی ہوئی اقلیتوں کے حقوق غصب کرنیکے درپے رہے تو ایسی حالت میں ممکن نہیں کہ ہندوستان سوراج کا مستحق سمجھا جائے۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ گورنمنٹ ایسے لوگوں کو سوراج کا حقدار سمجھے جو شروع سے اپنا ہی اقتدار اور تسلط چاہتے ہیں جنہوں نے روزِ اول سے ہی اقلیتوں کو تباہ و برباد کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے جنہوں نے ہمیشہ ہی قلیل التعداد قوموں کے خصائص ملّی کو ملیا میٹ کرنے کی ٹھان رکھی ہے اور جو سالہا سال سے ہی مسلسل دوسروں کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ جمائے رکھنے میں

کوشاں ہیں +

سوراج تب ملے گا جب اقلیتوں کو اطمینان ہو جائے

گورنمنٹ اس وقت سوراج دیگی جبکہ اکثریت (ہندو آبادی) دوسری اقلیتوں کے حقوق کا احترام کرنا سیکھے گی۔ ان سے برادرانہ برتاؤ کرنیکی خوگر بنے گی۔ انکے مذہب۔ انکے تمدن۔ انکی تہذیب انکی زبان۔ انکی رسوم انکے رواج اور علمی ذخیرہ کو عزت و احترام کی نظروں سے دیکھنے کی عادی بنے گی +

گورنمنٹ بیوقوف نہیں۔ نادان اور احمق نہیں کہ چند غوغائیوں کے غل و شور سے ڈر کر اکثریت کو سوراج کی چابی دیدے۔ وہ ہندوستان کو مکمل حکومت خود اختیاری اسوقت دیگی جبکہ ہندوستان کے تمام فرقے اور جماعتیں مطمئن ہو جائینگی اور اکثریت کی طرف سے ہر ایک کو اس امر کا اطمینان ہو جائے گا کہ انکے مذہبی اور ملکی حقوق ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے +

اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ یہ صرف ہماری رائے نہیں بلکہ یہی کچھ اس سے پہلے بھی کہا گیا ہے اور بارہا کہا گیا ہے نہ صرف مسلمانوں کیطرف سے۔ سکھوں کیطرف سے۔ پارسیوں کیطرف سے۔ عیسائیوں اور انگریزوں کیطرف سے۔ بلکہ خود ہندوؤں کیطرف سے بھی یقین نہ آئے تو ذیل کے چند اقتباس پڑھ لیجئے:-

ہندو لیڈروں کی رائے کہ بغیر ہندو مسلم اتحاد سوراج ناممکن

چوہدری چھوٹو رام صاحب سابق وزیر پنجاب

نے انبالہ ڈسٹرکٹ زمیندار لیگ کے اجلاس منعقدہ ۲۴ دسمبر ۳۷ء میں لیکچر دیتے ہوئے

فرمایا تھا کہ :۔

"آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں سوراجیہ کے متعلق ہندوستان کے اندر بہت کچھ لکھا اور کہا جا رہا ہے۔ اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ سوراجیہ کا حاصل ہونا اتحاد ہندو مسلم کے بغیر ناممکن ہے۔ جب تک ہم لوگ خواہ وہ مسلمان ہوں۔ ہندو ہوں یا سکھ آپس میں اتفاق نہیں کرینگے۔ سوراجیہ کا ملنا ناممکن ہے۔" (اخبار زمیندار لاہور ۳۱ دسمبر ۲۷ء)

مسٹر سین گپتا نے بیریسال کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ :۔

"اگر لوگ سوراج کے لئے جدوجہد کرنا چاہتے ہیں تو کسی نہ کسی طرح کا اتحاد ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہونا ضروری ہے" (اخبار وکیل امرتسر، جولائی ۲۶ء)

ایک روشن خیال ہندو نے اخبار حقیقت لکھنؤ میں لکھا تھا کہ :۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ہندوستان کی سیاسی نجات غیر ممکن ہے کیونکہ جبتک ہندو اور مسلمان باہم متفق و متحد نہ ہونگے تب تک اصلاحات کو کامیاب نہ بنایا جاسکیگا اور جبتک اصلاحات کامیاب نہ بنائی جائینگی تب تک ہندوستان کو مزید ترقی نہ مل سکیگی۔" (اخبار حقیقت لکھنؤ ۲۵۔ اکتوبر ۲۷ء صفحہ ۲)

شریمتی سروجنی نیڈو نے بھی متعدد بار اس بات کو واضح کیا ہے کہ :۔

"جب تک ہندوستان میں بین الجماعتی تنازعات رہیں گے کبھی حقیقی سوراجیہ ہم کو حاصل نہ ہوگا۔" (اخبار ملاپ لاہور ۴ اگست ۲۵ء صفحہ ۵)

پنڈت موتی لال صاحب نہرو نے بھی ۲۱۔ اگست ۲۳ء میں بریڈلا ہال لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :۔

"جب تک ہندو مسلم اتحاد نہ ہوگا۔ دونوں فریق خواہ کتنی کوشش کریں۔ سوراجیہ نہیں حاصل کر سکتے۔ ہمارے ہندوؤں کی کوششیں خواہ وہی رشیوں کا زمانہ پیدا کر دیں مگر جبتک اتحاد نہ ہوگا کچھ بن نہ پڑیگا۔" (اخبار ملاپ لاہور جلد ۱ نمبر ۱۱۲ صفحہ ۶)

مسٹر ایم آر جیکر نے بھی دہلی میں تقریر کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ:۔

"یہ (ہندو مسلم اتحاد) سوراج کی بنیاد ہے۔ اور جب تک یہ پیچیدہ سوال حل نہ کیا جائے۔ اس وقت تک سوراج اس قابل نہیں کہ اسے حاصل کیا جائے۔"

(اخبار حقیقت لکھنؤ ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء صہ)

لالہ لاجپت رائے صاحب جن دنوں ترک موالات کی تحریک زوروں پر تھی اور لالہ لاجپت رائے صاحب پر ہندو مہاسبھا کا رنگ نہ چڑھا تھا۔ ان دنوں یہی کچھ فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ذیل کے بیان سے ظاہر ہے۔

"میں اپنے ہندو بھائیوں کو مخاطب کرکے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اس امر کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جبتک مسلمانان ہند کے ساتھ ان کا مکمل سمجھوتہ نہ ہو جائے۔ وہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتے۔ انکے واسطے دو راستے ہیں۔ اول مستقل اور دائمی غلامی کا۔ دوسرے مسلمانان ہند کے ساتھ مکمل دوستی۔ اعتماد۔ اور بھروسے کا۔ اگر وہ مسلمانان ہند کے ساتھ مکمل طور پر دوستی اتحاد اور بھروسہ کا رشتہ قائم نہیں کر سکتے۔ اور اس شک و شبہ و تعصب کو جو انکے دل میں جاگزین ہو گیا ہے۔ دور نہیں کر سکتے تو انکے لئے انگریزوں کی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش عبث ہے۔" (اخبار بندے ماترم ۹ مئی ۱۹۲۱ء صہ)

یہی نہیں اور بھی اس قسم کے بیسیوں اقتباس ہندو لیڈروں کی تقریروں اور تحریروں سے دیئے جا سکتے ہیں مگر یہ جاننے کے لئے کہ سوراج کے واسطے ہندو مسلم اتحاد لابدی ہے۔ یہ بھی بہت کافی ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ سوراج کے لئے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے۔ تو اب سوال پیدا ہوگا کہ یہ اتحاد ہو تو کیونکر ہو؟

مگر چونکہ ہم اس سوال کا جواب قبل ازیں دے چکے ہیں۔ اور وہ طریق بھی بتا دیا جس سے کہ ہندو اور مسلمانوں میں حقیقی اتحاد ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم اسکے متعلق اپنی

طرف سے کچھ مزید نہ کہتے ہوئے۔ چند ہندو لیڈروں کے اقوال درج ذیل کرتے ہیں جو اس اہم مسئلہ پر غور و خوض کرتے ہوئے اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ اکثریت اقلیت کو ہر قسم کا اطمینان دلائے۔

ہندو لیڈروں کا بیان کہ اکثریت کا اقلیت کو اطمینان دلانا ضروری ہے

لالہ نند گوپال صاحب ایڈیٹر سوراج

اپنی کتاب "سنگٹھن کے پھول" میں لکھتے ہیں کہ اتحاد "اسوقت ہوسکتا ہے۔ جب ہر ایک مذہب اور فرقہ کے لوگوں کو پورے طور پر یقین ہو جائے کہ ہندو بوجہ کثیر التعداد ہونیکے ہم پر کسی قسم کا ظلم اور سختی روا نہ رکھینگے۔ وہ ہمیں پوری پوری آزادی دینگے۔ ہمارے ساتھ انصاف کرینگے۔ اور ہمارے حقوق کی اسقدر محافظت کرینگے جسقدر ان کے حقوق کی محافظت مسلمانوں اور عیسائیوں کے راج میں ممکن ہوسکتی ہے۔ اسواسطے ہندو کیرکٹر کو بہت اونچا بننا چاہیئے۔ ہندو لیڈروں کا نقطہ نگاہ بہت بلند ہونا چاہیئے۔ ان کا دل بہت وسیع ہونا چاہیئے۔ انکی عقل بہت روشن ہونی چاہیئے۔ جس سے وہ بہت دور سے ہر ایک فعل کے نتائج کو صحیح صحیح دیکھ سکیں" (ص ۳۔۴)

بس یہ ہے ہندو مسلم اتحاد کا راستہ اور یہی سوراج کی اصل کنجی ہے۔ اور ابتدائی صفحات میں اسی پر ہم نے زور دیا ہے۔ اور اسکی تائید اوروں نے بھی کی ہے جسکے لئے ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل اقتباسات:۔

دیش بندھو داس نے کوکناڈا کانگریس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

"میرا یہ زبردست دعوٰی ہے کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ مختلف اقوام سوراجیہ کے لئے ملکر کام کریں تو انکے باہمی تعلقات کی بابت کوئی نہ کوئی مفاہمت ضرور ہونی چاہیئے۔" (اخبار تیج دہلی ۲ جنوری ۲۴ء ص۳)

لالہ درگا داس صاحب ایڈوکیٹ نے ۵ دسمبر ۲۷ء کو وائی ایم سی ہال میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"اسوقت ہندوستان میں جو فرقہ دارانہ فسادات ہو رہے ہیں ان کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں میں ایک دوسرے کا اعتبار نہیں رہا۔ ہندو مسلمان ایکدوسرے سے ڈرتے ہیں۔ اس اعتبار کو قائم کرنیکے لئے یہ نہایت ضروری امر ہے کہ مفاہمت کی سپرٹ پیدا کیجائے۔ ایک دوسرے کے حقوق کو تسلیم کیا جائے اور مذہبی معاملات میں رواداری سے کام لیا جائے۔" (اخبار ملاپ ۷۔ دسمبر ۲۷ء ص۶)

مسٹر رنگا آئر سوامی نے کہا ہے کہ:

"اکثریت کو اقلیتوں کے حقوق کا خاص خیال رکھنا چاہیئے"

(اخبار ہمدم لکھنو۔ ۸ دسمبر ۲۵ء ص۶)

ڈاکٹر ستیہ پال فرماتے ہیں کہ:۔

"جب تک ہندو اپنے دل کشادہ نہ کرینگے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگڑنا نہ چھوڑینگے تب تک اقلیت انپر اعتبار نہیں کر سکتی۔ اور یہ یقین بھی انہیں نہیں ہو سکتا۔ کہ سوراجیہ ملنے کے بعد قلیل التعداد جماعتوں کی حفاظت کیجائیگی"

(اخبار پرتاپ ۲ مئی ۲۶ء ص۶)

صرف یہی نہیں کہ ہندو اکثریت صرف زبان سے ہی کہے کہ ہم تمہارے حقوق کے ضامن ہیں اور سوراج ملنے پر ہر طرح انکے محافظ ہونگے۔ بلکہ جن حقوق کا مطالبہ

مسلمانوں اور دوسری قلیل التعداد اقوام کیطرف سے کیا جاتا ہے ان کا سوراج کے کانسٹی ٹیوشن یا دستور اساسی ہیں بالتفصیل ذکر ہونا چاہیئے کیونکہ زبانی جمع خرچ سے کوئی قوم مطمئن نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کہنا قومیت کے منافی نہیں۔ خود سمجھدار ہندؤوں کو بھی اسکی تائید کرنی پڑی ہے +

لالہ دُنی چند صاحب سابق ممبر اسمبلی نے اخبار تیج کے نمائندے سے فرمایا تھا کہ:۔ "میری یہ رائے ضرور ہے کہ کثیر التعداد جماعت کو ہمیشہ قلیل التعداد جماعتوں کو یقین دلانا چاہیئے کہ انکے مذہبی اور خاص حقوق۔ کثیر التعداد جماعت کے ہاتھوں میں بالکل محفوظ رہیں گے۔ اور اگر کسی کثیر (قلیل) التعداد جماعت کو یہ اندیشہ ہو کہ انکے مذھبی حقوق کس طرح محفوظ ہونگے تو وہ یہ اصرار کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ ملک کے کانسٹی ٹیوشن میں اسکی حفاظت کی شرائط درج کی جاویں" (اخبار تیج دہلی ۱۳ فروری ۱۹۲۵ء ص۲)

ہندو اکثریت کی دوسروں کے تحفظ حقوق سے بے پرواہی لیکن باوجود اس کے کہ ہندؤوں کے چیدہ چیدہ اصحاب ہندو مسلم اتحاد ہی کو سوراج کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ اور بعض نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں ہر طرح اطمینان دلایا جائے اور جن حقوق پر مسلمان زور دیں انہیں ملک کے آئین اساسی میں درج کیا جائے۔ مگر افسوس ہے کہ ہندو قوم نے ابھی تک اس طرف مطلق قدم نہیں اٹھایا۔ زبانی جمع خرچ تو بہت ہے مگر جسکو حقیقی وعدہ کہا جا سکتا ہے وہ ابھی تک ہندؤوں کیطرف سے نہیں ہوا +

حالانکہ مسلمان بارہا بڑے اصرار کے ساتھ ہندؤوں کو اس طرف توجہ دلا چکے ہیں۔ نہ صرف مسلمان بلکہ ذمہ دار اہلکاران گورنمنٹ بھی۔ جیسا کہ جناب وائسرائے ہند

وائسرائے ہند کا بیان کہ ابھی تک ہندؤوں نے مسلمانوں کو اطمینان نہیں دلایا

لارڈ ارون بالقابہ کے مندرجہ ذیل فقرات سے ظاہر ہے جو آپ نے ۲۰ - جون ۲۹ ء کو چیمسفورڈ کلب شملہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمائے :-

"اگر اکثریت رکھنے والی قوم اقلیتوں کو یہ یقین دلا سکتی کہ انکے ہاتھوں میں انکے حقوق کو کسی قسم کا خطرہ نہ ہوگا - تو اس مسئلہ کی سب سے بڑی پیچیدگی رفع ہو جاتی - یہ بات صرف اکثریت رکھنے والی قوم کے رہنما ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اُنہیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا - کہ ابھی تک وہ اسے حاصل نہیں کر سکے" (اخبار انقلاب ۲۳ - جون ۲۹ ء صہ ۳) +

مگر باوجود یہ تمام باتیں پڑھتے اور سُنتے ہوئے بھی ہندو نہیں چاہتے کہ اقلیتوں کے حقوق کو اہمیت دی جائے +

بغیر تصفیہ حقوق ہندو مسلم سوراج ناممکن

ان کے ہمدرد اور خیر خواہ بارہا یہ سمجھا چکے ہیں کہ انگریزی قوم ہندوستان کو تبھی سوراج کا مستحق سمجھے گی جبکہ یہاں کے لوگ اپنے قضیوں کا فیصلہ کر لینگے - مگر ان تنگ خیال لوگوں پر اپنے خیر خواہوں کی باتوں کا بھی اثر نہیں ہوتا +

مسز اینی بسنٹ نے ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے - کہا تھا کہ "جب میں کسی ذمہ دار انگریز سے سوراجیہ کا ذکر کرتی ہوں تو اس کا پہلا جواب یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ (ہندوستانی) اپنے باہمی قضیوں کا تو

تصفیہ کر لیں"۔ (اخبار تیج دہلی ۱۱- فروری ۲۵ء ص۵)

مگر سُنی ان سنی کے عادی۔ بدستور خاموش ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ سوراجیہ میں دوسری قوموں کو بھی انکی تعدادی نسبت سے حصہ دیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ اس قوم میں بعض ایسی ہستیاں بھی موجود ہیں جو سوراج کے لئے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانا اور انہیں تمام وہ حقوق جو مسلمان طلب کرتے ہیں دینے کو رضامند ہیں۔ مگر چونکہ ایسے لوگوں کی تعداد تھوڑی ہے اور انہیں رائے عامہ بھی حاصل نہیں۔ اس لئے انکی چیخ پکار کا کانگرس۔ ہندو مہا سبھا۔ اور دوسری نمائندہ ہندو جماعتوں پر کوئی اثر نہیں۔ اور جن لوگوں کا ہندوؤں میں اثر ہے رسوخ اور قبضہ ہے وہ اگر اس معاملہ میں زبان کھولینگے تو بس یہ کہینگے کہ

"بغیر ہندو مسلم اتحاد کے سوراجیہ حاصل ہونا ممکن نہیں" (بھائی پرمانند۔ از قوم کا نیا جنم ص۱)

لیکن جب ان سے کہا جائے کہ آخر اتحاد کے لئے دونوں قوموں میں کوئی ایسا معاہدہ تو ہونا چاہیئے جس میں دونوں کے حقوق کی حفاظت کا اقرار ہو۔ تاکہ آیندہ انہیں کسی قسم کا مناقشہ اور اختلاف نہ پیدا ہو تو یہ لوگ یا تو جواب نہ دیں گے۔ اور اگر دیں گے بھی تو یہ کہ

"اتحاد کے لئے کسی قوم کے معاہدے کی ضرورت نہیں ہے" (بھائی پرمانند) (اخبار ملاپ لاہور ۲۳- مارچ ۲۷ء ص۹)

بھائی پرمانند کی رائے کہ اتحاد کیلئے کسی معاہدہ کی ضرورت نہیں

اور اگر ان میں سے بعض منچلے شرائط کی طرف رُخ کرینگے بھی تو انکی شرائط اس قسم کی ہونگی جنہیں مسلمان قبول کرنا تو دور کی بات ہے۔ ان کا سننا بھی گوارا نہ کریں۔ اور اس قسم کی ناگوار۔ دلخراش اور اذیت دہ شرائط پیش کرنیوالے۔ عوام نہیں بلکہ خواص میں سے ہیں اور خواص بھی وہ جنہیں عام طور پر

سنجیدہ۔ متین۔ شائستہ اور تعلیم یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ ان متین اور سنجیدہ حضرات کی تمام شرائط کا ذکر تو طوالت کا موجب ہوگا۔ اس لئے نمونتہً چند لیڈروں کی پیش کردہ شرائط اتحاد نقل کئے دیتے ہیں۔

ناظرین انہی سے قیاس فرمائینگے کہ جس قوم سے ہمیں سابقہ پڑا ہے وہ کس قسم کی ذہنیت کی مالک ہے۔ اور اسے مسلمانوں سے کس قسم کے اتحاد کی خواہش ہے +

ہندو لیڈروں کی ناقابل قبول اور دل آزار شرائط اتحاد

ہندو مہاسبھا کے سب سے بڑے لیڈر ڈاکٹر فرماتے ہیں کہ:۔

ڈاکٹر مونجے کی ہندو مسلم اتحاد کیلئے ضروری شرائط

مجھے تعجب ہے کہ آیا مسلمان کبھی ہندو مسلم اتحاد حاصل کرنے کی غرض سے تبلیغ اسلام سے دست بردار ہونے پر اتفاق کرینگے" (تیج دہلی یکم اکتوبر ۲۶ء ص۱)

ایک اور تعلیم یافتہ آریہ سماجی ایڈیٹر نے کہا ہے کہ

ایڈیٹر ملاپ کے نزدیک حقیقی اتحاد کی شرط

"سچ مچ ہندو مسلم سمجھوتہ تو اسی دن ہوگا جس دن مسلمان گئو ہتیا سے کنارہ کشی کرینگے"

(اخبار ملاپ یکم جنوری سنہ ۲۸ء ص۶)

ایک اور ذمہ دار معزز اور ایک حکمران خاندان کا چشم و چراغ یوں گویا ہوا ہے کہ

راجکمار ایسمبھی کے نزدیک ہندو مسلم اتحاد کی لابدی شرط

"سوراج ملے گا ہی تب جبکہ تمام مسلمان شدھ ہو جائیں۔ اسکے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"بلا شدھی کے ہندو مسلم ایکتا (اتحاد)

نہیں ہو سکتی۔ جس وقت سب مسلمان شُدھ ہو کر ہندو ہو جائینگے تو سب ہندو ہی ہندو نظر آئینگے۔ پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت اُس کو آزادی سے نہیں روک سکتی ہے"

(اخبار تیج دہلی ۲۰۔ مارچ ۱۹۲۶ء ص۶)

پنڈت بالمکند کی شرط اتحاد

ایک اور پنڈت نے بھی کہا ہے کہ "مسلمانوں کو بجائے قرآن کے ویدوں کو ماننا چاہیے جب میل ہوگا" (اخبار الامان دہلی ۲۳۔ مارچ ۱۹۲۷ء ص۳)

ایک ریٹائرڈ ہندو اخبار نویس کی رائے

بقول ایڈیٹر تیج ایک ریٹائرڈ ہندو اخبار نویس کے نزدیک بھی سوراج نہیں ملے گا جب تک کہ مسلمان ہندو تہذیب۔ ہندو تمدن۔ ہندوانہ خیالات اختیار کرینگے جیسا کہ ذیل کے الفاظ سے ظاہر ہے:۔

"موجودہ حالت میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا اتفاق خیال خام ہے اور سوراج منزلوں دور۔۔۔۔۔ وہ (مسلمان جب) گائے سے پیار کرینگے گنگا کی تعظیم کرینگے اور ہندی گائتری ان کا وِرد ہوگی۔ پھر کوئی طاقت قومی اتحاد کو روک نہ سکے گی اور یہ سوراج "کُن فیہ کُن" کی طرح ہاتھ کی ہتھیلی میں ہوگا"۔ (اخبار تیج دہلی ۱۰۔ مارچ ۱۹۲۶ء)

پنڈت بالکرشن صاحب ایم اے کے نزدیک اتحاد کی اصلی بنیاد

ایک اور بہت بڑے ذمہ وار تعلیم یافتہ آریہ سماجی لیڈر نے لاہور میں (۱۳ مارچ ۱۹۲۷ء) تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"مسلمانوں کو ہندوؤں کے جذبات کی قدر کرنی چاہیئے۔ اور پھر اتفاق تب ہو سکتا ہے۔ جب کلچر ریتی (تہذیب و رسوم) ریتی رواج۔ لٹریچر زبان اور فلاسفی میں مطابقت ہو" (اخبار پرکاش ۱۶۔ مارچ ۱۹۲۷ء)

بھائی پرمانند کا خیال

اسی طرح ہندو سنگٹھن کے پُرجوش کارکن بھائی پرمانند

نے بھی ہندو سبھا بہار کے جلسہ منعقدہ ۲۷-۲۸ جنوری ۱۹۳۸ء کی صدارتی تقریر میں کہا تھا کہ:-

"ہندو مسلم اتحاد سے سوراج ممکن نہیں۔ جب تک یہاں پر ایک دھرم اور ایک جاتی نہ ہو۔ کوشش بالکل بیکار رہے گی" (اخبار حقیقت لکھنؤ ۱۵- فروری ۱۹۳۸ء)

گاندھی جی کا مشورہ

اور تو اور گاندھی سا آدمی بھی مسلمانوں کو ہندو مسلم اتحاد کی خاطر گئو کشی ترک کرنے کا مشورہ دیتا ہے

"اگر دونوں کو دوستی پیاری ہو۔ تو دونو اپنی اپنی غرض سے گئو ہتیا اور باجے بند کر دیں"۔ (اخبار کیسری لاہور۔ ۹ مئی ۱۹۴۱ء ص۳)

یہی نہیں ہندوؤں کے اور بھی بڑے بڑے ایڈیٹروں۔ پنڈتوں۔ جرنلسٹوں لیکچراروں اور لیڈروں کے ایسے ہی اقوال کثرت سے نقل کئے جا سکتے ہیں جن میں اسی قسم کی متعصبانہ اور کم ظرفی پر مبنی شرائط کا اعادہ کیا گیا ہے۔ مگر قارئین کرام کے لئے اس قوم کے سواد اعظم کی ذہنیت جاننے کے لئے یہ بھی بہت کافی ہیں اور حقیقت شناس اسی سے معلوم کر لینگے کہ جن لوگوں سے ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جو صدیوں سے ہمارے ہمسایہ ہیں وہ ہم سے کن باتوں کی توقع رکھتے ہیں۔ اب خود ہی غور فرمایئے۔ جن لوگوں کے خیالات اس درجہ مبتذل اور گرے ہوئے ہوں جو اس قسم کی زہریلی اور متعصبانہ ذہنیت کا اظہار کریں انکی موجودگی میں ہمارا ملک آزادی جیسی نعمت کا کبھی اور کسی حال میں بھی مستحق بن سکتا ہے؟ جس ملک کی اکثریت اقلیت کے مذہب۔ اقلیت کے عقائد۔ اقلیت کے تمدن۔ اقلیت کی تہذیب۔ اقلیت کی رسوم۔ اقلیت کے رواج۔ اور اقلیت کی روایات و خیالات کو کچل دینا چاہے وہ ملک کبھی خواب میں بھی آزادی کے درشن کر سکتا ہے؟ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جو لوگ غلام ہوتے ہوئے بھی دوسروں کی آزادی ہتیا لینے پر مصر ہوں وہ خود آزاد ہونے کا

کس طرح حق رکھتے ہیں؟ بھلا یہ ممکن ہے کہ جو لوگ اپنے ہی بھائی ہندوؤں کو ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنائے رکھنا چاہیں وہ غیروں سے آزادی کا پروانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور انکی یہ غلامانہ ذہنیت آزاد اقوام کی نگاہوں میں مستحسن سمجھی جا سکتی ہے؟

کیا ہندو سوراج کی خاطر عیسائی بنینگے؟

اگر قیام اتحاد اور حصول سوراج کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان تبلیغ کا حق ترک کردیں۔ گئوکشی سے اعراض کریں قرآن کو چھوڑ دیں۔ اسلام سے منہ موڑ لیں۔ اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کو خیرباد کہدیں۔ اور اپنی زبان اپنی روایات اور اپنے مذہبی اور قومی لٹریچر کو پس پشت ڈال دیں۔ اور اس کی بجائے ہندو دھرم۔ ہندو تہذیب۔ اور ہندو عقائد اختیار کرلیں تو کیا۔ انگریز نہیں کہہ سکتے کہ ہندو اُسی وقت سوراج کے مستحق سمجھے جائینگے جبکہ وہ شدھی کو بند کردیں۔ گئو رکھشا سے توبہ کریں وید کو جواب دیں۔ شاستروں کو تلانجلی دیدیں ہندو تہذیب۔ ہندو تمدن۔ ہندو خیالات اور ہندو کلچر اور دینی رواجوں سے منہ موڑ کرکے عیسائی بنجائیں تو کیا ہندو اس شرط کو مانینگے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر مسلمانوں کے لئے اس قسم کی شرائط تجویز کرنا کس دلیل اور برہان پر مبنی ہے؟

ہندو لیڈروں کا اعلان کہ مذہب سوراج سے زیادہ عزیز ہے

جب ہندو خود کہتے ہیں کہ:-

سوامی شنکر آچاریہ کی تقریر سورت کا ایک فقرہ

" مذہب کے معاملہ میں دنیا میں مصالحت نہیں ہو سکتی۔ ہمیں سوراجیہ چاہیئے تو دھرم کی رکھشا اور

ترقی کے لئے "۔ (اخبار پیغام صلح جلد ۲۶ ص ۳) +

تو کیا مسلمان ہی ایسے گئے گذرے ہیں کہ وہ سوراج کی خاطر اپنے مذہب تمدن اور تہذیب کو ترک کردیں گے؟

ان لوگوں کی اپنی یہ حالت ہے کہ ایک دفعہ مرزا پور پارک کلکتہ میں مسٹر بی این سیلاسمل نے تقریر کرتے ہوئے بھولے سے کہیں یہ بھی کہدیا کہ:۔

"اگر سوراجیہ کے لئے مجھے مسلمان ہونا پڑے تو میں تیار ہوں"

تو پرکاش کا سماجی ایڈیٹر بُری طرح انکے پیچھے پڑ گیا اور کہا کہ:۔

ایڈیٹر پرکاش کی رائے

"اگر وہ اپنا دھرم ہی کھو بیٹھے تو اس صورت میں سوراجیہ لیکر کیا کرینگے" (پرکاش ۳ فروری ۲۶ء)

جب سوراج کے لئے دھرم بھی ضروری ہے تو پھر کس حق کی بنا پر مسلمانوں کو اسلام اور روایات اسلام ترک کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے؟ جس حالت میں کہ خود ہندو لیڈر گلا پھاڑ پھاڑ کر یہ چلاتے ہیں کہ:۔

ڈاکٹر مونجے کا اعلان

"اگر ہم نے اپنا دھرم کھو کر ہی سوراجیہ حاصل کرنا ہے تو سول نافرمانی وغیرہ کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں نہ ہم عیسائی ہو جائیں"۔ (اخبار پرتاپ ۱۳ فروری ۲۵ء ص ۵)

ایضاً

پھر اسی ہندو لیڈر نے ایک دوسرے موقعہ پر کہا کہ

"آجکل ملک میں سوراجیہ کا پرچار ہے۔ میں بھی سوراجیہ چاہتا ہوں لیکن مجھے ایسے سوراجیہ کی ضرورت نہیں جسمیں ہندو ہندو نہ رہ سکیں۔ اگر ہندو رہتے ہوئے سوراجیہ ملے تو اسکی کوئی قیمت ہے۔ ورنہ جیسے ہمارے سات کروڑ بھائیوں نے چار سو برس پہلے مسلمان بنکر سوراجیہ لے لیا تھا اسکی ضرورت نہیں" +

(اخبار الامان دہلی ۳۔ جنوری ۲۶ء ص ۲)

تو کیا مسلمان ہی ایسے بے غیرت بے دین۔ اور روحانیت سے کورے ہیں
کہ وہ موہوم آزادی کی خاطر اپنے مذہب اور عقائد کو محض ہندوؤں کے کہنے سے
سوراج کی دیوی پہ بھینٹ چڑھا دیں گے؟ سوامی شنکر آچاریہ۔ ایڈیٹر پرکاش
اور ڈاکٹر مونجے کی طرح گاندھی۔ مالوی۔ لاجپت۔ نہرو وغیرہ تمام بڑے بڑے کانگرسی
اور مہاسبھائی لیڈر بھی اس قسم کی باتیں دُہرا چکے ہیں کہ مذہب کے مقابل آزادی ہیچ
محض ہے جنکو اگر ہم نقل کرنے بیٹھیں تو کتاب کے کئی جز انہی سے سیاہ ہو جائیں۔
مگر ہمارے نزدیک ان لوگوں کا اس قسم کی باتیں دُہرانا کوئی بُری اور مذموم بات نہیں۔
اور نہ ہی یہ قومیت کے منافی ہیں ہر وہ شخص اس قسم کی باتیں دُہرانے کا مجاز ہے
جو ملک میں عزت و آرام کی زندگی بسر کرنے کا خواہاں ہے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان
بدھ ہو یا عیسائی جس شخص کو بھی اپنا مذہب۔ اپنی تہذیب۔ اپنا تمدن۔ اپنی روایات
سے اُلفت ہے۔ پیار ہے۔ اور انہیں جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ اُسے حق ہے
یہ کہنے کا۔ کہ یہ چیزیں مجھے سوراجیہ سے بھی زیادہ عزیز اور گرانبہا ہیں۔ اور ہمارے
نزدیک جو شخص یا فرقہ بھی اس قسم کا اعلان کرتا ہے وہ عزت و اکرام کا مستحق ہے اور
اسکی ان باتوں کی قدر و تعظیم کرنی چاہیئے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب ہندو۔ عیسائی۔
یہودی۔ بودھ۔ جینی۔ اور دوسری جماعتوں اور فرقوں کے لوگ یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں
کہ ہمیں سوراج ملے یا نہ ملے۔ مگر ہمارا مذہب اور ہماری تہذیب قائم رہے۔ ملک
آزاد ہو یا نہ ہو مگر ہم اپنی روایات اور قومی خزائن سے محروم نہ کیے جائیں۔ انگریز
اس ملک میں رہیں یا چلے جائیں۔ مگر ہمارا لٹریچر۔ ہماری زبان اور ہمارے قومی
خصائص ہر قسم کی گزند سے محفوظ رہیں۔ تو کیا مسلمان ہی ایسی گئی گذری قوم ہے جسے
یہ کہنے کی اجازت تک نہ دی جائے بلکہ انہیں مختلف طریقوں سے مجبور کیا جائے
کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر۔ ملک کی آزادی یا سوراج کی خاطر تبلیغ کا حق چھوڑ دیں

اپنی خوراک پر پابندیاں عائد کروائیں۔ قرآن کو تیاگ دیں۔ اور اسلام کو خیرباد کہہ
دیں۔ اور انکی بجائے ہندو مذہب۔ اور ہندو تہذیب کو اختیار کریں +

ایک طرف یہ کہا جائے کہ اتحاد اور سوراج تبھی ملے گا۔ جب مسلمان قرآن کو چھوڑ
دیدیں اور اُس سے روگردانی اختیار کریں۔ مگر جب اپنے اوپر بات آئے تو یہ سنایا
جائے کہ:۔

بھائی پرمانند کے نزدیک گیتا کو سوراج پر ترجیح

"جس طرح کوئی انگریز تجہ یہ خیال نہیں کر سکتا
کہ ساہتیہ (لٹریچر) میں سے شیکسپئیر نکل
جائیں چاہے انکو قائم رکھنے کے لئے انہیں
اپنی سلطنت کو بھی بھلا دینا پڑے۔ اسی طرح
کوئی ہندو کبھی یہ گوارا نہیں کر سکے گا کہ انکے ساہتیہ میں سے ایک چھوٹا سا موتی۔ گیتا
کی پُستک (کتاب) نکل جائے۔ چاہے اس کے قائم رکھنے کے لئے انہیں کتنی ہی
مصائب کا سامنا کرنا پڑے"۔ (قوم کا نیا جنم مصنفہ بھائی پرمانند ص۲)

پھر یہ بھی ہمارے کانوں میں ڈالا جائے کہ:۔

"کسی انگریز سے پوچھا گیا۔ کیا وہ پسند کرے گا کہ آیا اسکی قوم کے ہاتھ سے
شیکسپئیر کے ڈراموں کو گم کر دیا جائے۔ یا انکی ایمپائر (سلطنت) کا کوئی حصہ لے لیا
جائے۔ تو اُس نے جواب دیا۔ میں ترجیح دونگا کہ ہماری ساری ایمپائر ہم سے لے لی جائے مگر
شیکسپئیر ہم سے جدا نہ ہو۔ شیکسپئیر کے ساتھ انگریزی قومیت ہے۔ ان کی قومی
زندگی ہے۔ ایمپائر سے روپیہ آتا ہے۔ روپیہ سے انگلینڈ کی ایک خاص جماعت کو
آسائش ملتی ہے لیکن شیکسپئیر سے ساری قوم کو دماغی خوراک اور خوشی ملتی ہے
مَیں نے بھی اس امر کو اچھی طرح محسوس کیا ہے۔ جب مجھے پھانسی کا حکم تھا۔ موت میرے سر
پر سوار دکھائی دیتی تھی۔ بھگوت گیتا کے مطالعہ نے مجھے موت سے بے پرواہ کر دیا

اگر اس وقت مجھ سے کوئی سوال کرتا کہ تمہیں آزادی اور گیتا میں سے صرف ایک چیز ملے گی۔ تم اپنی قوم کے لئے کیا پسند کرتے ہو؟ آزادی بڑی اعلیٰ شے ہے۔ مگر گیتا کے اندر گیان کا وہ خزانہ ہے جسے میں آزادی پر ترجیح دینے کے لئے تیار ہو جاتا "

(ہندو سنگٹھن اور آریہ سماج مصنفہ بھائی پرمانند صفحہ ۱۰۴-۱۰۵)

کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ اتحاد اور سوراج کی خاطر یہ لوگ تو اپنے وسیع لٹریچر میں سے ایک چھوٹی سی کتاب کو نہیں چھوڑ سکتے۔ آزادی اور سوراج پر گیتا کو ترجیح دیتے ہیں اور کسی حال بھی اسے ترک کرنے پر آمادہ نہیں خواہ آزادی ملے یا نہ ملے۔ ملک غلام ہو یا آزاد۔ یہ زندہ رہیں یا پھانسی پر لٹکائے جائیں۔ مگر جب مسلمان ان کے مخاطب ہوں تو اسوقت اتحاد۔ سوراج اور قومیت کا واسطہ دے دے کر باصرار کہا جائے کہ تبلیغ چھوڑ دو۔ گاؤکشی سے باز آجاؤ۔ قرآن کو پرے پھینکدو۔ اسلام کو ترک کردو۔ اُردو کو بھول جاؤ۔ فارسی کا نام نہ لو۔ عربی کا ذکر نہ کرو۔ اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کا خیال ہی دل سے نکال ڈالو۔ اپنے لٹریچر اور قومی روایات سے قطعی دستکش ہو جاؤ۔ کیونکہ بغیر ان کو چھوڑے باہمی میل ہو گا ہی نہیں۔ سوراج ملے گا ہی نہیں۔ ملک آزاد ہو گا ہی نہیں۔ انگریز یہاں سے جائینگے ہی نہیں +

مسلمانوں کی ایمانی غیرت کا اقبال

"یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں وہ ایک خاص صفت یہ ہے کہ جب اسلام کا سوال آتا ہے تو ایک ان پڑھ مسلمان بھی دنیا کی سب چیزوں کو چھوڑ کر اپنے رسول کی خاطر مرمٹنے کو تیار ہو جاتا ہے" (تیج دہلی ۲۸ مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۲)

مگر یہ لوگ پھر بھی اس قسم کی بیہودہ۔ باجیانہ۔ اور انتہائی دلآزار اور قلب پاش شرائط پیش کرنے میں باک نہیں سمجھتے +

سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کو ہو کیا گیا۔ انکی عقلیں کیوں ماری گئیں۔ دماغ

کیوں ستھیا گئے کہ بغیر سوچے سمجھے اور دوسروں کے جذبات و حسیات کا خیال کئے اس قسم کی احمقانہ اور حد درجہ کی لچر اور اشتعال انگیز باتیں زبان پر لے آتے ہیں؟ کس قدر رنج اور دکھ کا مقام ہے کہ ہم تو ان لوگوں کو اپنا بھائی سمجھیں۔ انکے دکھ اور درد میں شریک ہونا چاہیں۔ جہاں ان کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو تیار ہوں۔ اور جب بھی موقعہ ملے ان سے اتحاد و اتفاق کے لئے اپیلیں کریں۔ مگر انہیں ذرہ بھر بھی ہمارے احساسات کا خیال نہیں۔ اور جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اس قسم کی باتوں سے مسلمانوں کے قلب و جگر پر چھریاں نہیں۔ آرے چلتے ہیں ؛

اس قسم کی دلآزار شرائط کا مقصد کیا ہے؟

آخر ہمیں وہ بتائیں تو۔ اس قسم کی دلفگار اور سینہ چاک باتیں زبان پر لانیکا مقصد کیا ہے؟ اور اٹھتے بیٹھتے اس طور کی قلب پاش اور اشتعال انگیز باتیں کیوں دوہرائی جاتی ہیں۔ اور کس بنا پر مسلمانوں سے اتنا بیر باندھا گیا ہے؟ کیا ہم نے انپر کوئی ظلم کیا۔ کوئی سختی کی۔ کوئی نقصان پہنچایا۔ ان کا کوئی حق مارا کسی قسم کی تکلیف دی۔ آخر اس معاندانہ روش کی کوئی وجہ اور علت تو بتانی چاہیئے؟ تاکہ ہم اور باقی دنیا معلوم کر سکے کہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے فلاں وجہ سے دشمنی ہوگئی ہے ؛

اگر کہا جائے کہ مسلمان تو ہمارے بھائی ہیں ہمیں ان سے کوئی دشمنی نہیں۔ ہم تو اسلام اور اسلامی تعلیم کے دشمن ہیں۔ اور اسی کو مٹانا ہمارا نصب العین ہے[۵] تو

۵ کنور سکھ لال نے ۹ جنوری ۲۷ء کو دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ :-

"ہماری جنگ کا مقصد مسلمانوں کو مٹانا نہیں بلکہ انکی مذہبی تعلیم کو نیست و نابود کرنا ہے"۔ (اخبار وکیل امرتسر ۴۔ فروری ۲۷ء صہ ۳)

کم از کم یہی بتا دیا جائے کہ اسلام سے بیر کیوں؟ اسلامی تعلیم سے نفار کیوں۔ اسلامی تہذیب اور اسلامی آثار سے اس قدر نفرت اور دشمنی کس لئے؟ کیا اسلام انکی ترقی میں حارج ہے؟ کیا اسلام سے انہیں کوئی گزند پہنچا؟ کیا اسلام نے ان کو نقصان پہنچایا؟ یا ان کی راہ میں کسی قسم کی روک پیدا کی؟ آخر اسلام دشمنی کی کوئی تو وجہ بتانی چاہیئے ÷

اسلام دشمنی کی بیہودہ وجہ

اگر کہا جائے کہ یہ ایک بدیشی مذہب ہے جس نے ہم میں پھوٹ ڈالی۔ ہماری ایکتا میں روک بنا۔ اور اسی عدم اتحاد کے باعث ہم سوراج سے محروم ہیں۔ اور جب تک یہ بدیشی اور غیر ملکی تعلیم ہمارے ملک سے نابود نہیں ہوتی۔ اس کے آثار نہیں مٹتے۔ اس کا اثر نہیں جاتا۔ اسوقت تک ہم سوراج سے محروم رہیں گے لیکن چونکہ ہم سوراج لینا چاہتے ہیں۔ اس لئے اس روک کو اپنی راہ سے ہٹائے بغیر دم نہ لینگے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس کو ملک سے نیست و نابود کر دینا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں ÷

اگر اسلام دشمنی کی یہ وجہ اپنے اندر کوئی معقولیت رکھتی ہے تو یاران وطن ہمیں بتائیں۔ کیا اس ملک میں جس قدر مذاہب پائے جاتے ہیں۔ کیا ان میں صرف اسلام ہی ایک بدیشی مذہب ہے؟ کیا عیسائیت بدیشی نہیں۔ یہودیت بدیشی نہیں۔ پارسی مذہب بدیشی نہیں۔ اور تو اور خود آریہ دھرم بدیشی مذہب نہیں؟ آخر عیسائیت یورپ کی راہ سے داخل ہوئی۔ یہودیت بھی سمندر کی راہ سے یہاں پہنچی۔ پارسی مذہب بھی ایران سے آیا۔ اور خود تمہارا مذہب بھی وسط ایشیا سے ہی یہاں آیا ہے۔ پھر ان بہت سے بدیشی مذاہب کے خلاف جہاد کیوں نہیں کیا جاتا؟ انکو مٹانے کا بیڑا کیوں نہیں اُٹھایا جاتا۔ ان کو تباہ کرنے کا چیلنج کیوں نہیں دیا جاتا۔ انکے خلاف کیوں

زور آزمائی نہیں ہوتی؟ کیا عیسائیت۔ یہودیت۔ پارسیت اور ہندویت نے ملک میں پھوٹ نہیں ڈالی۔ اگر کہو نہیں تو یہ صریحاً غلط ہے۔ اگر ہاں میں جواب ہو تو پھر اسلام کی تخصیص کیوں؟

کیا اسلام ترقی و آزادی میں روک ہے؟

اگر کہا جائے کہ اسلام کے سوا اور کوئی مذہب ہمارے اتحاد میں روک نہیں۔ اور سوائے اسلام کے اور کوئی مت سوراجیہ کی راہ میں حارج نہیں۔ اس لئے ہم اسلام ہی کو اپنی راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ تو اسپر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اسکی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ اگر اس دعویٰ کی تائید میں کوئی معقول برہان رکھتے ہو تو پیش کرو۔ ہم بغیر کسی لاگ لپٹ اور جنبہ داری کے اسپر غور کرینگے۔ اور ہم یقین دلاتے ہیں کہ اگر تم یہ ثابت کر دو۔ کہ ملک کی ترقی ملک کی خوشحالی اور ملک کی ایکتا۔ وحدت اور یکجہتی اور حصول سوراج کی راہ میں اسلام ہی حارج ہے تو ہم سب سے پہلے اسکو خیر باد کہنے کو تیار ہونگے کیونکہ ہم نے اسلام اس لئے قبول نہیں کیا کہ یہ ہمارے ماں باپ کا مذہب تھا یا ہماری قوم کا یہ مذہب ہے یا اس بنا پر اسے اختیار کر لیا ہے کہ زمانہ قدیم سے ہمارے آباؤ اجداد اسے مانتے چلے آئے ہیں بلکہ ہم نے خود اپنی عقل۔ فہم۔ اور خدا داد دانش کی مدد سے اسکو پرکھا۔ اس کے اصول اور فروع کو جانچا۔ ہم نے اسے صداقت پر مبنی پایا۔ اور قبول کیا۔ آج اگر کوئی اسکی بطالت ثابت کر دے۔ اور یہ یقین دلادے کہ یہ ہمیں غلام بنائے رکھنے کا موجب ہے اور اسی کی بدولت ہمارا ملک ترقی سے دور جا پڑا ہے تو یاد رکھئے سب سے پہلے ہماری طرف سے ہی اس کے خلاف علم جہاد بلند ہوگا۔ اور سب سے پہلے ہم ہی اس کے خلاف آواز اُٹھائینگے۔ کیونکہ ہم ایسے مذہب کے ایک لمحہ کے لئے بھی روادار نہیں جو ہماری ترقی۔ خوشحالی۔ بلند اقبالی

اور آزادی میں حارج بنے ✤

لیکن ہم پورے وثوق اور یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو لوگ اسلام کو اس ملک سے خارج کرنے کے درپے ہیں۔ وہ اپنی تائید میں کوئی لولی لنگڑی سی دلیل بھی نہیں پیش کر سکتے چہ جائیکہ کوئی معقول اور وزندار دلیل لائیں ✤

ہم نے اپنی انتیس ۲۹ یا تیس ۳۰ سالہ عمر میں سے کامل بارہ سال مذاہب عالم کی تحقیق میں صرف کئے ہیں۔ اور ہم اپنی وسیع۔ گہری اور ٹھوس تحقیق کی بنا پر بیانگ دہل دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام پر جس قسم کے لغو اور بیہودہ بہتان باندھے جاتے ہیں وہ یقیناً یقیناً نرمول۔ اسنیہ بے بنیاد اور لغو محض ہیں۔ بلکہ ساتھ ہی اس کے ہم یہ بھی کہینگے کہ اسلام نہ صرف یہ کہ ہماری اور ہمارے ملک کی ترقی و آزادی میں روک نہیں بلکہ یہی ایک مذہب ہے جو ہمیں ترقی کی راہوں پر چلاتا ہوا رفعت و بزرگی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا سکتا ہے۔ اور اس میں یہ ایسا عدیم المثال وصف ہے کہ دنیائے جہان کا کوئی مذہب کوئی مت اور کوئی دھرم اس کا لگا نہیں کھا سکتا ✤ چونکہ فی الحال ہمارے پاس اتنا وقت نہیں کہ ہم اسلام کی خوبیوں اور رعنائیوں سے ان بھولے بھٹکوں کو روشناس کرائیں۔ اور بتائیں کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے جہان کی ترقی و خوشحالی اسلام ہی پر منحصر ہے۔ اور جبتک اقوام عالم اسپر عامل نہ ہونگی انہیں حقیقی سکھ۔ راحت اور امن و آزادی نصیب نہ ہوگی۔ اور وہ مشکلات اور مصائب بھی دور نہ ہونگے جو انہیں بری طرح گھیرے ہوئے ہیں اس لئے ہم صرف اپنی بحث کو ہندوستان تک ہی محدود رکھنا چاہتے ہیں ✤

سوراج کی راہ میں اسلام نہیں ہندو دھرم روک ہے

اور اسوقت یہی بتانا کافی سمجھتے ہیں کہ مادرِ وطن کی مشکلات و مصائب کا باعث اسلام نہیں۔ ہندو دھرم ہی ملک کی خوشحالی و ترقی

ہیں خارج اسلام نہیں۔ آریہ مت ہے۔ سوراج کے حصول میں اسلام مانع نہیں بلکہ وہ مذہب مانع ہے جسے ہندوازم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اس دلیل و برہان پر مبنی دعویٰ کو سن کر یاران وطن چونکیں گے۔ مگر ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ بھی کہا ہے یہی حق اور درست ہے۔

قبل اس کے کہ ہم یہ بتائیں کہ اسلام ہماری اور ہمارے ملک کی ترقی و آزادی میں روک نہیں بلکہ یہی ہمیں حقیقی آزادی اور سچی خوشحالی کا وارث بنا سکتا ہے پہلے ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہماری نکبت۔ ہمارے ادبار۔ ہماری مصائب۔ ہماری مشکلات ہماری محکومی اور غلامی کا باعث اسلام نہیں۔ بلکہ ہندو دھرم ہے۔ چونکہ یہ عین ممکن ہے کہ ہماری تحقیق کے نتائج سے ہندو دوست اتفاق نہ کریں اور اسے طرفداری و تعصب پر محمول کریں اس لئے ہم اپنی تحقیق کو محفوظ رکھتے ہوئے اس دعویٰ کے اثبات میں خود انہی کے مسلمہ لیڈروں اور ذمہ دار ایڈیٹروں کے چند اقوال نقل کئے دیتے ہیں جس سے یہ امر دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو جائیگا کہ ہماری محکومی و غلامی کا باعث اسلامی تعلیم نہیں بلکہ اسکی تمام تر ذمہ داری ہندو دھرم اور اسکی تعلیم پر ہے۔ اب سنئے اور ہر طرف سے توجہ ہٹا کر سنئے۔ خود ہندو لیڈر ملک کی زبون حالی و غلامی کا ذمہ دار کسے ٹھہراتے ہیں:۔

ہندو لیڈروں کا اقبال کہ ہماری غلامی کا باعث ہندو دھرم ہے

مسٹر بغدے صدر غیر برہمن کانفرنس ناگپور کی تحقیق

مسٹر بغدے، پریذیڈنٹ نان برہمن کانفرنس ناگپور نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا تھا کہ

"اگر ہندوستان نے اپنی آزادی کو کھو دیا ہے تو صرف برہمنوں کی بدولت ..... آج اچھوت پن براہمنوں کی ہستی کے باعث موجود ہے"

(اخبار پرتاپ ۲۸ مئی ۱۹۲۵ء ص۵)

مسٹر بغدرے کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ برہمن پارٹی کے مخالف ہیں اس لئے انکی رائے کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتی۔ اس لئے ہم ہندو دوستوں کے مزید اطمینان کے لئے ایک بہت بڑے معزز ہندو۔ بلکہ بنگال پراونشل ہندو سبھا کے صدر کی تحقیق کا خلاصہ بھی سنائے دیتے ہیں۔

مسٹر پی۔ سی رائے پریذیڈنٹ ہندو پراونشل کانفرنس فریدپور کی تحقیق

اپنی صدارتی تقریر (فریدپور۔ بنگال) میں فرمایا کہ:۔ "اگر کوئی بدیشی مجھ سے دریافت کرتا ہے کہ کیوں تینتیس ۳۳ کروڑ ہندوستانی چند بدیشیوں (غیر ملکیوں) کے زیر فرمان ہیں؟ تو میرا جواب ہوتا ہے کہ اسکی وجہ اچھوت پن کی لعنت ہے۔ اگر کوئی آدمی مجھ سے دریافت کرے کہ ہمارے حصول سوراجیہ کے راستہ میں رکاوٹ کیا ہے۔ میرا جواب ہوگا اچھوت پن کی لعنت"!

(اخبار پرتاپ لاہور ۲۵ مئی ۱۹۲۵ء ص۲)

ہمارے دعوٰی کی تائید کے لئے محولہ بالا شہادتیں بھی بہت کافی ہیں۔ مگر ہم تائید مزید کی خاطر ان سے بھی زیادہ ذمہ وار اور کٹر اور غالی آریہ سماجی اصحاب کی ایک دو رائیں ذیل میں درج کرتے ہیں۔ تاکہ ہمارے ہندو مِتروں کو ہمارے دعوٰی کی صداقت میں کسی قسم کا بھی شک و شبہ باقی نہ رہ جائے۔

ایڈیٹر ملاپ کی بے لاگ تحقیق

آریہ پرادیشک پرتی ندھی سبھا پنجاب۔ سندھ۔ بلوچستان کے جنرل سکرٹری و اخبار ملاپ لاہور کے ایڈیٹر مہاشہ خوشحال چند جی خورسند ملک کی موجودہ حالت پر آنسو بہاتے

ہوئے ہمیں بتاتے ہیں کہ ہماری محکومی و غلامی کا کون موجب اور باعث ہے۔ اگر اس تحربر سے یہ ثابت ہو کہ اس کا موجب اسلام ہے تو ایسی حالت میں تینتیس کروڑ ہندوں اور سات کروڑ مسلمانوں کو متفقہ طور پر اس۔ کے خلاف پروٹسٹ کرنا چاہیئے۔ اور ایسی راہیں اختیار کرنی چاہئیں کہ جن سے ہم جلد سے جلد اس سے اپنا پنڈ چھڑا لیں لیکن اگر ملک کو غلامی کی خاردار زنجیروں میں جکڑے رکھنے کا ذمہ دار ہندو دھرم اور اسکی تعلیم ثابت ہو تو ایسی حالت میں ہم کچھ نہیں کہینگے۔ بلکہ اس کا فیصلہ ہندو دوستوں پر چھوڑیں گے اور انہیں آزادی دینگے کہ اس دھرم کے متعلق جو چاہیں رائے قائم کریں۔ اور جس سلوک کا وہ مستحق سمجھا جائے وہی اس سے روا رکھا جائے مگر ایسی حالت میں ان سے یہ درخواست ضرور کرینگے کہ اگر ہماری محکومی و غلامی کا باعث ہندو دھرم ثابت ہو تو خدارا آیندہ یہ کہہ کہہ کر ہمیں دُکھ نہ دیں کہ اسلام اس قابل ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے اور اس کے آثار تک مٹا دیئے جائیں۔

"ہندوستان کی غلامی اور ہندوستانیونکی بے عزتی کی ہسٹری کی کھوج کرنے کرتے جہاں جا کر ایک محقق ٹھہر جاتا ہے۔ وہ ہندوُنکی چھوت چھات ہے ہندوستان پر اسی دن لعنت کے بادل برسائے گئے۔ جب یہاں ایک بھائی دوسرے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ اُونچ نیچ کے بھاؤ (خیالات) پیدا ہو گئے چھوٹے بڑے کی تمیز آگئی۔ اور ان خیالات نے اتنا زور پکڑا۔ کہ ایک ایک خاندان کے کئی کئی ٹکڑے ہو گئے۔ اِسوقت تک جتنی قربانیاں بھارت ماتا لے چکی ہے اُس سے آدھی قربانیوں سے دوسرے ملک آزاد ہو چکے ہیں۔ سیواجی۔ مہارانا پرتاپ۔ گورو گوبند سنگھ۔ بندا بہادر۔ سوامی دیانند۔ مہاتما گاندھی۔ اور دوسرے فنا فی القوم معززین کی قربانیاں کوئی کم نہیں۔ ان سے بہت تھوڑی قربانیاں بھی کسی ملک کو اُٹھانے اور غلامی کے گڑھے سے نکال کر آزاد کرانے کے لئے کافی ہیں

لیکن اس بے نصیب ہندوستان کا کیا کیا جائے کہ جسے چھوت کا شاپ (بددعا) لگ چکا ہوا ہے۔ جب کسی دشمن وطن اور ٹریٹر کے دل میں اس چھوت یا اونچ نیچ کا خیال آیا ہوگا۔ اور اُس نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک و قوم میں تفریق اور تقسیم کا سلسلہ جاری کیا ہوگا تو اسی دن زمین و آسمان اس ہیبت ناک آواز سے گونج اُٹھے ہونگے۔ کہ جس راستہ پر اب ہندوستان کو ڈالا گیا ہے۔ یہ دائمی غلامی دائمی تباہی۔ اور دائمی بربادی کا راستہ ہے۔ اور جب تک اس راستہ کو چھوڑا نہیں جائے گا۔ ہزار قربانیاں کر لینا۔ لاکھ تکلیفیں سہہ لینا۔ سو تدبیریں کر لینا۔ یا سہا پروگرام تبدیل کر لینا۔ لیکن گوہر مقصود کو نہیں پا سکو گے"

"یہ شاپ (بددعا) ہندوستان کو مل چکا ہوا ہے۔ اور افسوس ہے کہ ہندوستانی (ہندوستانی نہیں۔ ہندو کہئے۔ ناقل) اس شاپ سے ناواقف اسی پاپ کو کرتے چلے جا رہے ہیں جسکی بدولت آج یہ دن نصیب ہو رہے ہیں۔ جب ہندوستانیوں (مسلمانوں۔ اچھوتوں۔ ناقل) کی زندگیوں کو زندگی نہیں سمجھا جاتا کتے۔ بلی بھی شائد زیادہ حقیقت رکھنے ہوں لیکن ہندوستانی (مسلمان۔ عیسائی اور ادنیٰ اقوام۔ ناقل) ان سے بھی گئے گذرے خیال کئے جاتے ہیں ..... ہندوستانیوں اور ہندو یہ سب اسی شاپ کا نتیجہ ہے لیکن کیا ہم نے اس راستہ کو چھوڑا ہے؟ سوال معمولی ہے۔ لیکن جواب نہایت دردانگیز ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم نے (ہندوؤں نے۔ ناقل) بجائے اس راستہ کو چھوڑنے کے اس پر مضبوطی سے چلنے کی قسمیں کھا رکھی ہیں"

(اخبار ملاپ ۱۸۔ اپریل ۲۴ء ۶ مہ ۲)

اس لمبے اقتباس نے بتا دیا۔ اور کھول کھول کر بتا دیا کہ ملک کی تباہی۔ بربادی۔ نکبت۔ اور غلامی کا باعث ہندوؤں کی چھوت چھات ہے۔ جو ہمارے دعوے کی بہت حد تک مؤید ہے۔ لیکن ہمارا دعویٰ صحیح معنوں میں اسی وقت کامل طور پر

پایۂ ثبوت تک پہنچا ہوا سمجھا جا سکتا ہے جبکہ ہم ساتھ ہی اس "دشمن وطن اور ٹریٹر" کا پتہ بھی بتا دیں کہ وہ کون ہے۔ سوا اسکے لئے ایک دوسرے

ایڈیٹر صاحب پرکاش کی تحقیق

ذمہ دار آریہ سماجی کی تحریر کا مندرجہ ذیل اقتباس پڑھ لیجئے۔

مہاشہ کرشن بی اے جنرل سیکرٹری آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب و ایڈیٹر پرتاپ و پرکاش لکھتے ہیں کہ:-

"دشمن وطن اور ٹریٹر" جو چھوت چھات کا بانی ہے۔ وہ سوائے ہندو دھرم کے اور کوئی نہیں۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ جو نہایت بے تکلفی اور پوری تحقیق کے بعد لکھے گئے ہیں:-

"یہ امر واقعہ ہے کہ موجودہ ہندو دھرم کی تعلیم ہی ذمہ دار ہے کہ سات کروڑ (اچھوت۔ اور سات کروڑ مسلمان اچھوت) خود ہندوؤں کے اوہارک مظالم کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور انہیں قوم سے باہر الگ بیٹھنے پر مجبور کر دیا گیا ہے"۔
(اخبار پرتاپ ۲۱۔ جولائی ۱۹۲۵ء ص ۲)

یہ ہم نے نہیں کہا۔ کوئی مسلمان نہیں کہتا۔ کسی عیسائی۔ یہودی۔ جینی۔ بودھ یا سکھ نے نہیں لکھا۔ بلکہ ایک کٹر اور پختہ خیال کے آریہ سماجی ہاں ذمہ دار آریہ سماجی نے کہا ہے کہ موجودہ چھوت چھات جو بقول مسٹر بیدے۔ مسٹر پی سی رائے۔ اور مہاشہ خوشحال چند ہماری اور ہمارے ملک کی تباہی۔ بربادی محکومی اور غلامی کا باعث ہے وہ ہندو دھرم ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اور اس چھوت چھات کی لعنت کی "موجودہ ہندو دھرم کی تعلیم ہی ذمہ دار ہے"۔

پس اب جبکہ یہ خود ہندوؤں اور آریہ سماجی لیڈروں ہی کی زبان و قلم سے

ثابت ہوگیا کہ ملک کی بے بسی - بدحالی - محکومی اور غلامی کا باعث چھوت چھات ہی اور چھوت چھات کی رائج کنندہ ہندو دھرم کی تعلیم ہے - تو اب ہمیں اس کے متعلق کچھ مزید لکھنا تحصیل حاصل سا نظر آتا ہے - اس لئے ہم خود ہندوؤں اور آریوں کی قلمی شہادتوں سے اپنے دعوے کو ثابت کر دینے کے بعد کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے - اور اب ہر ایک وہ شخص جو کچھ بھی عقل و خرد رکھتا ہے محولہ بالا شہادتوں کو پڑھ لینے کے بعد یقین کریگا - کہ ملک کو محکوم اور غلام بنا دینے کی ذمہ واری ہندو دھرم پر ہے نہ کہ اسلام پر - ذمہ وار ہندو اور آریہ لیڈروں کی خود نوشتہ تحریروں سے ہی ثابت کر دینے پر کہ "ہندوستان کی غلامی اور ہندوستانیوں کی بے عزتی" کا باعث ہندو دھرم کی تعلیم ہے - اور اسی کی بدولت ہمارا ملک اس حالت کو پہنچا ہے - کچھ ضرورت نہ تھا کہ اسلام کے متعلق بھی کچھ لکھا جاتا - کیونکہ جب ملک کی غلامی کا اصل ذمہ وار پکڑا گیا تو ایسی حالت میں اسلام ہر اعتراض اور الزام سے بری ٹھہرتا ہے - مگر ہم صرف اسی امر کے تو مدعی نہیں کہ ہماری نکبت غلامی کا موجب اسلام نہیں - بلکہ ہم تو یہ بھی دعویٰ رکھتے ہیں کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے

اسلام ہی ملک کو غلامی سے نجات دلاسکتا ہی

جسپر اگر ہم سب عامل ہو جائیں تو یہی ملک جو عرصے سے ذلت و ادبار میں گھرا ہوا ہے صدیوں میں نہیں سالوں میں ہی اپنی گزشتہ رفعت و منزلت حاصل کرسکتا ہے - کیونکہ یہی وہ مذہب ہے جو صحیح معنوں میں غلامی کا دشمن - اونچ نیچ کا مخالف ذات پات کا بیری - اور عام مساوات کا حامی ہے - یہی مذہب ہے جس نے سب سے پہلے غلامی پر ضرب لگائی - یہی مذہب ہے جس نے برہمن دھرم کی بجائے عالمگیر برادری کی بنیاد ڈالی جس نے اونچ نیچ کے خیال کو باطل ٹھہرا کر اسکی جگہ ہر ایک کو مساوی درجہ بخشا اور دنیا میں آزادی و حریت کی وہ لہر چلائی کہ آج وہ قومیں بھی حریت و آزادی کی دلدادہ ہیں

جو آزادی اور حریت کے ناموں سے بھی ناآشنا تھیں۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ہندوستان اپنی حالت کو سنوارنا چاہیں۔ اپنے مصائب کا سلسلہ ختم کرنے کے متمنی ہوں اپنے ادبار اور زوال سے نجات پانے کے خواہاں ہوں۔ اپنی موجودہ غلامی اور محکومی کی زنجیریں توڑ دینے کا عزم صمیم رکھتے ہوں۔ اور اس کے علاوہ اور بھی جن مشکلات میں وہ بُری طرح پھنسے ہوئے ہیں ان سے نکلنا چاہیں۔ تو اس کا تیر بہدف اور مجرب علاج یہ اور صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا کر سکیں تو پھر وہ دیکھیں گے کہ کتنی جلدی اُنکی غلامی و محکومی کی بیڑیاں کٹتی ہیں۔ کتنی جلدی یہاں سے چھوت چھات کا نحوست رخصت ہوتا ہے۔ کتنی جلدی یہاں سے اُونچ نیچ کا خیال دفع ہوتا ہے۔ کتنی جلدی یہاں سے توہمات کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اور کس عجب رفتار سے ملک ترقی و اقبال کی تمام منازل طے کر کے دنیا کے جہان کے تمام ممالک سے ممتاز و سربلند ہو جاتا ہے ۔

ہمیں اندیشہ ہے کہ ہماری ان باتوں کو بھی طرفداری پر محمول کیا جائے گا۔ مگر ہم ایسی باتیں کہنے کے عادی نہیں (خواہ وہ کتنی ہی صداقت و حقانیت پر مبنی ہوں) جنکی تائید خود غیر نہ کریں۔ اور ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہے یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں۔ بلکہ خود ہندو بھی ایسا ہی کچھ لکھنے پر مجبور ہیں جنہوں نے عقل و انصاف سے کام لیتے ہوئے اسلام کا مطالعہ کیا ہے ۔

وہ لوگ جو ہندوستان سے اسلام کو محض اس لئے خارج کرنا چاہتے ہیں کہ یہ آزادی کا دشمن۔ حریت کا مخالف۔ جمہوریت کا بیری۔ ملک کو آزاد کروانے میں روک۔ اور سوراج کی راہ میں سد سکندری بنا ہوا ہے۔ وہ ذرا اپنے ہی بھائی ہندؤں کی تحقیق کا خلاصہ پڑھیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اسلام کے متعلق جس قسم کے خیالات ان کے دلوں میں پرورش پا رہے ہیں وہ کس قدر بے بنیاد۔ اور حقیقت سے دُور

ہیں۔ نہ صرف یہی انہیں معلوم ہوگا۔ بلکہ یہ بھی جان لینگے کہ ہماری مصائب کا حقیقی علاج صرف قبول اسلام ہی میں مضمر ہے۔ اور یہی اور صرف یہی ہمیں مصیبت اور ادبار سے نجات دلا سکتا ہے +

ہندو لیڈروں کی شہادتیں کہ اسلام ہی جمہوریت اور آزادی کا حامی ہے۔ اور یہی ملک کو آزادی دلا سکتا ہے۔

بابو بپن چندر پال کی تحقیق کا خلاصہ

بنگال کے مایۂ ناز ہندو لیڈر بپن چندر پال اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ

"ہم نے اسلامی تہذیب اور اسلامی مطمح نظر کے متعلق کم نظر یا غرض مند یورپین حضرات کی تحریروں اور تاریخوں سے اب تک جو خیالات قائم کئے ہیں۔ اور جو اندازہ لگایا گیا ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اسوقت اسپر نظر ثانی کریں۔ اور دیکھیں کہ حقیقت کیا ہے..... عربوں کی اس اجتماعی جمہوریت میں اسلام نے وہ روح آزادی پیدا کر دی جس سے اس عہد کا کوئی مذہب آشنا نہ تھا۔ اور اسوقت کی دنیا اس سے قطعی بیگانہ تھی۔ اسلام نے اخوت اور برادرانہ روابط پر جسقدر زیادہ زور دیا۔ جس شدومد سے اسپر عمل پیرا ہوئے اسکی مثال دنیا کا اور کوئی مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں ہندوؤں کی طرح کوئی ذات پات کا امتیاز موجود نہیں۔ نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے جیسا کہ آج مغربی مسیحی اقوام کا شعار بنا ہوا ہے مسلمانوں کی تاریخ جوش ملی اور مذہبی فدائیت

کی مثالوں سے بھری پڑی ہے" (پیام امین)

شریمتی سروجنی نیڈو سابق صدر انڈین نیشنل کانگریس کانپور نے اپنے ایک لیکچر میں ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ
"اسلام کی حریت و جمہوریت آج سبق لینے کے لائق ہے۔" (اخبار وکیل امرتسر ۲۶ جنوری ۱۹۲۸ء)

شری راج وید پنڈت گدادھر پرشاد صاحب شرما نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ
"میری رائے میں اگر کسی مذہب کو اخوت باہمی۔ اخلاق و تہذیب اور اتحاد کی دولت فراوانی اور کثرت کے ساتھ عطا کی گئی ہے وہ مذاہب کا سردار "اسلام" ہے۔ اسلام کی فیاضی اور کشادہ دلی اسکا امتیاز نشان ہے وہ بلا لحاظ اسبات کے کہ کوئی امیر ہے یا غریب۔ سب کو اپنی شفیق آغوش میں پناہ دیتا ہے۔ اس کے دروازے سب کے لئے کھلے ہیں۔ اور ہر خیال اور ہر رنگ کے انسان اس کے زیر سایہ آرام و راحت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔"

پھر یہ بھی تحریر فرمایا کہ

اچھوت پن کی لعنت کو دور کرنے کی طاقت اسلام اور صرف اسلام میں ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی مذہب اس لعنت
دور کرنیکی طاقت نہیں رکھتا۔" (اخبار مسلم راجپوت امرتسر ۱ جون ۱۹۲۵ء)

پنڈت پرشوتم دیوست دھاری نے لکھا ہے کہ
"ہندو مذہب کا پہلا اصول یہ ہے کہ جو قومیں دوجنمی نہیں ہیں۔ وہ ناپاک ہیں جن کا چھونا تک داخل نجاست ہے۔ ایک برہمن دوسری قسم کے برہمن کے ساتھ ایک تھالی میں نہیں کھا سکتا۔ اس قسم

باتوں نے ہندو مذہب کو اسلام اور عیسائیت کی تہذیب و تمدن سے محروم رکھا۔ اگر ہندو واقعی حکومت خود اختیاری دل سے چاہتے ہیں تو ہندو مذہب کے اجزائے ترکیبی سے فوراً دست بردار ہو جائیں۔ اور اگر وہ اس میں خاص کوشش نہ کرینگے تو زمانہ انکو اس رواداری اور تہذیب و تمدن اختیار کرنے پر مجبور کریگا جسکی تبلیغ و اشاعت اسلام اور عیسائی کر رہے ہیں۔"

پھر بھی صاحب اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"جس پیغام کو اسلام کی زبان سے سُن کر تم اس کو ٹھکراتے ہو۔ اب وہی پیغام تم میں سے جو عاقل ہیں وہ تم کو سُنا رہے ہیں۔ اور تم قبول کر رہے ہو۔ کیونکہ مساوات۔ جو اسلام کا نمونہ ہے۔ اور جو اچھوت ادھار کے نام سے ظاہر ہوئی ہے۔ اسلامی تعلیم ہے۔ اگر تم دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہو۔ تو تمام ہندو رسمیات۔ جن سے ہندو مذہب کا جسم مرکب ہے۔ تم کو مجبوراً ترک کرنا پڑینگی ۔ ۔ ۔ ۔ پس میری محبت و الفت کے ساتھ یہ نصیحت ہے۔ کہ تم تہذیب و تمدن اختیار کر کے ایک قوم بن جاؤ اور ایسے شیر و شکر ہو جاؤ کہ ایک برہمن اور چمار میں کوئی نسلی امتیاز باقی نہ رہے اور جب تم زیادہ صاحب فہم ہو جاؤ تو پھر اسلام اپنی آغوش محبت میں (تمہیں) لینے کو تیار ہے۔ جس میں گورے اور کالے کا بھی کوئی امتیاز نہیں۔ جسکے معبد ایک چمار اور سید دونوں کے لئے یکساں ہر وقت کھلے ہیں" (مسلم راجپوت امرتسر ۲۷ ستمبر ۱۹۲۸ء ص)

مسٹر جی۔ بی نائر صاحب نے کچھ مدت ہوئی گاندھی جی کے نام ایک پیغام بھیجا تھا۔ جس میں انہوں نے لکھا کہ:۔

"آپ ہندو مذہب کو مختلف فرقوں اور جماعتوں میں منقسم دیکھتے ہیں۔ اور اسپر بھی آپ چاہتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد قائم ہو جائے۔ مہاتما جی۔ یہ کیسے

ہو سکتا ہے؟ ہندوستان میں برہمن ہی تمام اصلاحی تحریکوں کی راہ میں مزاحم ہیں۔ مجھے اپنے برہمن بھائیوں کی ہمدردی میں ذرا بھی اعتبار نہیں۔ یہ ہماری سوسائٹی کے ناسور ہیں۔ اور ہندوستان کی ہندو دنیا میں وہ ایک فساد انگیز عنصر ہیں ان لوگوں میں کبھی کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب یہ حالت ہے تو از برائے خدا فرمایئے۔ کہ آپ ہندو مسلمانوں کے باہم ملانے میں کیونکر کامیاب ہو سکتے ہیں؟ میرے نزدیک یہ بالکل ناممکن ہے۔ یہ امر ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ ایک دریا کے بہاؤ کو اوپر لے جانا۔ اس مسئلہ کا حل متحدہ ہندوستان میں مضمر ہے۔"

"اگر ہم اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ضرور ہے کہ ہمارا نصب العین ایک اور مذہب بھی ایک ہی ہو۔ میرا پختہ یقین ہے کہ جب تک ہم اسلام کی شفیق آغوش میں نہیں آجائینگے۔ اور اپنی سرگرمیوں کا رُخ ایک اسلامی ہند کی تعمیر کیطرف نہیں پھیرینگے۔ ذات پات کا موجودہ سوال اور اس نوع کے دیگر نقائص رفع نہیں ہو سکتے۔"

"تمام مذاہب عالم میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو اتحاد باہمی اور ایک مشترکہ مطمع نظر کو ترقی دیتا ہے۔ دنیا میں کوئی مذہب اسقدر جمہوری۔ اس قدر پاکیزہ اور اس قدر بے تعصب اور فیاض نہیں ہے۔ اسلام میں ذات پات کی الجھنیں نہیں ہیں۔ اس میں کوئی پیچھے کی طرف دیکھنے والی رُوح نہیں ہے۔ قرآن کریم کے اوراق مقدس کے روبرو تمام انسان مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ نارسائی۔ اچھوت پن اور رازداری سے اسلام ناآشنائے محض ہے۔ آپکے اپنے اعمال بھی اکثر اوقات خالص اسلامی ہوتے ہیں۔ . . . . . مہاتماجی میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ ان حالات میں آپ کیوں اسلام قبول کر کے اپنی بقیہ زندگی ایک آزاد و خود مختار اسلامی ہند کی تعمیر و تکمیل میں نہیں صرف کرتے۔ میرا یقین ہے کہ

بہت سے غیر براہمن آپکے گلہ میں شامل ہونے کو تیار ہونگے۔ اچھوت پن اور اس قسم کی دوسری خرابیاں کسی اور طریقہ سے رفع نہیں کیجا سکتیں۔ خواہ آپ کھان۔ پان اور شادی بیاہ میں کتنی ہی فراغدلی سے کام لیں۔ اور مختلف قوموں میں اس قسم کے تعلقات قائم کریں"۔ (پیغام صلح ۸۔ اپریل ۱۹۳۳ء)

کہاں تک نقل کریں۔ اس قسم کی بیسیوں تحریریں جمع کر کے درج کی جا سکتی ہیں مگر یہ جاننے کے لئے کہ ہندوستان کی مشکلات۔ مصائب تکالیف اور نکموں و غلامی کو دور کرنے کی اگر کسی مذہب میں صلاحیت اور قوت ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام میں۔ اور یہی وہ مذہب ہے۔ جس پر چل کر ملک کو ہر قسم کی مصائب سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جس کا دامن پکڑ کر ملک کو غلامی سے مخلصی دلائی جا سکتی ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جو ہندوستانیوں میں سچی انسانیت حقیقی اخوت اور برادرانہ الفت پیدا کر کے ان میں خالص جمہوریت اور مساوات پیدا کر سکتا ہے۔ اور یہاں کے باشندوں کو سوراج کا حقیقی سکھ بھوگنے کا پورا پورا اہل بنا سکتا ہے۔ یہ اقتباس بھی بہت کافی ہیں۔ مگر تاہم اپنے ان ہندو دوستوں کی خاطر جو اپنی ناواقفی اور بدعلمی کے باعث اسلام کو سوراج کی راہ میں روک سمجھے بیٹھے ہیں۔ انہیں ایک اقتباس اور پڑھوائے دیتے ہیں۔

غیر براہمن لیڈر مسٹر بغدے کا نعرۂ حق

مسٹر بغدے نے غیر براہمن کانفرنس منعقدہ وارد ہا (سی۔پی) میں اپنا صدارتی ایڈریس پڑھتے ہوئے بڑی جرأت اور بے باکی سے کہا تھا کہ

"اگر آج سارا ہندوستان مسلمان بنجائے تو انگریزی حکومت کا یکدم خاتمہ ہو جائے۔ اور ہندوستان براہمنوں کے ظلم سے آزاد ہو جائے"۔ (اخبار ملاپ ۲۹۔ مئی ۱۹۲۵ء)

یہی نہیں اس طور کی اور بھی بہت سی عبارتیں نقل کی جا سکتی ہیں مگر حقیقت شناسوں کے لئے تو یہ بھی بہت کافی ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ محولہ بالا شہادتوں کی موجودگی میں یہ کہنے کی اب کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ اسلام ہندو مسلم ایکتا میں روک ہے یا سوراج کی راہ میں حائل ہے۔ لہذا مسلمان اسے ترک کر دینگے تو ان سے اتحاد ہوگا۔ اور ہندوستان بھی جبھی سوراج کا مستحق ٹھہرے گا۔ کیونکہ جو لوگ ان غیر مسلموں کی تحقیق کو بنظر امعان پڑھینگے انہیں معلوم ہو جائیگا کہ ہندوستان میں جتنے بھی مذہب پائے جاتے ہیں انہیں اسلام ہی وہ مذہب ہے جسکی متابعت ہمیں سوراج کا حامل بنا سکتی ہے۔ اور اسی کا دامن پکڑ کر ہندوستانی گوہر مقصود کو پا سکتے ہیں۔ نہ کہ اسے مٹا کر۔ لیکن باوجود یہ ثابت کر دینے کے کہ سوراج کی راہ میں اسلام نہیں بلکہ ہندو دھرم ہی روک ہے پھر بھی ہم اپنے ہندو

ہم ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے

بھائیوں کو اس بات پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ ضرور ہی شدھی کی تحریک بند کر دیں۔ ہندو دھرم کو جواب دیدیں۔ ہندو تمدن اور ہندو تہذیب کو فنا کر دیں۔ وید اور شاستروں کو پرے پھینک دیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ہر ایک کو خیالات کی آزادی ہونی چاہیئے۔ اور جو جس مسلک کو پسند کرے اسے اختیار کرے۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ اس کو جبرًا اس سے روکے۔ باوجود یہ سمجھنے اور جاننے کے کہ ہندو دھرم کی بدولت ہی ہمارا ملک توہمات کا شکار ہے۔ چھوت چھات کی لعنت میں گرفتار ہے۔ آزادی سے دور جا پڑا ہے۔ سوراج سے محروم ہے۔ مگر ہم ہندو دھرم کے انویایوں پر جبر نہیں کرنا چاہتے۔ ہم یہ تو کہینگے کہ اگر انہیں آزادی پسند ہے۔ سوراج کی خواہش ہے۔ چھوت چھات سے نفرت ہے۔ توہمات سے نجات چاہتے ہو۔ تو اسلام کی شرن میں آ جاؤ۔ مگر یہ کبھی نہیں کہینگے کی ہم کسی کو بھی اجازت نہ دینگے کہ وہ ہندوؤں کو اس کیلئے تنگ اور

مجبور کرے کہ وہ ضرور ہی اس سے اتفاق کریں +

جب سوراج کی پہلی شرط خیالات کی آزادی ہے تو ہم۔ یا اور کوئی کس طرح اس اصل کے خلاف یہ کہہ سکتا ہے کہ ہندو ضرور ہی ہمارے خیالات سے اتفاق کریں۔ اور اپنا دھرم اور مسلک ترک کر دیں۔ ہم ہندو سبھائیوں کیطرح تنگ دل۔ متعصب اور جابر نہیں کہ دوسروں کو مجبور کر کے اپنا ہمخیال بنائیں۔ ممکن ہے ان کا مذہب انہیں یہی ہدایت کرتا ہو کہ ایکتا اور اتفاق کے لئے دوسروں پر جبر جائز ہے۔ اور جس طرح بھی ہو دوسروں کو ہمخیال بنانے کے لئے سعی کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ نرمی سے ہو یا تشدد سے۔ مگر ہم چونکہ اسلام کے نام لیوا ہیں۔ اس لئے

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ہمارا ماٹو ہے

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین میں کوئی جبر نہیں) ہمارا ادبی ماٹو ہے۔ اور ہم کبھی اور کسی حال میں بھی اسکو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس وقت تو خیر ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں۔ لاؤ لشکر۔ اور تیغ و سنان نہیں۔ مگر جب ہم اس ملک کے والی تھے۔ سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ دولت اور طاقت ہمارے گھر کی لونڈیاں تھیں زور اور زر ہمارے ہاتھ باندھے غلام تھے۔ اسوقت بھی ہم نے اسی اصل پر عمل کیا۔ اور یہ جاننے کے باوجود کہ بُت پرستی بُری چیز ہے۔ شرک قابل مذمت ہے۔ دیوی دیوتاؤں کا پُوجنا خدا سے دُور پھینک دیتا ہے۔ توہمات میں گرفتار رہنا دین اور دنیا کی رسوائی کا موجب ہے مگر پھر بھی ہم نے کسی کو مجبور نہیں کیا کہ بُت پرستی ترک کر دیں۔ شرک سے منہ موڑیں۔ توہمات کو جواب دے دیں۔ یا اپنے دوسرے عقائد کو خیرباد کہدیں۔ حالانکہ ہم صاحب طاقت تھے۔ اور اس وقت اگر ہم کسی پر جبر کرتے تو ہمارا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ تھا مگر ہم نے پھر بھی کسی قوم کی تہذیب۔ تمدّن۔ زبان۔ رہتی رواج اور عقائد کو تباہ کرنے کی کوشش نہیں کی ؟ +

کیوں؟ اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں اور دنیا میں خیالات کی آزادی قائم کرنا ہمارا مسلک وحید ہے۔ اور حقیقت میں یہی وہ مسلک ہے جو دنیا میں امن و آزادی قائم کرسکتا ہے اور جب تک اسکو نصب العین نہ بنایا جائے کوئی قوم اور ملک امن اور سلامتی کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔ ہندو مہاسبھائی۔ بیشک تنگ دلی دکھائیں۔ اپنی کم ظرفی کا مظاہرہ کریں۔ اور ڈنڈے کا ڈر دکھا کر یہ کہیں کہ ہم تبلیغ کو بند کردینگے۔ گئوکشی کو روک دینگے۔ نمازوں میں خلل ڈالینگے۔ اور اسلامی آثار مٹا دینگے مگر انہیں یاد رہے کہ جتنے بھی وہ اس خیال پر پختہ ہونگے اتنے ہی حریت۔ آزادی اور پُرامن زندگی سے دور ہوتے چلے جائینگے۔ اور سوراج جیسی نعمت سے قیامت تک محروم رہیں گے +

ہاں اگر وہ امن اور آزادی کے خواہاں ہیں تو انہیں چاہیئے کہ اس قسم کی تنگدلی چھوڑ دیں۔ اور زندہ رہیں اور زندہ رہنے دیں۔ کے اصول پر عمل کریں۔ یہی امن اور عافیت کی راہ ہے۔ اور یہی سوراج کا زینہ ہے۔ اور اگر ان کا مذہب اسکے خلاف تعلیم دیتا ہے تو امن و آزادی کی خاطر قرآنی حکم لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن کو اپنا ماٹو بنائیں +

کیا مسلمان آزادی کے مخالف ہیں؟

بعض اشخاص جو قومی تعصب میں مبتلا ہیں۔ اور ان کا پیشہ ہی یہ ہے کہ دوسروں کی خوبیوں پر پردہ ڈالا جائے۔ اور انہیں مطعون و بدنام کرکے چھوڑا جائے۔ مذکورہ بالا بحث کو پڑھنے کے بعد بھی یہ کہے بغیر نہ رہیں گے کہ اگر اسلام آزادی کا حامی اور غلامی کا دشمن ہے۔ تو پھر مسلمان کیوں غلامی کے دلدادہ اور حریت کے مخالف ہیں۔ یہ کیوں نہیں ملک کو آزاد کروانے کی سعی کرتے جس طرح ہندو انگریزوں سے برسرپیکار ہیں یہ بھی

کیوں اس سے پنجہ نہیں لیتے ۔ اور ملک کو غلامی سے نجات دلواتے ۔ چونکہ مسلمان آزادی کی جنگ میں حصہ نہیں لیتے سوراجیہ کی تحریک میں کسی قسم کی سرگرمی کا اظہار نہیں کرتے ۔ لہذا اسکی ذمہ داری اسلام پر ہی عائد ہوتی ہے ۔ اور یہ اسکی تعلیم کا اثر ہے کہ مسلمان محکومی و غلامی کی زندگی پسند کرتے ہیں ۔ اور انہیں حریت و آزادی سے کوی دلبستگی نہیں +

ہم نہیں سمجھتے کہ جب خود ہندوؤں کی اقبالی شہادتیں موجود ہیں اور وہ پکار پکار کر گواہی دے رہے ہیں کہ

"تمام مذاہب عالم میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو اتحاد باہمی ۔ اور ایک مشترکہ مطمع نظر کو ترقی دیتا ہے ۔ دنیا میں کوئی مذہب اس قدر جمہوری ۔ اس قدر پاکیزہ اور اسقدر بے تعصب اور فیاض نہیں ہے"

تو پھر کس بنا پر یہ اسلام پر زبان طعن دراز کرنے کا حق رکھتے ہیں

مغربی علما کی شہادت کہ اسلام حریت پسند مذہب ہے

جب ہندوؤں کے علاوہ یورپ کے بھی نامی گرامی فضلا بھی کچھ کہنے پر مجبور ہیں کہ

"اس مذہب (اسلام) میں لازماً آزادی اور حریت کیطرف زیادہ میلان ہے"

(دی نیو ورلڈ آف اسلام مصنفہ مسٹر ڈھتراب سٹوارڈ)

اور یہ کہ

"شریعت اسلامی کا اصول اساسی جمہوری ہے جو مطلق العنانی کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتا ہے" (پروسی ڈنگس آف دی امریکن پولیٹکل سائنس ایسوسی ایشن مصنفہ پروفیسر لائیبر)

تو پھر کس طرح یہ کہنا کہنے والے کے تعصب پر دال نہیں کہ اسلام آزادی کا مخالف

ہے۔ یا مسلمان غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں اگر اسلام غلامی کا حامی ہوتا۔ اور مسلمان بھی آزادی کو پسند نہ کرتے۔ تو ٹرکی۔ اور ایران کے مسلمانوں نے آزادی کیوں حاصل کی؟ مصر۔ عراق اور افغانستان نے کیوں غلامی کا جوا اُتار پھینکا۔ فلسطین اور مراکش کے مسلمان کیوں آزادی کے لئے بے قرار اور مصروف سعی نظر آتے ہیں؟ بس یہ کہنا کہ اسلام یا مسلمان آزادی کے حامی نہیں غلط ہے بلکہ اغلط ہے۔ اور اس قسم کا اعتراض کرنا گویا اسلام اور اہل اسلام کی توہین کرنا ہے۔ نہ صرف یہ کہ بیرونی ممالک کے مسلمان آزادی کے دلدادہ اور جمہوریت کے شائق ہیں بلکہ ہندوستانی مسلمان بھی ویسے ہی غلامی سے متنفر اور آزادی کے تمنائی ہیں جسکی تصدیق غیروں کو بھی کرنی پڑی ہے*

مشہور امریکن مدبر ڈاکٹر سنڈر لینڈ کی گواہی کہ مسلمان حریت پسند ہیں

ڈاکٹر سنڈر لینڈ نے کچھ عرصہ ہوا اپنے ایک مضمون میں گواہی دی کہ "ہندوستان کے مسلمان بھی کم جمہوریت پسند نہیں، اسلام عیسائیت کے مقابلہ میں زیادہ جمہوریت پسند تھا۔"

(اخبار پرتاپ ۱۸ ستمبر ۲۷ء صہ ۶)

اور تو اور خود مہاشہ کرشن جی بی اے کو بھی اقرار ہے کہ

ایڈیٹر صاحب پرتاب کی شہادت کہ اسلام اور اہل اسلام حریت پسند ہیں

"اسلام کو اسبات کا بجا فخر ہے کہ وہ حریت پسند مذہب ہے اگر اسلام کی تاریخ پر اعتبار کیا جاسکتا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا

کہ آزادی کے لئے مسلمانوں کی جماعت نے بہت قربانیاں دی ہیں

اور یہ اُنہی کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ کہ اسلام دنیا کے ہر ایک حصے پر چھایا ہوا ہے
(اسی بنا پر کہتے ہیں کہ) پھر وہ مسلمان ہی کیا جو یہ کہہ سکے کہ آزادی کی زندگی کی مجھے ضرورت
نہیں ہے۔ مجھے غلامی چاہئے۔ آزادی کی ضرورت نہیں۔ اسلام کے ذمہ اس قسم
کے الزامات کا لگانا بلاشبہ اسلام کی ہتک ہے۔ اسلام کے جذبہ
حریت کی توہین ہے" (پرتاپ ۲۷-جولائی ۲۷ء ص ۲)

ان بے لاگ حقیقت پر مبنی اور بیّن شہادتوں کی موجودگی میں مسلمانوں پر طعن
تشنیع کی بوچھاڑ کرنا اور انہیں آزادی کا مخالف اور غلامی کا حامی کہنا اپنی گندی اور
تاریک ذہنیت کا مظاہرہ کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

اصل حقیقت کا اظہار

ہم اس قسم کے طعن و تشنیع کے عادی نہیں۔ مگر چونکہ
آجکل اس قسم کی طعن بازی زوروں پر ہے[1]۔ اور ہمیں
مجبور کیا جا رہا ہے کہ اصل حقیقت کو طشت از بام کر دیں اس لئے ہم یہ کہینگے اور ڈنکے
کی چوٹ کہینگے کہ ہم پر آزادی کی مخالفت کا طعن کرنیوالے خود غلامی و محکومی کے دلدادہ ہیں
اور درحقیقت انہی کو حریت و آزادی سے وابستگی نہیں۔ اور ملک کی محکومی و غلامی کے
اصل باعث بھی یہی اور صرف یہی ہیں +

[1] یہ لوگ جانتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمان ملک کو آزاد کروانے میں کسی سے کم نہیں مگر
اس بات کا علم رکھتے ہوئے بھی مسلمانوں کو ٹوڈی۔ غدار اور آزادی کا دشمن بتانا ہندو سیاست کی ایک
بہت بڑی چال ہے۔ اور یہ چال اس لئے چلی گئی ہے کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمانوں کو انکے جائز حقوق
سے محروم کرنیکے لئے وجہ پیدا کر لیں اور دنیا پر ظاہر کریں کہ مسلمان جب سوراج کے حامی ہی نہیں تو
ان کا حقوق طلب کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے اور جب ہندو ہی آزادی کے شائق اور اسکے لئے قربانیاں
کرنیوالے ہوں تو آزادی یا سوراج کے فوائد سے وہی مستفید ہو سکتے ہیں نہ کہ مسلمان بھی۔ پس ان لوگوں کا
مسلمانوں کو حکومت پرست اور سوراج کا دشمن بتانا محض چالبازی ہے اور وہ بھی صرف اسی وجہ سے کہ
کسی طرح مسلمانوں کو انکے جائز حقوق سے محروم کر دیا جائے اور کوئی بات نہیں۔ احمدی مہاجر قادیان

ملک کی غلامی کا اصل باعث مسلمان نہیں ہندو ہیں

کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے غیروں کو موقعہ دیا کہ وہ یہاں آکر حکومت کریں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قومی گورنمنٹ کی جڑیں کھوکھلی کیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خالص ہندوستانی حکومت کو اپنی ریشہ دوانیوں سے تباہی کے گھاٹ اُتارا ؛

اگر یہ اپنوں کو غیر سمجھنے کی حماقت نہ کرتے۔ اگر یہ حریت و مساوات کے دشمنوں کے بھکاوے میں نہ آتے۔ اگر یہ براہمنوں کے ہتھے نہ چڑھتے۔ اگر یہ خالص ہندو اقتدار کی خواہش نہ کرتے۔ اگر یہ ہندو راج کے خواب نہ دیکھتے تو یقیناً یقیناً کسی دوسری قوم کو ثالث بننے اور آخر کار یہاں قابض و متصرف ہونے کا خیال بھی نہ آتا۔ اور نہ ہی آج ہم غلامی کے داغ سے داغدار ہوتے ؛

مغل ایمپائر۔ ایک خالص ہندوستانی حکومت تھی۔ ہاں صحیح معنوں میں قومی اور ملکی حکومت تھی۔ اگر اس سے وشواس گھات نہ کیا جاتا۔ اگر اس سے پیمان وفا نہ توڑا جاتا۔ تو آج ہم بھی دوسروں کیطرح آزاد اور خود مختار ہوتے۔ لیکن بُرا ہو ذاتی مفاد کے خیال کا۔ جس نے ہندوؤں کو گمراہ کیا۔ اور وہ ذاتی مفاد (ہندو راج) کے لالچ میں آکر قومی مفاد (ہندوستانی حکومت) کی بربادی کا باعث بنے۔ حالات و واقعات پر نظر کرتے ہوئے

اخبار تیج کی گواہی کہ ہندو ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں

ایڈیٹر صاحب تیج کا یہ لکھنا درست ہی معلوم دیتا ہے کہ

”صدیوں کی غلامی نے ہندوؤں کے دل و دماغ کو اس طرح کا بنا دیا ہے کہ وہ ذاتی مفاد کو دھارمک و جاتیہ (قومی) مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان میں ایرشا و دویش (بغض ونفرت

کی ماترا (مادہ) ادہک (زیادہ) ہے"۔ (تیج دہلی ۳۰- جنوری سنہ ۲۴ء ص ۲)

کیا اسلامی حکومت غیر ملکی تھی؟

اپنی غلطیوں۔ قصوروں اور گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ مغل امپائر بھی غیر ملکی حکومت تھی۔ اور اگر ہندؤوں نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو محض آزادی اور سوراج کی خاطر۔ مگر یہ کہنا حق کو چھپانا اور ضمیر کا خون کرنا ہے۔ اور جو شخص مغل امپائر کو غیر ملکی اور بدیشی بتاتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے اور لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ کیونکہ یہ کہنا ایسے ہی غلط اور بے بنیاد ہے جیسے اشوک۔ ہرش وردھن اور شالباہن وغیرہ کی حکومتوں کو غیر ملکی اور بدیشی راج سمجھنا۔ چونکہ واقعات اسکی تکذیب کرتے اور اسے دھکے دیتے ہیں اس لئے تو ہندو مہا سبھائی لیڈروں کو بھی چارو ناچار اقرار کرنا پڑا ہے کہ اسلامی حکومت خالص قومی اور ملکی گورنمنٹ تھی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے عیاں ہے:-

لالہ لاجپت رائے کا اقبال کہ اسلامی حکومت غیر ملکی نہ تھی

لالہ جی نے جون سنہ ۲۴ء میں طلبائے ہند کے سامنے لنڈن میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "انگریزی حکومت ہندوستان میں سب سے پہلی غیر ملکی حکومت ہے۔ ہُون ساکا۔ مسلمان وغیرہ جو ہندوستان میں آئے اور اسپر حکمرانی کرنے لگے۔ وہ ہندوستان میں مقیم ہو گئے۔ اور ہندوستان کے سپوت بن گئے انہوں نے ہندوستان سے جو کچھ لیا وہ ہندوستان ہی میں صرف کرتے رہے۔ ان کے پاس کوئی وائٹ ہال نہیں تھا۔ کوئی ڈوننگ سٹریٹ نہیں تھی۔ ان کے پاس کوئی

لنکا شار نہیں تھا۔ جنکے فکر میں وہ دبلے ہوتے ہوں .... اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدائی دنوں میں ایک دو مسلمان بادشاہوں نے لوٹ مار کی۔ اور وہ لوٹ مار کا مال و اسباب غیر ملکوں کو لے گئے۔ لیکن اس کے بعد مسلمان حکمرانوں نے ہندوستان کو اپنا گھر بنالیا۔ اس جگہ انہوں نے بود و باش اختیار کی۔ یہیں کے لوگوں سے انہوں نے رشتۂ اتحاد پیدا کیا۔ اسی کو اپنا وطن تصور کیا۔ انہوں نے جو کچھ لوگوں سے لیا وہ ہندوستان میں خرچ کیا۔ آخر کار وہ سب کچھ یہیں پر چھوڑ گئے۔" اخبار ملاپ ۱۵ جون سنہ ۲۴ء

پنڈت مدن موہن مالوی کا اقرار کہ شاہانِ اسلام غیر ملکی نہ تھے

پنڈت صاحب نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے اقرار کیا کہ

"مسلمانوں کی حکومت سوائے ایک مختصر سے زمانہ کے اچھی تھی۔ خود مسلمان حکمرانوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ اور ہندوستان کے حکمران ہندوستان کے فرزند ہی ہوتے تھے" (اخبار پرتاپ ۸ جنوری سنہ ۲۶ء ص ۹)

مہاشہ سکھ سمپتی رائے کی گواہی

"پولیٹکل اور مالی نقطۂ نگاہ سے مسلمانوں کی حکومت اتنی ہی دیسی تھی جتنی کہ ہندوؤں کی تھی"۔ (بھارت درشن ص ۱۹۱)

کیا ان اقبالی شہادتوں کی موجودگی میں اسلامی حکومت کو غیر ملکی اور بدیشی راج بتانا واقعات کو چھپانا اور حقیقت پر پردہ ڈالنا نہیں؟

پس ایک ایسی حکومت کے جو خالص قومی اور ملکی حکومت تھی۔ تباہ کرنیوالے ہی آزادی کے دشمن اور غلامی کے حامی کہے جا سکتے ہیں

کیا اسلامی سلطنت تنگدل اور غیر رواداری تھی؟

لالہ لاجپت رائے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اور مہاشہ سکھ سمپتی رائے کی حقیقت اور واقعات پر مبنی شہادتوں کو پڑھ لینے کے بعد یہ کہنے کی تو اب کسی کو جرأت نہ ہوسکیگی کہ اسلامی حکومت غیر ملکی تھی۔ مگر جو لوگ قومی تعصب میں مبتلا ہیں۔ اور دوسروں کو بدنام اور مطعون کرنا ہی انکے نزدیک سب سے بڑی قومی خدمت ہے۔ یہ کہے بغیر نہ رہینگے کہ ہندوؤں کا اسلامی حکومت سے بغاوت کرنا اس لئے تھا کہ وہ طرفدار۔ متعصب تنگدل۔ اور ہندوؤں کے قومی اور ملکی حقوق کو غصب کرنے والی تھی۔ اور شاہانِ اسلام کی تنگ نظری۔ تنگ ظرفی۔ تعصب اور غیر رواداری نے ہی ہندوؤں کو مجبور کیا کہ وہ ایسی حکومت کو تباہ کردیں۔

مگر جس طرح شاہانِ اسلام کو غیر ملکی اور انکی حکومت کو بدیشی راج بتلانا حقیقت کے خلاف ہے۔ اسی طرح مسلمان حکمرانوں کو ظالم۔ متعصب۔ غاصب۔ اور نارواداار کہنا بھی صداقت کو کچلنا۔ اور واقعات کا خون کرنا ہے۔

کیونکہ مسلمان حکمران نہ صرف یہ کہ روادار تھے۔ دوسروں کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرتے تھے۔ انہیں ہر قسم کے عہدے۔ مناصب اور مراتب عطا کرتے تھے۔ بلکہ وہ اتنے فیاض۔ اتنے وسیع قلب۔ اتنے فراخدل۔ اور روادار تھے۔ کہ دنیا کی کوئی قوم کوئی نیشن اور کوئی جاتی بھی فیاضی و رواداری میں انکا لگا نہیں کھا سکتی۔ اور واقعات پر نظر ڈالتے ہوئے۔ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ فیاضی۔ وسیع حوصلگی۔ فراخدلی۔ اور رواداری کی حدود سے نکل کر قطعی غیر مآل اندیش بن گئے تھے۔ اور انہیں قطعاً اس بات کا خیال بھی نہ رہا تھا کہ ہماری حد سے زیادہ فیاضیاں اور رواداریاں بقائے سلطنت کے لئے کسقدر

مہلک اور تباہ کن ہوسکتی ہیں۔ بدباطن معترض بیشک انہیں۔ تنگدل متعصب۔ ظالم۔
اور غاصب کہیں۔ مگر تاریخ گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہی ہے کہ اگر شاہانِ اسلام ضرورت
سے زیادہ فیاضیاں نہ دکھاتے۔ حد سے بڑھی ہوئی رواداری سے کام نہ لیتے۔ تو انہیں
آخرکار اپنی حکومت سے ہاتھ نہ دھونے پڑتے۔ ان کا حد اعتدال سے بڑھ کر فیّاض اور
روادار بننا ہی ہندو راج کے خیال کو تقویت دینے کا موجب ہوا۔ اگر وہ افراط سے کام
نہ لیتے۔ اگر وہ دوسروں پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ نہ کرتے۔ اگر وہ دُوراندیشی سے کام
لیکر ماتحتوں پر مناسب اعتماد کرتے۔ تو ہندو راج کا خیال دبا رہتا۔ اور سیواجی وغیرہ
کو ہندو راج کا خیال بھی نہ آتا۔ مرہٹوں کا سر اُٹھانا۔ راجپوتوں کا بغاوت کرنا۔ سکھوں
اور پرنامیوں کا ہنگامے بپا کرنا۔ محض اسلئے تھا کہ شاہانِ اسلام نے ہر قسم کے اختیارات
ان لوگوں کو دے رکھے تھے۔ جتنے اہم اور ذمہ داری کے عہدے تھے وہ بغیر سوچے سمجھے
ان لوگوں کو تفویض کردیئے تھے جو شروع ہی سے ہندو راج کا خیال دل میں لئے رہے
سلطنت کے مالی اور فوجی انتظام پر بھی انہی کو متعین کر رکھا تھا جو براہمنوں کے
زیر اثر۔ اور اس امر کے خواہشمند تھے کہ ملک میں خالص ہندو سلطنت قائم کیجائے۔

پس جو لوگ اسلامی سلطنت کو ظالم۔ غاصب اور تنگدل بتاتے ہیں۔ وہ جھوٹ
بولتے اور پبلک کو دھوکہ دیتے ہیں۔ مسلمان حکمران تنگدل متعصب اور غاصب نہ تھے۔
بلکہ ضرورت سے زیادہ فیاض۔ وسیع حوصلہ اور روادار تھے۔ اور انکی حد اعتدال سے بڑھی
ہوئیں فیاضیوں اور رواداریوں نے ہی اسلامی حکومت کو زوال کا مُنہ دکھایا۔ کیونکہ
اگر وہ دوراندیشی سے کام لیتے۔ اور دوسروں کو صرف جائز اور مناسب حقوق دیتے اور
انپر ضرورت سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ نہ کرتے تو ماتحتوں کو حکمران بننے کا خیال بھی نہ
آتا۔ مگر چونکہ وہ وسیع القلب تھے اور حد سے زیادہ وسیع القلب تھے۔ روادار تھے اور
ضرورت سے زیادہ روادار تھے۔ فیّاض تھے اور اپنی فیاضی میں بے مثال تھے۔ اسلئے

انہوں نے ہر ایک کے ساتھ فیاضی برتی۔ اور ضرورت سے زیادہ برتی۔ اور ملکی انتظام میں انہوں نے قطعاً ہندو اور مسلمان کا سوال نہ اُٹھنے دیا۔ اور حکمران ہوتے ہوئے بھی۔ ماتحتوں کو اپنے جیسا اور ہمرتبہ سمجھا۔ اور دل کھولکر انکے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کئے۔ اور اپنی سیر چشمی اور وسیع حوصلگی کے ایسے نمونے پیش کئے کہ دنیا کی دوسری کوئی قوم بھی ویسی سیر چشمی اور رواداری کے نمونے پیش نہیں کر سکتی۔ اور یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں۔ خود ذیعلم اور تاریخ پر عبور رکھنے والے ہندو بھی ہمارے خیال کی تائید پر مجبور ہیں +

مسلمان حکمرانوں کی حد سے بڑھی ہوئی رواداریاں

لالہ لاجپت رائے مالک و ایڈیٹر بندے ماترم کی رائے

لالہ لاجپت رائے نے اپنے اخبار میں لکھا تھا کہ

"مسلمان اچھے تھے یا بُرے ان میں ایک بات تو تھی اور وہ یہ کہ انہوں نے ہندوستان کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔ یہ ہندوؤں پر بھروسہ رکھتے تھے۔ انکو اعلیٰ ترین عہدوں پر مامور کرتے تھے۔ کبھی قومی نفرت انکی کارروائی کی محرک نہ ہوتی تھی۔ سوائے ان چند ناخوشگوار واقعات کے جو مذہبی جوش کے باعث ظہور پذیر ہوئے مسلمان بادشاہ ہندوؤں کو ہر طرح سے مسلمانوں کے ہمرتبہ سمجھتے تھے"۔

(اخبار بندے ماترم لاہور ۔ ۷ جولائی سنہ ۲۰ء صفحہ ۱)

ایک اور ہندو منصف کا بیان

پھر انہی لالہ لاجپت رائے صاحب نے کسی ہندی رسالہ کے ایک مضمون کا ترجمہ شائع کیا تھا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ :-

"مسلمان بادشاہوں نے ہندوستانیوں کے جذبات اور اختیارات کو غارت نہیں کیا۔ باوجود تلوار کے زعم کے منصف مزاجی اور رحمدلی سے حکومت کی۔ انہوں نے اپنے دورانِ حکومت میں ہندوؤں کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے دیئے۔ اکبر کا جانشین ایک ہندو استری کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ انکی عملداری میں صیغہ مال کا وزیر راجہ ٹوڈرمل اور وزیر بیربل تھے۔ جہاں کہیں مسلمانوں نے سلطنت کی انہوں نے اپنے ہندو بھائیوں کو بھی گلے لگایا۔ انہوں نے یہ کبھی نہیں کیا کہ مسلمانوں سے ہی سب جگہیں پر کر کے ہندوؤں کے حقوق قطعی پامال کر دیئے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ ملک میں کسی قسم کی بے چینی۔ دُکھ اور قحط وغیرہ نہ تھے۔" (منقول از بندے ماترم ۱۸۔ مئی سنہ ۲۱ء ص ۲)

مہاشہ سُکھ سمپتی رائے کی شہادت مغل حکومت کے متعلق

مہاشہ سُکھ سمپتی رائے نے اپنی کتاب بھارت درشن میں صاف لکھا ہے کہ:-

"شیر شاہ۔ اکبر۔ جہانگیر وغیرہ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں ہندو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر پہنچ جایا کرتے تھے۔ نسلی امتیاز کی دیوار ان کی ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں کر سکتی تھی۔ اسوقت ہندو گورنر تھے۔ فوجوں کے جرنیل تھے۔ ضلعوں اور صوبوں کے حاکم تھے۔ وزیر اعظم تک کے عہدہ کے لئے بغیر کسی فرق یا تمیز کے خیال کے ہندوؤں کو منتخب کر لیا جایا کرتا تھا ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی پولیٹکل فرق نہیں تھا پولیٹکل اور مالی نقطۂ نگاہ سے مسلمانوں کی حکومت اتنی ہی دیسی تھی جتنی کہ ہندوؤں کی تھی" (بھارت درشن ص ۱۹۱)

عام مسلمان بادشاہوں کے متعلق شہادت

"ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک آدھ کو چھوڑ کر خاص خاص مسلمان بادشاہوں کے وزیر اعظم ہندو ہی تھے۔ وزیر خزانہ اور سپہ سالار کا کام ہندو ہی کے ہاتھ میں تھا"

بنگال کے مسلمان حکمران کے متعلق رائے

بنگال کے آخری مسلمان تاجدار علی وردی خان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ "اپنی تمام رعایا کو ایک ہی ایشور کی اولاد سمجھتا تھا۔ اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے برابر ہی جگہ دیتا تھا۔ اور وزیر اعظم کے عہدہ کے لئے ہمیشہ ہندوؤں کو ہی منتخب کرتا تھا۔ فوج اور ملکی حکومت کے کام میں اونچے اونچے عہدوں پر وہ ہندوؤں کو تعینات کرتا تھا" (کتاب "جب انگریز نہیں آئے تھے" ہندی ص۱۱)

دکن کی اسلامی حکومتوں کے طرز عمل کے متعلق لالہ لاجپت رائے کی گواہی

"باہمنی خاندان نے عموماً ہندوؤں کے ساتھ سلوک رکھا۔ اس کے تمام پہاڑی قلعوں میں ہندو فوج رہتی تھی۔ مالی انتظام قریباً سارا ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا ہندوؤں کو فوج میں بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے۔ اور ظاہرا (؟) ان پر بہت اعتبار کیا جاتا تھا" ("سیواجی" مصنفہ لالہ لاجپت رائے ص۲۹)

"اس باہمنی سلطنت کے کھنڈرات پر چار پانچ اور مسلمان ریاستیں قائم ہوئیں یعنی بیدر۔ بیجاپور۔ گولکنڈہ۔ اور احمد نگر۔ بیجاپور کی بادشاہت عادل شاہی کے نام سے مشہور ہے۔ اور احمد نگر کی نظام شاہی سے۔ ۔ ۔ بیجاپور اور احمد نگر دونوں ریاستوں نے بھی عموماً اکبر کی پالیسی کی پیروی کی۔ دونوں ریاستوں کا مالی انتظام ہندوؤں کے ہاتھ میں رہا۔ پہاڑی قلعے ہندوؤں کے ہاتھ میں رہے۔ اور ویسے بھی ہندوؤں کو بہت اعتبار اور ذمہ داری کے عہدے ملتے رہے۔ عادل شاہی خاندان کے عہد حکومت میں ایک ہندو رئیس بارہ ہزاری کے عہدے پر مامور رہا۔ اور اس خاندان نے پہلے پہل حکم دیا کہ بجائے فارسی کے مرہٹی سرکاری دفاتر کی زبان قرار دی جائے۔ چنانچہ اس روز سے تمام

سرکاری دفاتر مرہٹی میں ہو گئے۔ اس خاندان کی حکومت میں برابر ہندؤں کا زور رہا۔ یہی نہیں اس قسم کے اور بھی درجنوں کوڑیوں بلکہ سینکڑوں حوالجات نقل کیے جا سکتے ہیں جیسے شاہانِ اسلام کی فیاضی۔ دریا دلی۔ سیر چشمی اور حد سے بڑھی ہوئی رواداری کے تابناک نمونے پیش نظر ہو جائیں۔ مگر فی الحال اتنی جگہ میسر نہیں کہ ان سب کو نقل کیا جا سکے اس لئے مجبورًا انہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ لیکن یہ بتانے کے لئے کہ مسلمانوں کی حد سے بڑھی ہوئی رواداریوں اور فیاضیوں نے ہی ہندو راج کے خیال کو تقویت پہنچائی۔ ذیل میں ایک ہندو مورخ کی شہادت نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں :-

پنڈت نند کمار دیو شرما کی تحقیق

پنڈت نند کمار دیو شرما اپنی کتاب "شواجی" میں لکھتے ہیں کہ :-

"لگ بھگ پونے دو سو برس تک بہمنی حکومت کا دور دورہ رہا۔ بعد ازاں بہمنی سلطنت کے پانچ حصے ہو گئے۔ اور جب سیوا جی مہاراشٹر کی سٹیج پر نمودار ہوئے۔ تب بہمنی سلطنت کے پانچ ٹکڑوں میں سے تین ٹکڑے۔ نظام شاہی۔ عادل شاہی اور قطب شاہی موجود تھے۔ مگر دکن میں اسلامی تسلط قائم ہو جانے پر بھی ہندؤں کا ہندو پن تباہ نہیں ہوا۔ یہی نہیں بلکہ ہندؤں کی مدد بغیر اسلامی حکومت کا کوئی کام بھی نہ چلتا تھا۔ فوج۔ تجارت وغیرہ کئی باتوں میں مرہٹوں کے بغیر مسلمانی اقتدار بالکل لنگڑا تھا[ؔلہ]" کئی مدبر اور بہادر مرہٹے اسلامی حکومت

ؔلہ کس قدر حق پوشی اور احسان فراموشی ہے کہ شاہانِ اسلام کے احسانوں اور شفقتوں پر یہ کہہ کر پردہ ڈال دیا جائے کہ چونکہ وہ بغیر ہندؤں کی امداد کے حکومت کر نہیں سکتے تھے اسلئے مجبورًا انہیں عہدے اور مناصب دیتے تھے۔ حالانکہ یہ نری بکواس ہی ہے۔ مسلمان اگر روادار اور ہندؤں پر مہربان نہ ہوتے تو یقینًا وہ بہتر سے بہتر اور قابل سے قابل مسلمان اپنے ارد گرد جمع کر سکتے تھے۔ مگر چونکہ مسلمان مساوات کے خوگر اور عدل وانصاف کے حامی تھے اسلئے انہوں نے ہندؤں کو بھی حکومت کے کاموں میں شریک کیا۔ (احمدی مہاجر)

ہیں کام کرتے تھے۔ کمل سین نامی براہمن بڑا دانا مدبر تھا۔ وہ نظام شاہی کا دیوان تھا۔ مُرار جگدیو نامی ایک ہوشیار آدمی عادل شاہی ہیں بیس پچیس برس تک وزیراعظم کے عہدہ پر متمکن رہا۔ مطلب یہ ہے کہ دکن میں مسلمانی اقتدار قائم ہو جانے پر بھی حکومت کی باگ ڈور مرہٹوں کے ہاتھ میں تھی۔ نظام شاہی کے آخری دنوں میں سیواجی کا باپ شاہ جی ہی نظام شاہی کے کرتا۔ دھرتا اور وِدھاتا (مختار مطلق) تھے۔ کیونکہ ساری سلطنت کا اختیار اُنہی کے ہاتھ میں تھا۔ مہاراشٹر میں اسلامی سلطنت قائم ہو جانے پر بھی تسلط و اقتدار ہندوؤں کا ہی رہا تھا"

"دوسروں کی حکومت کے ماتحت رہنے پر بھی راج کاج میں مرہٹوں کا خاص ہاتھ رہتا تھا" (شِواجی صـ ۸-۷)

اور مسلمان حکمرانوں کی حد اعتدال سے بڑھی ہوئی فیاضیوں ہی سے

"مرہٹوں کے دل میں سوراج (ہندو راج) کے حصول کی خواہش دن بدن بڑھتی ہی جاتی تھی" (شِواجی صـ ۹)

اس ہندو مورخ کی محولہ بالا شہادت کو پڑھ لینے کے بعد ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ اسلامی حکومت کی تباہی و بربادی کا باعث مسلمان حکمرانوں کا ظلم اور ستم نہ تھا۔ بلکہ اسکی موجب اُنکی ضرورت سے زیادہ فیاضیاں۔ اور رواداریاں تھیں جو ہندوؤں سے کی گئیں اگر وہ مآل اندیشی سے کام لیتے۔ اگر وہ اپنے کاموں میں دوسروں کو ضرورت سے زیادہ دخیل کار نہ بناتے۔ اگر وہ "حکومت کی باگ ڈور مرہٹوں کے ہاتھ میں" نہ پکڑواتے تو سیواجی کا باپ کس طرح وہ "ساری سلطنت کا اختیار" حاصل کر سکتا تھا۔ اور کیونکر اس کا بیٹا سیواجی جنم لے کر خالص ہندو راج کے خواب دیکھتا اور اس کے منصوبے باندھتا؟

اگر یہ لوگ (ہندو) غلامی سے متنفر اور حریت کے دلدادہ ہوتے۔ ملک کی فلاح و بہبود مدِنظر ہوتی۔ قوم پرستی ان کا شعار ہوتا۔ اور ملک کی آزادی و خوشحالی کو عزیز جانتے

تو ان کا فرض تھا کہ اپنے محسنوں۔ مربیوں اور مشفقوں کے احسانہائے بیکران کی قدر کرتے اور انکی شفقت و مہربانی کو خواب میں بھی نہ بھولتے۔ اور ہمیشہ انکے ساتھ پیمان وفا باندھے رہتے۔ اور بھولکر بھی ان سے دغا نہ کرتے۔ بلکہ اپنی تمام طاقتیں ملک کی فلاح و بہبودی میں لگا کر اسے اور بھی چار چاند لگا دیتے +

مگر یہ تو جب ہوتا کہ ان لوگوں کو آزادی کی قدر و قیمت معلوم ہوتی۔ اور مسلمانوں کی طرح یہ بھی حریت و مساوات کی ہوا میں پرورش پائے ہوتے۔ بھلا جو لوگ براہمنوں کے شکار ہوں اور انہی کے پیچھے چلنے میں اپنی نجات سمجھیں وہ ایسی سلطنت کو برداشت کر سکتے تھے جو ہر ایک سے عدل اور انصاف کا برتاؤ کرے۔ جو لوگ ذات پات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں وہ کیونکر ایسی حکومت کو قائم رہنے دیتے جو ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے مساوی سلوک کی خوگر تھی۔ اگر یہ براہمن پارٹی کے داؤ میں نہ آتے۔ اگر یہ حریت و مساوات کے ازلی دشمن کا آلہ کار نہ بنتے۔ تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ملک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جاتا +

ان لوگوں کا براہمنوں کے پھندے میں پھنس کر اپنے محسنوں اور مربیوں سے غداری کرنا۔ اور ان سے منہ موڑ کر خالص براہمنی راج کے منصوبے باندھنا ہی ملک کی محکومی کا موجب بنا[۱] +

---

[۱] یہ تاریخی نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ براہمنی دھرم کے پیرو اسلامی سلطنت سے اسوقت تک بالکل مطمئن رہے جب تک شاہانِ اسلام کی نوازشوں اور مہربانیوں کے مستحق صرف یہ لوگ رہے لیکن جب مسلمانوں نے اچھوت اقوام کو بھی نوازنا شروع کیا۔ اور انہیں خاک ذلت سے اٹھا کر رفعت و بلندی تک پہنچانے کی طرف توجہ کی۔ تو یہی ہندو جو اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے شاہانِ اسلام کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ بھڑک اٹھے۔ وہ یہ تو برداشت کر سکتے تھے کہ مسلمان ہمارے حکمران رہیں لیکن یہ انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ تھا کہ ان کے ادنیٰ غلام (شودر) بھی حکومت وقت کیطرف سے اعزاز پا کر ہمارے شریک کار بنیں۔ اگر

ملک اور ملت کی بہبودی اسی میں تھی کہ ہندو راج کے متمنی اپنے موہوم ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر ملک کے حقیقی حکمرانوں کے خیر خواہ رہتے اور جس حکومت نے ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کئے۔ حد سے زیادہ رواداری برتی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اختیار عطا کئے اہم سے اہم عہدے دیئے۔ اور قریب قریب تمام ہی ملکی اقتدار انکو سونپ دیا۔ اس سے وفادار رہتے تو آج ہمیں کوئی بھی غلام کہنے کی جرأت نہ کرتا۔ مگر چونکہ یہ لوگ براہمنوں کے ہتھے چڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے ہر قسم کی اخلاقی حدود کو توڑتے ہوئے غداری اور بے ایمانی پر اُتر آئے۔[۵۸] اور اپنی ریشہ دوانیوں۔ خفیہ منصوبوں اور مخفی چالوں سے ایک نہایت ہی بے نظیر۔ عدیم المثال۔ رواداد اور خالص ملکی حکومت کا تیا پانچا کر دیا۔ اور اپنی غلط کاریوں سے غیر ملکیوں کو دعوت دی کہ وہ آکر یہاں حکومت کریں۔ ان بے وفا لوگوں کا اپنے ملک کی رواداد قومی حکومت کو ہندو راج کی غرض سے فنا کی گھاٹ اُتارنا ایسا گناہ تھا جس کا خمیازہ سبھی ہندوستانیوں کو بھگتنا پڑا ہے۔ اگر ہندو اس گناہ کے مرتکب نہ ہوتے۔ اگر وہ قومی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح نہ دیتے۔ تو کیوں آج ہندوؤں کو قانون شکنی۔ پکٹنگ بازی

بقیہ نوٹ[۵۶] مسلمان بادشاہ مساوات سے کام نہ لیتے۔ اگر وہ ہندوؤں سے ستائے ہوئے شودروں کو ذلت و گمنامی سے نکالنے کی کوشش نہ کرتے۔ اگر وہ ان دُکھی اور ستم رسیدہ لوگوں کو اپنی عنایتوں اور نوازشوں کا مستحق نہ بناتے۔ تو یقین ممکن تھا کہ ہندو خالص براہمنی راج کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔ ان لوگوں کا اسلامی سلطنت میں ہر طرح سکھی اور خوشحال ہو کر بھی ہندو راج کے خواب دیکھنا صرف اسی وجہ سے تھا کہ اگر کچھ مدت اور اسلامی راج رہا۔ تو ہمارے ازلی غلام نہ صرف آزاد ہو جائینگے بلکہ ہمارے ہمرتبہ بنجائینگے۔ اور یہ انہیں کسی حال بھی گوارا نہ تھا۔ پس اسلامی حکومت کے زوال کا باعث صرف یہی نہ تھا کہ اسوقت تمام ملکی اقتدار ہندوؤں کو سونپ دیا گیا تھا بلکہ یہ بھی سبب تھا کہ مسلمان شودروں کو انسانیت سے لذت آشنا کر کے انہیں ملکی امور میں بھی حصہ دار بنانے میں ساعی ہوئے تھے (احمدی مہاجر)

[۵۸] اس جگہ وہی ہندو مراد ہیں جو خالص ہندو راج کے متمنی تھے۔ نہ کہ عام ہندو جن میں ایسے بھی تھے جو اپنے محسنوں اور مربیوں پر اپنی جان تک نثار کر دیتے تھے (احمدی مہاجر)

نمک سازی - بم بازی کی ضرورت پڑتی - اور کیوں رو رو - اور آنسو بہا بہا کر - اپنے جرموں اور گناہوں کا بایں الفاظ اقرار کرنا پڑتا کہ

ایڈیٹر ملاپ کا اقرار گناہ

"لارڈ برکنہیڈ اپنی تلوار کے نشہ میں کہتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ آپس میں لڑ رہے تھے

تو انگریزوں نے آکر حالت سُدھاری - لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ اُس وقت ہمیشہ کے لئے پُر امن زندگی بسر کرنے کے لئے آخری جد و جہد کر رہے تھے ہندو مسلمانوں کی باہم لڑائیاں قریباً ختم ہونے والی تھیں (کس طرح؟ یوں کہ) ہندو ہر جگہ فتحیاب ہو چکے تھے - اور ہندوستان میں (قومی راج کی بجائے) ہندو راجیہ کی ستھاپنا (قائمی) ہو رہی تھی - اگر اُس وقت انگریز درمیان میں نہ کود تے - تو یقیناً آج ہندوستان دنیا بھر کے لئے (اپنی چھوت چھات اور آزادی کُش قوانین کے باعث - ناقل) بے نظیر سلطنت ہوتا - لیکن کچھ ہندوؤں اور کچھ مسلمانوں کی غلطیوں یا یوں کہنا چاہیئے - کہ (ہندوؤں کے ناقل) سیاسی گناہوں کی بدولت غلامی ہماری قسمت میں لکھی تھی - اور گناہوں کا پھل ہم بھوگ رہے ہیں" (اخبار ملاپ ۱۸ جولائی ۱۹۲۸ء)

یہ سیاسی گناہ کیا تھے جنکی بدولت غلامی ہندوستانیوں کی قسمت میں لکھی گئی - اور جن گناہوں کا پھل سبھی ہندوستانی بھوگ رہے ہیں؟ یہی اور صرف یہی کہ - ہندو راج کے شیدائیوں نے اپنی محسن اور مربّی اسلامی سلطنت کے علاوہ خود مسلمانوں کو بھی برباد کرنا چاہا - ان کا مذہب - ان کا تمدّن - انکی تہذیب - انکی زبان - انکے رسوم - انکے رواج ان کے لٹریچر - انکے اخلاق اور قومی کیرکٹر تک کو تباہ اور کچل دینا چاہا تھا -

انکی مسجدیں - ان کے مقبرے - انکی خانقاہیں - انکے تکئے - انکے مدرسے مسمار کرنیکی ٹھان لی تھی[1] - اگر ہندو اس قسم کی ناپاک کوششوں سے پرہیز کرتے - اگر ہندو روادار قومی

[1] ہندو راج کے حامیوں نے مسلمانوں کے ساتھ جس قسم کا سلوک کیا یا کرنا چاہا - اس کا مفصل تذکرہ ہمارے دوسرے رسالہ "ہندو راج کیا ہے" میں دیکھئے - جو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب شائع کیا جائیگا - احمدی مہاجر

سلطنت کو تہس نہس کر کے زمانۂ جہالت کے اصولوں پر مبنی ہندو حکومت قائم کرنے کے خواب نہ دیکھتے۔ تو بیشک آج وہ ان گناہوں کا پھل نہ بھوگتے۔ انگریزوں کا اس ملک میں آنا۔ ایک طرح سے اچھا ہوا۔ اگر یہ نہ آتے۔ اگر یہ ہندو مسلمانوں کے پنچ نہ بنتے۔ اگر یہ اس جگہ اپنا قبضہ نہ جماتے۔ اگر ان کا یہاں تسلط قائم نہ ہوتا تو بظاہر حالات آج اسلام اور اسلام کے نام لیواؤں کو رونے اور پانی دینے والا بھی کوئی نظر نہ آتا[1]۔ مگر چونکہ انکی نیت بد۔ اور ارادے فاسد تھے۔ اس لئے ان کا اپنے ناپاک۔ اور قابل صد نفرت منصوبوں میں ناکام رہنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ اگر وہ ان سیاسی گناہوں کے مرتکب نہ ہوتے۔ تو آج انہیں سینہ کوبی کی ضرورت نہ پڑتی۔ یہ انکی غلامانہ ذہنیت ہی کا ظہور ہے کہ آج انکی وجہ سے ہم بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں +

اور یہی نہیں کہ اب انکی ذہنیت بدل گئی۔ اور یہ اپنے گذشتہ سیاہی گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے سچے دل سے تائب ہو کر صحیح معنوں میں ملکی حکومت قائم کرنیکے متمنی ہیں۔ بلکہ اب بھی یہ قدم قدم پر اسی پرانی غلامانہ ذہنیت کا اظہار کر رہے ہیں ؎

ہندوؤنکی قانون شکنی سوراج کے لئے نہیں ہندو اقتدار کیلئے ہے

اور انکی قانون شکنی۔ پکٹنگ بازی۔ عدم تعاون اور بم سازی محض اس لئے ہے کہ ہندو اقتدار کو بڑھایا جائے

[1] مشہور حامی کانگرس مولوی احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء نے ۶ دسمبر سنہ ۲۶ء کو دربھنگہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسلامی حکومت کے زوال پر "اگر خدا نخواستہ اس ملک میں ہندوؤنکی حکومت قائم ہو جاتی تو مسلمانوں کو چھٹی کا کھایا یاد آ جاتا۔ جو قوم (موجودہ) غلامی کی حالت میں یہ ستم ڈہا رہی ہے وہ حکمران بنکر خدا جانے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی"

(الجمعیتہ دہلی ۱۰ جنوری سنہ ۲۶ء)

اور گورنمنٹ پر دباؤ ڈالکر تمام ملکی اختیارات اپنے ہی قبضہ میں رکھے جائیں ÷

یہ گورنمنٹ سے اس لئے ناراض نہیں کہ وہ ملک کو سوراج نہیں دیتی۔ بلکہ اس لئے ناراض ہیں کہ وہ دوسری اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں کو کیوں تھوڑے بہت حقوق دینے کا ارتکاب کرتی ہے۔ اگر آج گورنمنٹ انکی بات مان لے۔ اگر آج گورنمنٹ مسلمانوں کے متعلق اعلان کر دے کہ انکو کسی قسم کے حقوق نہ ملینگے۔ تو یہی لوگ جو آج گورنمنٹ کو گالیاں دینا۔ اور برا بھلا کہنا۔ اپنا قومی فرض سمجھے بیٹھے ہیں۔ اسکی پوجا شروع کر دینگے آخر پہلے بھی یہی انگریز تھے۔ اور یہی ہندو۔ اسوقت کیوں نہ انہوں نے پکٹنگ بازی سے کام لیا۔ اُسوقت کیوں نہ قانون شکنی کا ارتکاب کیا۔ اسوقت کیوں نہ عدم تعاون اور نن کواپریشن کا حربہ استعمال کیا۔ اسی لئے تاکہ اُسوقت مسلمان گورنمنٹ کے مغضوب اور یہ منظور نظر تھے اور اُسوقت گورنمنٹ مسلمانوں سے بدظن اور ہندوؤں کی پوری پوری طرفدار تھی۔

ایڈیٹر ملاپ کی گواہی کہ پہلے گورنمنٹ مسلمانوں کی مخالف اور ہندوؤں کی طرفدار تھی

جیسا کہ ایڈیٹر ملاپ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ پہلے تو حکومت "مسلمانوں کے برخلاف تھی۔ اور یہ بھی سمجھتی تھی کہ ان میں سے بہتیرے امن پسند نہیں۔" اور برخلاف اس کے "آج سے نصف صدی پہلے گورنمنٹ کا جھکاؤ ہندوؤں کیطرف تھا۔ لیکن اب وہ صورت نہیں۔ جن لوگوں نے ۵۷ء کا غدر دیکھا ہے وہ بوڑھے بتلاتے ہیں کہ انگریزی سرکار ہندوؤں کی پوری طرفدار تھی" (ملاپ ۱۱۔ اکتوبر ۲۷ء صـ)

اور باوجود اس کے کہ ہندوؤں کے دلوں میں اپنے انگریز محسنوں اور مربیوں کے خلاف انتہائی کینہ اور نفرت موجود تھی اور بقول ایڈیٹر ملاپ۔

ہندو اہلکار انگریزوں سے دل میں نفرت کرتے تھے

"ہندو اہلکار۔ انگریزوں

سے ملنے کے بعد نہاتے اور کپڑے بدلتے تھے" (صـ١١)
مگر پھر بھی انکی چرب زبانی۔ چاپلوسی اور ظاہر اوفاداری کو دیکھتے ہوئے گورنمنٹ انہی کا دم بھرتی تھی اور یہی اُس کے مقرب اور مورد الطاف تھے۔

ایڈیٹر تیج کی شہادت

دربردہ یہ لوگ انگریزوں کو حد درجہ حقیر ذلیل اور ناپاک سمجھتے تھے۔ مگر پھر بھی

بقول ایڈیٹر تیج

"۱۸۵۷ء کے بعد ...... حکومت مسلمانوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اسبات کی کوشش کرتی تھی کہ جہانتک ہوسکے۔ انہیں دبا کر رکھا جائے۔ ہندوؤں کو اُن دنوں اچھی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔" (تیج دہلی ۱۰۔ جون ۲۷ء صـ۲)

اُس وقت نہ صرف ہندوؤں کو اچھی نظر سے دیکھا جاتا تھا بلکہ ایک طرح سے ہندو ہی حکومت کے واحد اجارہ دار تھے۔ اور اسی بنا پر وہ انگریزی حکومت کواپنی حکومت سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ایڈیٹر تیج کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے لکھاہے کہ چونکہ اُن دنوں حکومت

ہندو۔ برٹش حکومت کو ہندو راج ہی سمجھتے تھے

"مسلمانوں سے نالاں تھی۔ اس لئے اُس وقت ہندوؤں کی (ہی) گڈی آسمان پر چڑھی ہوئی تھی۔ اور بہت سے سادہ لوح ہندو سمجھتے تھے کہ انگریزوں کا راجیہ کیا۔ آیا سمجھو کہ ہندوؤں کا راجیہ ستھاپت (قائم) ہو گیا۔"

(تیج دہلی ۱۱ مئی ۲۸ء صـ۴)

پس ایسے وقت میں جبکہ مسلمان حکومت کے کاموں سے بیدخل کئے جاچکے تھے ہر جگہ انہیں دبایا جارہا تھا اور تمام صیغوں اور محکموں سے انہیں خارج کرکے ہندوؤں کو ہی بھرتی کیا جارہا تھا تو ایسی حالت میں ہندوؤں کا انگریزی حکومت کو ہی ہندو راج سمجھ

لینا۔ ان کی سادہ لوحی نہیں کہا جا سکتا۔ پس جس وقت تمام ملک کا انتظام انہی کے سپرد تھا۔ جب یہی ہر محکمہ ہر صیغہ اور ہر ادارہ پر چھائے ہوئے تھے اسوقت نہ انکی زبان پر سوراج کا نام آتا تھا۔ اور نہ ہی سول نافرمانی اور قانون شکنی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ لیکن جب سے گورنمنٹ نے دوسری قوموں کو بھی حکومت میں حصہ لینے کا موقع دینا شروع کیا اور آہستہ آہستہ ہر قوم کو سلطنت میں حصہ دار بنانے کی سکیم تجویز کی۔ یہ بھڑک اُٹھے۔ اور ناجائز اقتدار ہاتھ سے جاتا دیکھ کر گورنمنٹ کو صلواتیں سنانی شروع کر دیں۔ اور نوجوانوں میں انگریزوں کے خلاف غم و غصہ کے جذبات پیدا کر کے بم بازی اور انارکی کی وبا کو اپنی زہریلی تقریروں اور سڑی ہوئی تحریروں سے اور بھی بڑھایا۔ اور وہ ملک جو امن و امان کا گہوارہ تھا فتنہ و فساد کا گڑھ بن کے رہ گیا +

جب تک ان لوگوں کو یہ خیال رہا کہ گورنمنٹ مسلمانوں سے ناراض ہے اور وہ انہیں حکومت کے کاموں سے دُور دُور ہی رکھنا چاہتی ہے۔ اور صرف ہندو ہی اس کے منظورِ نظر۔ اور موردِ الطاف ہیں۔ یہ گورنمنٹ سے وفاداری کا اظہار کرتے رہے۔ اور اس کو اپنی ہی حکومت سمجھتے رہے۔ اور کسی قسم کی بیگانگی کا خیال دل میں نہ لائے +

گورنمنٹ کی پالیسی بدلنے پر اس سے ناراض ہو گئے

مگر جب ایک عرصہ کے بعد دیکھا کہ انگریزوں کے دل ان بے بنیاد وسوسوں اور بدگمانیوں سے پاک ہونے لگے ہیں جو انہی کیطرف سے ان کے دلوں میں جاگزیں کی گئی تھیں۔ تو یہ مسلمانوں کے ساتھ ہی انگریزوں کے بھی مخالف بن گئے۔ حالانکہ یہ انکی غلطی تھی۔ اگر انہیں قومیت کا پاس ہوتا مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے۔ تو ایسے موقعہ

پر انہیں خوش ہونا چاہیئے تھا کہ اب ہمارے بھائی بھی سلطنت کے کاموں میں حصّہ لے کر ہمارا ہاتھ بٹائینگے۔ مگر جو لوگوں کے نزدیک قومیت کی تعریف ہی یہ ہو کہ:-

بھائی پرمانند کے نزدیک قومیت کی تعریف

"ملکی معاملات میں قومیت کے جذبہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنی قوم سے محبت اور دوسری تمام اقوام سے نفرت کی جائے"

("ہندو زندگی کے راز" ص۱۵)

وہ بھلا کس طرح برداشت کر سکتے تھے کہ مسلمان بھی ملکی انتظام میں ان کے دوش بدوش کھڑے ہو کر کام کریں +

مہاتما ہنس راج صاحب کا بیان

اور جب مہاتما ہنس راج جیسے ہندو بزرگ تسلیم کرتے ہیں کہ

"ہماری جاتی (قوم) میں یہ بڑا دوش (عیب) ہے کہ ہم ملکر کام کرنا نہیں جانتے"

(ملاپ لاہور ۵۔ نومبر سنہ ۲۷ء ص۱)

وہ کب مسلمانوں کو اپنے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے دیکھ کر خوش ہو سکتے تھے؟ جس قوم کو دن رات یہی اُپدیش دیئے جائیں کہ

ایڈیٹر پرتاپ کا اُپدیش

"ہندوؤں کے لئے موکش (نجات) کا ایک ہی مارگ (راستہ) ہے کہ ان کے اندر (متحدہ قومیت کی بجائے) ہندوتو یا آریتو (ہندویت یا آریت) پیدا ہو۔ وہ بطور آریہ کے (نہ کہ بطور ہندوستانی کے) سوچنا شروع کریں۔ ملک کی فکر رکھیں لیکن اس کے ساتھ ہی اپنی قوم کی بھی اور جب اپنے حقوق کا سوال آئے۔ اس وقت دیا یا رحم کو اپنے پاس پھٹکنے تک نہ دیں"

(پرتاپ ۲ جولائی سنہ ۲۶ء ص۵)

اس قوم کے اندر متحدہ قومیت کا خیال پیدا ہو سکتا ہے؟ اور وہ اپنے ہمسایوں کو

کسی حق کا مستحق سمجھ سکتی ہے؟ چونکہ چھوت چھات کی زہر ان میں سرائت کر چکی ہے۔ ہندویت اور آریویت میں بُری طرح مبتلا ہیں۔ اور اپنے آپ کو افضل اور دوسروں کو حقیر اور ذلیل سمجھنا بھی انکی سرشت میں داخل ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ لوگ دوسری قوموں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اس قابل سمجھتے ہی نہیں کہ وہ بھی ملکی کاموں میں حصّہ لیں۔ مسلمان خواہ کتنے ہی لائق فائق۔ قابل اور ہوشیار ہوں۔ انکی نگاہوں میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔ مسلمان کتنے ہی مہذب۔ شائستہ۔ زیرک۔ دانا اور بالغ نظر ہوں مگر انکی نظروں میں وہ ہمیشہ ذلیل۔ حقیر اور نالائق ہی رہینگے۔ اور یہ انہیں کبھی بھی اس قابل سمجھنے کے لیے تیار نہ ہونگے کہ ہندوؤں کے دوش بدوش کھڑے ہو کر وہ بھی حکومت کی مشینری کو چلائیں۔ کیونکہ بقول مہاشہ سنت رام۔

مہاشہ سنت رام بی اے کا قول

"ہندو بڑا مغرور ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ مجھ سا دوسرا دنیا میں کوئی نہیں۔ وہ دل سے سب کو حقارت کرتا ہے (اور) یہ مرض آج کا نہیں بہت پُرانا ہے[1]"

(پرتاپ ۲۰۔ اگست سنہ ۲۷ء ص ۶ ک ۲)

اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے ہی ہموطنوں کی بدولت حکومت کے کاموں سے دُور دور رکھے جاتے ہیں۔ اور جب بھی گورنمنٹ ان کو ملکی انتظام میں حصہ لینے کا موقع دے یہ پنجے جھاڑ کر گورنمنٹ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں +

لالہ لاجپت رائے کا خیال

اور یہ لوگ مسلمانوں کو حقوق ملتے دیکھ کر کیوں نہ گورنمنٹ کے پیچھے پڑیں جبکہ انکے لیڈروں کی بھی یہی ذہنیت ہو کہ

[1] مہاشہ سنت رام کا یہ بیان عام ہندوؤں پر حاوی ہے۔ مگر ہمارے نزدیک جو ہندو شریف النفس اور سلیم المزاج ہیں ان پر یہ فتویٰ عائد نہ ہونا چاہیئے۔ احمدی مہاجر۔

"میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ ہندوؤں کے منہ سے مسلمان ٹکڑا چھین کر لے جائیں"۔

(ہمدم لکھنؤ ۲۹ - اکتوبر ۲۶ء ص۲ - تقریر لالہ جی در انبالہ)

غور فرمائیے جس قوم کے ذمہ دار لیڈر اپنی ذہنیت ان لفظوں میں بے نقاب کر چکے وہ قوم کسی دوسری قوم کو دعوت دے سکتی ہے کہ اس کے ساتھ مل کر ملک کی خدمت کی جائے؟ سوچیئے! جو لوگ ساری روٹی پر قبضہ رکھنا چاہیں۔ وہ دوسروں کو چھوٹا سا ٹکڑا بھی دینا کب پسند کرینگے خواہ ان کا حق ½ روٹی کا ہو؟

جب چوٹی کے ہندو لیڈر ہندوؤں کی ذہنیت ان لفظوں میں بے نقاب کر چکے کہ

سوامی ستیہ دیو کا اقبالی بیان

"ہندوؤں میں خود غرضی بہت ہے جسکی وجہ سے ان کا نقطۂ زندگی بہت تنگ ہے۔ قوم پرستی کے فراخ نقطۂ زندگی کے مطابق دنیا کو دیکھنا نہیں سیکھا"۔ (ملاپ ۴ نومبر ۲۵ء ص۲)

وہ کیونکر وسعت قلبی اور فراخ حوصلگی سے کام لیتے ہوئے گورنمنٹ کی اس پالیسی پر آمنا وصدقنا کہتے کہ آئندہ ہندوؤں کی طرح دوسری قومیں بھی امور سلطنت میں حصہ لینگی۔ اور انہیں بھی انکی آبادی کی نسبت سے حکومت کے کاموں میں شرکت کا موقعہ دیا جائے گا +

ایڈیٹر تیج کا ریمارک

جب بقول ایڈیٹر تیج "مدت کی غلامی نے ہندوؤں کے دل و دماغ کو اس طرح کا بنا دیا ہے کہ وہ ذاتی مفاد کو دھارمک جاتیہ (قومی) مفاد پر ترجیح دیتے ہیں (کیونکہ) ان میں ایرشا دویش (بغض وحسد) کی ماترا (مقدار) ادھک (زیادہ) ہے"

(تیج دہلی ۳۰ - جنوری ۲۴ء ص۲)

تو ایسی حالت میں یہ کس طرح برداشت کر سکتے تھے کہ گورنمنٹ ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کو بھی حکومت کا حصہ دار بنائے۔ اور وہ بھی بحصہ مساوی اپنے جائز حقوق سے

متمتع ہوں؟ +

پس ان لوگوں کا گورنمنٹ کے خلاف آوازے کسنا۔ دُھواں دھار تقریریں کرنا۔ اشتعال انگیز اور باغیانہ تحریریں شائع کرنا۔ اس لئے نہ تھا کہ گورنمنٹ نے انپر کوئی سختی کی تھی۔ ان کے کسی جائز حق پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ بلکہ انکی ناراضگی کا موجب یہ اور صرف یہ امر ہُوا کہ گورنمنٹ نے مسلمانوں اور شودروں کو بھی حکومت کے کاموں میں دخیل کار بنانے کی پالیسی اختیار کی +

ان کا ملک میں ایجی ٹیشن کرنا ہنگامے بپا کرنا اس لئے نہیں کہ ملک کو سوراج نصیب ہو۔ بلکہ اس لئے ہے کہ کسی طرح ہندو اقتدار کو نقصان نہ پہنچے۔ یہ لوگ انگریز کی حکومت گوارا کر سکتے ہیں مگر یہ برداشت نہیں کہ مسلمان اور شودر بھی حکومت کے کاموں میں شریک ہوں۔ اگر انہیں ملک کی آزادی مطلوب ہوتی تو یہ گورنمنٹ سے مسلسل ترک تعاون کئے رہتے۔ لیکن ان کا گورنمنٹ سے اُسوقت تک وفاداری کا اظہار کرنا جب تک کہ اس نے دوسری قوموں کو حکومت کے کاموں میں شریک نہ کیا۔ ثابت کرتا ہے کہ ان لوگوں کو ملک کی آزادی سے کوئی دُور کا بھی لگاؤ نہیں۔ یہ تو صرف اپنا اقتدار چاہتے ہیں۔ خواہ ملک آزاد ہو یا غلام۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں۔ یا اور مضبوط ہوں +

پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہندو ہی سچے قوم پرست اور آزادی کے متوالے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں اور پبلک کو دھوکہ دیتے ہیں +

اگر ہندوؤں کو ملک کی آزادی پیاری ہوتی۔ اگر انہیں متحدہ قومیت کا پاس ہوتا۔ اگر انہیں مساوات عزیز ہوتی تو ان کا گورنمنٹ سے محض اس لئے اُلجھ پڑنا قطعی غیر ممکن تھا کہ وہ کیوں مسلمانوں اور دوسری پسماندہ قوموں کو بھی ملکی عہدوں اور دیگر کاموں میں شریک کار بنانے کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔ اور یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے حقیقت

پر مبنی ہے۔ اور گذشتہ پچاس ساٹھ سال کے واقعات اسپر شاہد ناطق ہیں +

اور جن لوگوں نے گذشتہ نصف صدی کے واقعات کا مطالعہ کیا ہے وہ اقرار کرینگے کہ ہندوؤں کی ایجی ٹیشن اور شورش کی ابتدا صرف اسی بنا پر تھی کہ گورنمنٹ نے دوسری قوموں کو بھی حکومت میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی۔ اگر وہ مسلمانوں اور دوسری قوموں کو حکومت کے کاموں سے دُور دُور رکھتی۔ اگر وہ انہیں کسی قسم کے حقوق کا مستحق قرار نہ دیتی۔ تو یہی لوگ جو آج اپنے آپ کو حقیقی قوم پرست۔ اور آزادی کے پُجاری۔ بتلاتے ہیں۔ گورنمنٹ سے ایک لمحہ کے لئے بھی روگردانی نہ کرتے۔ انکی شورشوں۔ ہنگاموں۔ مسموم تقریروں اور زہریلی تحریروں میں ایک ہی جذبہ کارفرما تھا۔ اور وہ یہ کہ کسی طرح گورنمنٹ اس پالیسی کو بدل دے کہ آیندہ ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمان اور دوسری قومیں بھی حکومت کے کاموں میں حصہ لینگی۔ اور جن حقوق سے اکیلے ہندو متمتع ہو رہے ہیں۔ ان سے دوسرے ہندوستانی بھی بہرہ ور ہونگے +

اور یہ تو کسی طرح بھی قرینِ قیاس نہیں کہ جو لوگ شروع ہی سے گورنمنٹ کے منظورِ نظر رہے۔ اور جنہیں ہمیشہ ہی گورنمنٹ نے نوازا۔ اور دوسری تمام قوموں کے حقوق کو نظر انداز کرکے انہیں کو اپنایا۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب و مناصب عطا کئے وہ گورنمنٹ کے خلاف یکدم بھڑک اُٹھتے اور ملک میں شورش پیدا کر دیتے +

ہماری سمجھ میں یہ آ ہی نہیں سکتا کہ جو لوگ انگریزی حکومت کو ہندو راج ہی کے مترادف سمجھتے تھے وہ بلا وجہ گورنمنٹ کے خلاف ہو جاتے +

گورنمنٹ کے خلاف اگر مسلمان آواز اُٹھاتے تو ایک بات بھی تھی۔ کیونکہ گورنمنٹ نے مسلمانوں پر ہندوؤں کو ہر رنگ میں ترجیح دے رکھی تھی۔ اگر اچھوت اقوام گورنمنٹ کے خلاف مظاہرے کرتیں۔ تو قرینِ قیاس بھی ہوتا۔ کیونکہ گورنمنٹ نے ان کے حقوق کو نظر انداز کرکے تمام مناصب اور مراتب اعلیٰ جاتی کے ہندوؤں کو دے رکھے تھے

لیکن یہ کیا بات ہے کہ سب سے پہلے ہندو ہی گورنمنٹ کے خلاف آمادۂ مخاصمت ہوئے کیا اس لئے کہ انہیں کو آزادی کی تمنا تھی۔ کیا اس لئے کہ یہ لوگ ملک کو غلامی کی حالت میں نہ دیکھ سکتے تھے؟ اگر یہ بات ہوتی تو واقعی یہ ہر تعریف کے مستحق ٹھہرتے لیکن یہاں تو بات ہی صرف ہندو اقتدار اور تسلط کی تھی +

بنگالی بابوؤں کا گورنمنٹ کے خلاف غیظ و غضب۔ مدراسی ہندوؤں کا شور و غل یا مرہٹوں کی منظم سازشیں۔ اور کانگرس کی تحریک کا یہ باعث ہرگز نہ تھا کہ ملک کو آزاد کروایا جائے۔ بلکہ ان تمام ہنگاموں۔ شورشوں۔ سازشوں اور تحریکوں کا ایک ہی مقصد اور مدعا تھا۔ اور وہ یہ کہ کسی طرح گورنمنٹ پر دباؤ ڈالکر اسے مجبور کیا جائے کہ وہ ہندوؤں کے ناجائز اقتدار کو ٹھیس نہ لگائے۔ اور اس پالیسی کو بدل دے۔ کہ آیندہ دوسری قومیں بھی ملکی کاموں میں حصہ لینگی + آج سے تیس چالیس برس پہلے کے تمام بنگالی۔ مدراسی۔ گجراتی اور مہاراشٹری ہندو لیڈروں کی تقریریں اور تحریریں پڑھ جائیے۔ اور ساتھ ہی کانگرس کے گذشتہ جلسوں کی رودادیں بھی دیکھ جائیے۔ آپ کہیں بھی "پورن سوراجیہ" یا "مکمل آزادی" کا نام تک نہ پائینگے۔ جو دلیل ہے اس امر کی کہ ان کا گورنمنٹ کے خلاف شور مچانا اور واویلا کرنا۔ "پورن سوراجیہ" یا "آزادی کامل" کے لئے نہیں بلکہ صرف ہندو اقتدار کے لئے ہی تھا +

ہندو ملک میں اصلاحات کے جاری ہونے پر کیوں ناراض ہوتے ہیں؟

اگر انکی مخالفتوں اور شورشوں کا مقصد ملک کی آزادی ہوتا تو انہیں ہر اس موقعہ

پر۔ جبکہ گورنمنٹ نے ملک کے۔ لئے نئی نئی اصلاحات و اختیارات کی سکیم تجویز کی۔ خوش ہونا چاہیئے تھا۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ جب بھی گورنمنٹ کیطرف سے ملک کو ریفارم سکیم ملی۔ اور جس موقعہ پر بھی ہندوستانیوں کو مزید اختیارات کا چارٹر دیا گیا۔ یہ خوش ہونیکی جگہ رنجیدہ اور مسرور ہونے کی بجائے رنجور ہوئے؟ کیا ملک کو ریفارمز ملتے وقت ان کا غم و غصہ کا اظہار کرنا اور بجائے شکریہ کے گورنمنٹ کو برا بھلا کہنا اس امر کی دلیل نہیں کہ انہیں آزادی سے قطعاً کوئی وابستگی نہیں؟

منٹو مارلے اصلاحات کے وقت ہندوؤں کی ناراضگی

آخر یہ کیا بات ہے کہ منٹو مارلے اصلاحات کے نفاذ کے وقت عیسائی خوش ہوئے۔ پارسی خوش ہوئے۔ مسلمان خوش ہوئے۔ مگر انکے چہرے رنج کے مارے زرد پڑ پڑ گئے؟ یہ موقعہ خوشی کے اظہار کا تھا نہ کہ آزردہ اور رنجیدہ ہونیکا؟

اگر منٹو مارلے سکیم کے مجوزین نے ہندوستانیوں کے اختیارات سلب کئے ہوتے۔ انکی زنجیر غلامی کو اور مضبوط کیا ہوتا۔ اور جن حقوق سے ہندوستانی متمتع ہو رہے تھے ان سے بھی انہیں محروم کر دیا ہوتا تو واقعی اس حالت میں غم و غصہ کا اظہار بجا ہوتا مگر وہاں یہ بات ہی نہ تھی۔ منٹو مارلے سکیم نے تو ہندوستانیوں کو مزید اختیارات دیئے تھے نہ کہ ان سے کچھ ہتھیا لیا تھا۔ پس ایسے موقعہ پر ان لوگوں کا کبیدہ خاطر ہونا۔ اور ناک بھوں چڑھانا۔ اس لئے اور محض اس لئے تھا کہ اس سکیم کے ماتحت بدقسمت مسلمانوں کو بھی بعض حقوق ملتے نظر آئے تھے۔ اور انہیں بھی کسی قدر پنپنے اور اپنے حقوق کی نگہداشت کا موقعہ نصیب ہوا تھا۔ اگر منٹو مارلے سکیم میں مسلمانوں کی سیاسی اہمیت اور جداگانہ ہستی کو تسلیم نہ کیا جاتا۔ اگر منٹو مارلے سکیم میں مسلمانوں کو اپنی نمائندگی کا کسی قدر الگ اختیار نہ ملتا۔ اگر منٹو مارلے سکیم میں مسلمانوں کو ان بہت سے جائز حقوق میں سے بعض سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہ دیا جاتا جو عرصہ دراز سے ہندوؤں نے غصب کر رکھے تھے تو منٹو مارلے

سکیم کے جاری ہونے پر ہندو[1] کبھی بھی بے چینی کا اظہار نہ کرتے۔ مگر چونکہ اس سکیم کے ماتحت کسی قدر مسلمانوں کو بھی حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کی گنجائش مل گئی تھی۔ اس لئے خالص ہندو اقتدار کے خواہاں بے چین ہو گئے۔

مانٹیگو چیمسفورڈ سکیم کے وقت ہندوؤں کی ناراضگی

اس کے دس سال بعد جب گورنمنٹ کیطرف سے ملک کو آزادی کی دوسری قسط ملنے کا وقت آیا۔ تو اُسوقت بھی یہی لوگ تھے جنہوں نے مُلامانہ ذہنیت کا اظہار کیا۔ اور یہ دیکھ کر کہ مانٹیگو چیمسفورڈ کی مجوزہ سکیم میں مسلمانوں کو بھی چند مزید حقوق ملجانے کا احتمال ہے۔ بس لگے چیخنے چلانے۔ نہ صرف گھروں ہی میں چیخے چلائے۔ اخباروں میں شور مچایا۔ سٹیج پر کھڑے ہو ہو کر واویلا کیا۔ بلکہ وفد کی صورت میں خود مانٹیگو اور چیمسفورڈ کے پاس بھی پہنچے اور ان کے سامنے ایسی سکیم پیش کی کہ جس سے مسلمانوں کے ہاتھ پلے کچھ نہ پڑے۔ اور جب دیکھا کہ مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان باہمی حقوق کے متعلق کوئی تصفیہ ہونے لگا ہے۔ اور اس تصفیہ سے مسلمانوں کی سیاسی اہمیت اور وجود کو پورا نہ سہی کسی قدر ہی تسلیم کیا جانے والا ہے تو انہوں نے اس کے خلاف بھی ملک میں شور ڈالا۔ جیسا کہ پنڈت دین دیالو صاحب نے کانگرس ہندو کانفرنس کی صدارتی تقریر میں تسلیم کیا ہے کہ

"لکھنؤ میں جو ہندو مسلم پیکٹ و معاہدہ ہوا تھا۔ اس (ہندو مہا) سبھا نے بڑے زور سے اسپر پروٹسٹ کیا۔ جب مانٹیگو یہاں آئے تو اس سبھا نے ہندوؤں کے مطالبات بھی (جنسے مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھا جائے) ان کے سامنے

[1] ہمارے ناظرین میں سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ سبھی ہندو اس قسم کی ذہنیت رکھتے ہیں۔ یا ہماری رائے ہر ایک ہندو کے متعلق ہے۔ یہ بات نہیں۔ بلکہ ہمارے ریمارکس یا رائے زنی صرف انہی ہندوؤں تک محدود ہے۔ جو واقعی دوسروں کو انکے جائز حقوق ملتے دیکھ کر رنجیدہ ہوتے ہیں (احمدی مہاجر

پیش کئے تھے۔" (ملاپ ۵۔ اگست ۲۵ء صہ ۲)

اگر "آزادی" اور "سوراج" کے نام نہاد پجاریوں کو ملک کی بہبودی مقصود ہوتی۔ غلامی سے نفرت ہوتی۔ ملک کو آزاد کروانے کی تمنا ہوتی۔ تو اصلاحات ملنے وقت اظہار مسرت کرتے۔ مگر ان کا ہر موقعہ پر اپنا ہی اقتدار چاہنا۔ اور کسی دوسری قوم کو ملکی امور میں حصہ دار بنتے دیکھ کر ماتم کناں ہونا اسبات کا روشن ثبوت ہے کہ انہیں ملک کی آزادی یا ہندوستانی راج کی قطعاً خواہش نہیں۔ انہیں اگر خواہش ہے تو یہ اور صرف یہ کہ حکومت کے ہر ادارے۔ ہر صیغے۔ ہر محکمے اور ہر دفتر میں پہلے کی طرح ہمارا ہی عمل دخل ہو۔ میونسپلٹیوں۔ یا ڈسٹرکٹ بورڈوں۔ کونسلوں اور دوسری نمائندہ مجلسوں میں ہمارا ہی طوطی بولے۔ اور ہمارے مقابل اور کسی ہندوستانی قوم کو مجال دم زدن نہ ہو +

پس یہ لوگ جو دوسروں کو ٹوڈی حکومت پرست اور ٹریٹر کہہ کہہ کر اپنی حریت نوازی کا ڈھول پیٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ "پورن سوراجیہ" یا "کامل آزادی" کے خواہاں نہیں۔ انکی "آزادی" اور "سوراجیہ" کا مطلب صرف اتنا ہے کہ زیر سایہ برطانیہ ہندو اقتدار قائم رہے۔ کیونکہ اگر انہیں سوراج کی تمنا ہوتی۔ ملک کو زنجیر غلامی سے مخلصی دلانے کی خواہش ہوتی۔ تو یہ لوگ دوسری قوموں کو ان کے جائز حقوق ملتے دیکھ کر غمزدہ نہ ہوتے۔ ان کا یہ دیکھ کر کہ اصلاحات سے دوسری اقوام ہند بھی مستفید ہونگی اور انہیں بھی حصہ رسدی حاکمانہ اختیارات ملینگے۔ جھنجلا اٹھنا۔ اور جلن کے مارے اصلاحات سے ہی انکار کر دینا۔ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ انہیں آزادی سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں + آزادی یا سوراج کے یہ معنے نہیں کہ حکومت کے تمام اختیارات ایک قوم کے ہاتھ میں آجائیں۔ اور دوسری تمام قومیں اپنے حقوق سے محروم کر دی جائیں۔ بلکہ سوراج اس کو کہتے ہیں کہ ملک کی ہر جماعت ہر فرقہ اور ہر قوم

حصہ رسدی اس میں شریک ہو۔ اور جس قسم کے حقوق اکثریت کو حاصل ہوں وہی حقوق دوسری اقلیتوں کو بھی انکی آبادی کی نسبت سے ملیں۔ سوراج کے لئے صرف ایک قوم کی نہیں بلکہ تمام قوموں کی ترقی ضروری ہے۔ اور جب تک یہ حالت نہ ہو۔ اسے سوراج نہیں بلکہ ایک فرقہ کی حکومت کہا جائے گا۔

سوراج کی تعریف جیسا کہ مسٹر سری نواس آئنگر۔ سابق صدر کانگرس گوہاٹی نے بھی سوراج کے معنی بتلاتے ہوئے کہا ہے کہ

"آجکل کے زمانہ میں کوئی جماعت فرقہ دارانہ معاملات میں اصلی ترقی نہیں کر سکتی جبتک کہ بحیثیت مجموعی تمام قوم ترقی نہ کرے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ یا تو دوسری جماعت کی ترقی میں مدد دے یا مساوی ترقی کرے۔ اس لئے اپنی جماعت کو سیاسی طور پر آگے بڑھانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تمام جماعتوں کی حیثیت کو بڑھایا جائے"

(اخبار ہمدم لکھنو ۳۱ - دسمبر ۲۶ء ص ۳)

مگر سوراج کی یہ تعریف جانتے ہوئے بھی ہندوؤں کا اپنی جماعت کی ہی ترقی چاہنا۔ اور دوسروں کو حقوق ملتے دیکھ کر سینہ کوبی کرنا اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ انہیں آزادی یا سوراج نہیں۔ بلکہ ہندو اقتدار چاہیئے۔

یہ لوگ ہمیں ٹوڈی کہیں۔ سرکار کا خوشامدی کہیں۔ گورنمنٹ کی چہیتی کا خطاب دیں۔ سرکار پرستی کا طعن کریں۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ انکی "آزادی" اور "سوراج" کس قسم کے ہیں۔ انکی غلامانہ ذہنیت کو دیکھتے ہوئے ہم اگر اپنی زبان دبا بھی جائیں مگر باقی دنیا کا مُنہ کون بند کرے گا۔

اصلاحات کی تیسری قسط ملنے کے وقت اظہار ناراضگی کیا گورنمنٹ کیطرف سے ہندوستان کو تیسری قسط ملنے کے وقت ان کا اصلاحات سے صاف اور صریح لفظوں میں انکار کر دینا

اسباب کا ثبوت نہیں کہ انہیں ذاتی اقتدار کے سوا اور کسی شئے کی حاجت نہیں؟ منہ سے بیشک یہ کہیں کہ ہم آزادی چاہتے ہیں۔ سوراج ہمارا پیدائشی حق ہے۔ اور ہم اسے لئے بغیر دم نہ لینگے لیکن سائمن کمیشن کے آنے پر دنیا نے انکے ڈھول کا پول دیکھا اور اچھی طرح دیکھا۔ اگر انہیں بھارت ماتا سے پریم ہوتا۔ اس کو غلامی سے نجات دلانے کی خواہش ہوتی۔ تو اصلاحات کی تیسری قسط ملنے کی تیاری دیکھ کر خوش ہوتے۔ اور خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے۔ مگر ان کا یہ خیال کر کے کہ اصلاحات کی تیسری قسط میں مسلمانوں کو اور بھی چند حقوق ملجائینگے۔ جنکو ہم نے مدت سے ہتیائے رکھا ہے۔ سرے سے اصلاحات سے اظہار بیزاری کرنا کس بات کی علامت ہے؟ آزادی کی؟ حریت نوازی کی؟ بہبودئ ملک کی؟ یا بدترین غلامانہ ذہنیت کی؟

ایک سوال ممکن ہے بعض اصحاب یہ پوچھے بغیر نہ رہیں کہ جو لوگ گورنمنٹ کی مخالفت میں ہر قسم کے کردنی و ناکردنی افعال سے پرہیز نہیں کرتے۔ قانون شکنی اور بم بازی تک کے مرتکب ہوں۔ جیلخانوں کو بھر دیں اور قدم قدم پر گورنمنٹ کے آئین و احکام کو ٹھکرائیں۔ ان کے متعلق کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ سوراج کے حامی نہیں؟

جواب۔ بیشک یہ سوال بظاہر معقول نظر آتا ہے۔ لیکن اگر ان کے اعمال و افعال کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو انکی نمک سازی۔ قانون شکنی اور بم بازی کی حقیقت آسانی کے ساتھ واضح ہو جاتی ہے اور صاف پتہ لگ جاتا ہے کہ ان کا گورنمنٹ کے خلاف واویلا کرنا۔ جلوس نکالنے۔ مظاہرے کرنے۔ پکٹنگ کرنا۔ نمک بنانا۔ اور قانون شکنی کر کے جیلوں کو بھر دینا۔ اس لئے نہیں کہ گورنمنٹ ملک کو آزاد کیوں نہیں کرتی۔ ہندوستانیوں کو سوراج کیوں نہیں دیتی۔

بلکہ ان تمام مخاصمانہ و معاندانہ کارروائیونکی علت غائی ہندو اقتدار کی قائمی و بحالی ہے۔ انگو گورنمنٹ سے اس لئے نقار نہیں کہ وہ ہندوستانیوں کو غلامی کے جوئے سے آزاد نہیں کرتی۔ بلکہ انکی ناراضگی کا موجب یہ اور صرف یہ ہے۔ کہ اُس نے ہندوؤں کے ناجائز اقتدار میں کمی کر کے دوسری قوموں کو بھی کیوں حکومت کے کاموں میں شریک کیا؟

سیاسیات میں مسلمانوں کی ہستی کیوں الگ تسلیم کی۔ اور ہندوؤنکی طرح انہیں بھی کیوں موقعہ دیا کہ اپنی آبادی کی نسبت سے حکومت کے کاموں میں حصہ لیں +

اگر آج گورنمنٹ اپنی پالیسی بدل دے۔ اگر آج گورنمنٹ اعلان کر دے کہ سوائے ہندوؤں کے اور کسی قوم کو حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تو یہی لوگ جو قدم قدم پر گورنمنٹ کے مُنہ آتے ہیں۔ اسکی تعریف دمدح میں قصیدہ خوانی شروع کر دیں گے +

ہندوؤں کا جدید اصلاحات سے صریح لفظوں میں انکار

اور یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے۔ واقعات کی بنا پر لکھا ہے اور کسی کی طاقت نہیں کہ اسکی تردید کر سکے۔ اور تردید ہو بھی کیسے۔ جبکہ ان کے اعمال و افعال سے ایک دنیا واقف ہو چکی ہے۔ ہاں تردید کی ہمت کون کرے گا جبکہ خود یہی لوگ جو دیش بھگتی اور حب الوطنی کے بلند بانگ دعوے کرتے نہیں تھکتے۔ سائمن کمیشن کی تقرری پر اپنا اندرونہ یہ کہہ کر ظاہر کر چکے کہ

ایڈیٹر ملاپ کیطرف سے ہندوؤنکی دلی خواہش کا اظہار "اسوقت ملک کیحالت

اور خصوصاً پنجاب اور بنگال کی حالت تو یہ تقاضا کرتی ہے کہ سارے ہندوستان یا پنجاب کی طرف سے یہ آواز بلند کی جائے کہ ہمیں اصلاحات درکار نہیں ہیں۔ "بلی بی بخشو۔ چوہا لنڈا ہو زا ہی زندہ رہ لیگا" آپ کے اس سونے سے۔ اس چمکدار سونے سے باز آئے۔ یہ سچ ہے کہ اصلاحات میں چمک ہے۔ ان کے اندر دلکشی بھی ہے لیکن ان اصلاحات نے ہمیں دیا کیا؟..... ہندوؤں کی حالت تو پنجاب میں اصلاحات کے بعد ناگفتہ بہ ہو چکی ہے۔ ہندو برملا یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ اب پنجاب میں زندگی بسر کرنے کا مزہ جاتا رہا۔ اب یا تو یہاں مسلمان بیکر رہ سکتے ہیں۔ اور یا ہماری ہڈیاں یہاں رہ سکتی ہیں۔ مسلمانوں کو اصلاحات کی بدولت اتنے اختیارات مل چکے ہیں۔ اور ان اختیارات کا پچھلے سات برسوں میں اتنا ناجائز استعمال ہؤا ہے کہ مسلمانوں کے دماغ میں اب صرف ایک ہی خیال ہے۔ اور وہ یہ کہ پنجاب میں اسلامی حکومت ہے۔ اور اگر کچھ کسر ہے تو اسے افغانستان جلد پوری کر دیگا۔ بڑے بڑے ہندوؤں کا خیال ہے کہ پنجاب میں مسلمانوں کو جو حقوق اور اختیار دے دیئے گئے ہیں۔ یہ ابھی نصف صدی کے بعد ان کو ملنے چاہئیں تھے...... اصلاحات کا موسم جب سے شروع ہؤا ہے۔ ہندوؤں کی حالت بگڑتی چلی گئی ہے"+

"پنجاب کے ہندوؤں کے سامنے ایک ہی راستہ ہے اور وُہ یہ کہ وہ یکزبان ہو کر اصلاحات کے خلاف آواز اٹھائیں۔ اور گورنمنٹ کے پاس میموریل بنا کر بھیجیں کہ ہم ان اصلاحات کے بغیر ہی اچھے ہیں۔ ہمیں ایسی سوراجیہ کی ضرورت نہیں جس کی انتہا افغانی حکومت پر ہوتی ہے۔ پنجاب کے دوراندیش ہندو برملا کہہ رہے ہیں کہ پنجاب کو بجائے اسکے کہ مزید اصلاحات دی جائیں۔ پرانی اصلاحات سے بھی محروم کر دیا جائے پنجاب کونسل

کو توڑ دیا جائے۔ وزارتوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ فرقہ وارانہ نیابت اور جداگانہ حقوق کے زہر کو یہاں سے نکال دیا جائے۔ اور لیاقت نیز قابلیت کے لحاظ سے ہندو مسلمانوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔"

جو لوگ ہندوؤں کے آزادی کے دلفریب دعووں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ وہ ایڈیٹر ملاپ کے محولہ بالا جلی الفاظ کو پڑھیں۔ اور بار بار پڑھیں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان لوگوں کی اصل ذہنیت کیا ہے؟ اور حقیقتاً یہ کیا چاہتے ہیں۔ اور انکے دعویٰ ہائے آزادی کیا حقیقت رکھتے ہیں؟

یہ دوسروں کو بیشک ٹوڈی کہیں۔ انہیں سوراج کی راہ میں روک بتائیں انگریزوں کے خوشامدی اور آزادی کے دشمن قرار دیں۔ مگر اس قسم کے بیانات کو پڑھ کر دنیا جان چکی ہے کہ ان لوگوں کا "انقلاب زندہ باد" کی پکار نی۔ اور آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے۔ کی رٹ لگانا صرف ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور کا ہی مصداق ہے۔ حقیقت میں انہیں آزادی سے کوئی دُور کا بھی تعلق نہیں۔

انہیں اگر کسی چیز کی تمنا ہے تو وہ صرف ہندو اقتدار کی۔ بس۔ اور یہی تمنا ملک کی غلامی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اور اسی تمنا نے ملک کو ابھی تک آزادی کے درشنوں سے محروم کر رکھا ہے۔ اگر یہ لوگ واقعی آزادی کے خواہاں ہوتے۔ ملک کو سوراج دلانے کی تڑپ رکھتے تو انکی زبان و قلم سے اس قسم کے رجعت پسندانہ الفاظ کبھی بھولے سے بھی نہ نکلتے۔

یہ الفاظ خالی مولی الفاظ نہیں۔ بلکہ انکی اصل ذہنیت کا صحیح مرقع ہیں جو اسبات کے مظہر ہیں کہ 'انقلاب زندہ باد' کے نعرے لگانے والوں کو آزادی سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ تو صرف ہندو اقتدار کے ہی خواہشمند ہیں۔ اور ان کے تمام ہنگامے۔ شورشیں۔ اور امن شکن تحریکیں صرف اسی اقتدار کی قائمی و بحالی

کے لئے ہیں۔ کیونکہ اگر انہیں ملک کو آزادی دلوانے کی خواہش ہوتی۔ سوراج کی حقیقی تمنا ہوتی تو اصلاحات کی تیسری قسط کے موقعہ پر یہ نہ کہتے کہ

"سارے ہندوستان یا پنجاب کی طرف سے یہ آواز بلند کی جائے۔ کہ ہمیں اصلاحات درکار نہیں ہیں" +

اگر واقعی انہیں "آزادی" بھلی معلوم ہوتی تو انکی طرف سے اس قسم کے اعلان کا ہرگز امکان نہ تھا کہ پنجاب کو

"بجائے اس کے کہ مزید اصلاحات دیجائیں۔ پُرانی اصلاحات سے بھی محروم کردیا جائے۔ پنجاب کونسل کو توڑ دیا جائے۔ وزارتوں کا خاتمہ کردیا جائے فرقہ وارانہ نیابت اور جداگانہ حقوق کے زہر کو یہاں سے نکالدیا جائے" +

ان کا اس قسم کے اعلان کرنا ہی بتاتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی میں اگر کوئی سدراہ ہے تو وہ ہندو۔ اور صرف ہندو ہیں[1] مسلمانوں کے جذبہ حب الوطنی کی توہین کرنے والے۔ انہیں ٹوڈی اور حکومت پرست بتانے والے ذرا گریبان میں منہ ڈالکر بتلائیں تو۔ کیا اس قسم کے غلامانہ جذبات کا اظہار مسلمانوں کیطرف سے بھی ہوتا ہی؟

اگر نہیں اور یقینا نہیں تو پھر کس مُنہ سے انہیں آزادی کا مخالف اور سوراج کا دشمن کہا جاتا ہے۔ اور اٹھتے بیٹھتے۔ سوتے۔ جاگتے چلتے پھرتے انہیں ٹوڈی اور حکومت پرستی کے طعنے دے دے کر بِڑایا جاتا ہے؟

[1] ہمارا اختوبی صرف انہی ہندؤں پر ہے جو واقعی دوسروں کے حقوق غصب کرکے تمام ملکی اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے۔ اور جنہیں اس بات کی مطلق پروا نہیں کہ اس قسم کا اقتدار حاصل کرنے کا لازمی نتیجہ ملک کی دائمی غلامی ہے۔ نہ ان ہندؤں پر بھی جو انصاف پسند۔ دوسری اقوام کو ان کے جائز حقوق ملنے کے حامیتی۔ اور حقیقی سوراج کے خواہشمند ہیں۔ خواہ وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ +۔ احمدی مہاجر۔

کیا خود توڑی۔ اصلاحات کے مخالف اور سوراج کے دشمن ہوتے ہوئے بھی حریت و آزادی کے دلدادوں پر آوازے کسنا۔ پھبتیاں اڑانا۔ اور انہیں مطعون و بدنام کرنے کے لئے غیر ملکی حکومت کے بازو۔ بتلانا۔ شیوۂ انسانیت ہے یا حد درجہ کی خباثت؟

کہا جائے گا کہ اس قسم کے خیالات عام ہندوؤں کے نہیں یہ صرف ایڈیٹر ملاپ کی ذاتی رائے ہے جسکی ذمہ واری دوسرے ہندوؤں پر عائد نہیں ہوتی۔ اے کاشکہ ایسا ہی ہوتا۔ مگر ہم کیا کریں۔ جب خود ایڈیٹر ملاپ کہتا ہے کہ

باقی اکثر پنجابی ہندوؤں کا بھی یہی خیال ہے

"ہمیں بہت سے معزز اور دُور اندیش ہندوؤں سے ملنے کا لگاتار موقع ملتا رہتا ہے۔ اور جب ہم یہ لکھتے ہیں کہ پنجاب کے ہندوؤنکو کونسل کی اور مزید اصلاحات کی ضرورت نہیں تو گویا ان کے خیالات اور جذبات کی پوری ترجمانی کرتے ہیں"۔

تو پھر کس طرح محولہ بالا الفاظ ایڈیٹر ملاپ کی ذاتی رائے پر مبنی سمجھے جائیں۔ الفاظ بیشک اُسکے ہیں۔ مگر ان میں جن جذبات اور خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ صرف اسکی نہیں پنجاب کے ہندوؤں کے بھی ہیں۔ اور ان لفظوں میں انہی کے خیالات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اور انکی ترجمانی کرتے ہوئے ہی اس نے آگے چلکر گورنمنٹ کو مشورہ دیا ہے کہ

گورنمنٹ کو اصلاحات واپس لے لینے کا مشورہ

"گورنمنٹ کو چاہئیے کہ وہ ہندوؤنکی اس آواز کو سنے وہ دوسرے صوبوں کو جو چاہے دیدے کیونکہ وہاں اکثریت ہندوؤں کی ہے۔ تا فقیکہ لیکن کم از کم پنجاب کو پرانی اور آنے والی اصلاحات سے معاف ہی کر دے

تو بہتر ہے۔ ہندوؤں نے اصلاحات کا مزہ چکھ لیا ہے۔ اور وہ مزید مزہ چکھنے کیلئے تیار نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ہندوؤں کے اس خیال کو پورے زور کے ساتھ گورنمنٹ کے سامنے رکھنا چاہیئے"۔

اور ہندوؤں کا یہ ترجمان۔ گورنمنٹ کے بعد ہندوؤں کو بھی کہتا ہے کہ

ہندوؤں کو مشورہ کہ اصلاحات سے انکار کریں

"رائل کمیشن تو آئیگی۔ اور ضرور آئیگی۔ اس لئے پنجاب کے ہندوؤں کیطرف سے ایک زبردست میموریل اصلاحات کے خلاف تیار کر کے بھیجنا چاہیئے ڈیپوٹیشن بھی لے جانے چاہئیں۔ اور ایسی اصلاحات کو سمندر پار ہی رکھنے کی پرار تھنا (استدعا) کرنی چاہیئے"۔ (ملاپ ۱۷۔ جون ۲۷ء)[1]

جو قوم گورنمنٹ پر زور دے کہ نئی اور پرانی تمام اصلاحات واپس لے لیوے کیا اس کے افراد مسلمانوں کو سوراج کا مخالف کہنے کا منہ رکھتے ہیں؟ ہماری سمجھ میں آجتک نہ آیا کہ یہ لوگ اس قسم کی ذہنیت رکھتے ہوئے بھی کس طرح مسلمانوں کو ٹوڈی اور حکومت پرست کہنے کا حوصلہ کر بیٹھتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کے جذبۂ حریت کی توہین کرتے ہوئے ان کے دل انہیں ملامت نہیں کرتے؟ انکی ضمیر انہیں دھتکارتی نہیں؟ ان کے نفس انکو پھٹکار نہیں بتلاتے۔ جن کے قول اور فعل میں زمین آسمان کا فرق ہو وہ کس زبان سے دوسروں کو ٹوڈیت کا طعنہ دے سکتے ہیں؟

ان نام نہاد "دیش بھگتوں" کی غلامانہ ذہنیت پر پردہ ڈالنے کے لئے کہا

---

[1] چنانچہ پنجاب کے سرکردہ ہندوؤں نے ایسا کیا بھی۔ پہلے تو ہندو سبھا پنجاب کے جلسہ میں اس قسم کی رجعت پسندانہ تجویز پاس ہوئی۔ پھر سائمن کمیشن کے سامنے جا کر بھی یہی کچھ کہا سنا جس کا مفصل ذکر آیندہ صفحات میں مناسب موقعہ پر آئے گا۔ (احمدی مہاجر)

جائے گا کہ پنجاب کے ہندو اصلاحات کے اس لئے مخالف نہیں کہ انہیں سوراج کی خواہش نہیں۔ بلکہ ان کا اصلاحات سے انکار کرنا بقول ایڈیٹر ملاپ اس لئے ہے کہ پنجاب میں

اصلاحات کی مخالفت کی لچر وجہ

"مسلمانوں کو اصلاحات کی بدولت اتنے اختیارات مل چکے ہیں۔ اور اُن اختیارات کا پچھلے سات سالوں میں اتنا ناجائز استعمال ہوا ہے کہ مسلمانوں کے دماغ میں اب صرف ایک ہی خیال ہے۔ اور وہ یہ کہ پنجاب میں اسلامی حکومت ہے"۔

اول تو یہ بات ہی غلط ہے کہ "مسلمانوں کو اصلاحات کی بدولت اتنے اختیارات مل چکے ہیں" کیونکہ لفظ "اتنے" تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانانِ پنجاب کو ان کے حق سے بھی کہیں زیادہ حقوق مل چکے ہیں۔ حالانکہ یہ محض چالبازی اور نرا پروپیگنڈا ہے جس کی اصل حقیقت کچھ بھی نہیں۔ اور اگر یہ نرا پروپیگنڈا نہیں بلکہ اس کی بنیاد حقائق پر ہے تو ایڈیٹر ملاپ کو چاہیئے تھا کہ اس کی تائید میں اعداد و شمار پیش کرتا۔ اور بتلاتا کہ مسلمانوں کو ان کے اصلی حق سے بہت زیادہ مل چکا ہے جس کی وجہ سے وہ پنجاب میں اسلامی گورنمنٹ سمجھ رہے ہیں۔

لیکن اگر وہ پہلے نہیں بتا سکا تو اب بتا دے کہ مسلمانانِ پنجاب کو ان کے حق سے زیادہ "اتنے" اختیارات مل چکے ہیں۔

پنجاب میں مسلمانوں کو قطعاً زیادہ حق نہیں ملا

مگر ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ایڈیٹر ملاپ ہو یا اور کوئی۔ قیامت تک بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ مسلمانانِ پنجاب کو ان کے حق سے زائد اختیارات حاصل ہیں۔ یہی نہیں۔ بلکہ وہ یہ بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ ان کو اصل حق کے مطابق ہی اختیارات مل چکے ہیں۔ بلکہ وہ یہ بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ سرکاری

دفتروں میں مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی ۴۰ فیصدی بھی حق حاصل ہے۔ یہی کیوں؟ وہ اعداد وشمار کو سامنے رکھ کر یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ مجموعی طور پر سرکاری ملازمتیں ۳۳ فیصدی بھی مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ بھی کہیں گے کہ پنجاب گورنمنٹ کے کئی ایسے دفتر ہیں جن میں مسلمانوں کو تینتیس فیصدی کیا دس فیصدی بھی حق نہیں ملا۔ چہ جائیکہ انہیں اصل حق (۵۶ فیصدی) سے کہیں زیادہ نصیب ہو۔ اور اس کی وجہ سے ہندوؤں کیحالت ناگفتہ بہ ہوگئی ہو۔ اگر پنجاب کے ہندوؤں کیحالت اس لئے "ناگفتہ بہ" کہی جائے کہ مسلمانوں کو ان کے حق سے زیادہ اختیارات مل گئے تو یہ غلط اور واقعات کے صریح خلاف ہے۔ اور اگر "ناگفتہ بہ" کے یہ معنے ہیں کہ اصلاحات کی بدولت ہندوؤں کے ناجائز اختیارات میں معتدبہ نہیں کسی قدر کمی آگئی تو یہ درست ہے

اصلاحات سے انکار ہندو اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے ہے

اور ان کے ناجائز اختیارات میں اس کمی کا آیندہ بھی امکان ہے۔ کیونکہ جب ملک کو سوراج ملے گا تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہو گا کہ جس قوم کو جتنا حق پہنچتا ہے وہ اسے دیا جائے۔ اور اُس وقت یقیناً ان لوگوں سے وہ ناجائز اختیارات واپس لئے جائینگے جنپر کہ وہ سالہا سال سے ناجائز طور پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ اور اصل بات ہے بھی یہی۔ اور اسی خدشہ نے ہندوؤں کا خواب و خور حرام کر رکھا ہے۔ اور یہی بات انکے لئے سوہانِ رُوح بنی ہوئی ہے اور یہی خوف انہیں اصلاحات سے اظہار بیزاری پر مجبور کرتا ہے۔ سوراج یا اصلاحات ایسی چیز نہیں کہ جس سے کوئی ہوشمند انکار کرے۔ ان سے انکار وہی کرے گا جسے ذاتی اقتدار کی تمنا ہو۔ جو دوسروں کے جائز حقوق پر ناجائز قبضہ کئے بیٹھا ہو۔ اور دن رات اس فکر میں غلطاں رہے کہ جس طرح بھی ہو دوسروں کے حقوق پر اور بھی ہتھ صاف کروں۔ چونکہ ہندو راجیو کو ذاتی

تسلط واقتدار کی خواہش ہے اور حکومت کی مشینری پر اکیلے وہی قبضہ جمائے رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ کسی ایسی سکیم یا تجویز سے اتفاق نہیں کر سکتے جس سے کہ دوسری قوموں کو بھی انکے جائز حقوق سے متمتع ہونے کا موقع نکل آئے۔ خواہ اس سکیم یا تجویز کا نام سوراج ہو یا حکومت خود اختیاری۔ پس یہ کہنا کہ پنجابی ہندو اس لئے اصلاحات سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں کہ پنجاب میں مسلمانوں کو ناجائز اختیارات مل گئے ہیں غلط ہے۔ بلکہ ان کا اصلاحات سے انکار اس لئے ہے کہ اس سے انکے ناجائز اقتدار میں کمی کا احتمال ہے۔ اور یہ انہیں کسی طرح منظور نہیں۔ خواہ سوراج ملے یا نہ ملے۔ انگریز یہاں سے چلے جائیں یا یہیں رہیں۔ ملک کو آزادی نصیب ہو یا وہ اور بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جائے +

مسلمان اقلیتیں کیوں اصلاحات سے انکار نہیں کرتیں

اگر پنجاب کے ہندوؤں کی غلامانہ ذہنیت پر یہ کہہ کر پردہ ڈالا جا سکتا ہے کہ مسلمان اکثریت سے خوفزدہ ہیں اور انہیں اندیشہ ہے کہ سوراج ملنے پر انہیں تنگ کیا جائے گا۔ تو اس سے انکی غلامانہ خصلت کی پردہ پوشی ناممکن۔ کیونکہ آخر کئی اور بھی تو ایسے صوبے ہیں جہاں مسلمانوں کی بھی یہی پوزیشن ہے۔ پنجاب میں ہندو اور سکھوں کی تو اچھی خاصی آبادی ہے۔ اور اس کے مقابل مسلمان اتنی اکثریت نہیں رکھتے کہ انہیں تنگ کر سکیں لیکن بعض ایسے صوبے ضرور ہیں جہاں مسلمان آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اور اگر وہ یہ خدشہ ظاہر کریں تو بجا بھی ہو گا کہ سوراج ملنے پر ہمیں ہندو اکثریت کا غلام اور دست نگر بنکر رہنا پڑیگا لیکن کیا وجہ ہے کہ یو۔پی۔ سی۔پی۔ بہار۔ برار۔ آسام وغیرہ نوبت وصوبوں کے قلیل التعداد مسلمان۔ پنجابی ہندوؤں کیطرح اصلاحات کی مخالفت نہیں کرتے +

اگر ایک صوبہ میں مسلمانوں کی اکثریت دیکھ کر سوراج سے انکار کرنا درست ہے

تو کیا اکٹھے نو ہندو صوبوں کے مسلمانوں کو بھی اس قسم کے اندیشے لاحق نہیں۔ اور وہ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب ان ۹ ہندو صوبوں کو مزید اختیارات ملے تو ہماری حالت بد سے بدتر ہو جائیگی۔ اور ہندو اکثریت اقتدار حاصل کرتے ہی ہمیں ذلیل و رسوا کر دیگی۔ لہذا ہمیں سوراج کی ضرورت نہیں۔ اگر ۹ ہندو صوبوں کے مسلمان اس قسم کے الفاظ زبان پر نہیں لاتے تو پنجاب کے چالیس بیالیس فیصدی ہندو اور سکھ کس طرح یہ کہنے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ چونکہ یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اسلئے ہم پنجاب میں کسی قسم کی اصلاحات نہیں چاہتے۔ [۱]

لیکن چونکہ مسلمان حریت پسند۔ آزادی کے خوگر۔ سوراج کے تمنائی اور دور رس اسبات کے خواہشمند ہیں کہ ملک غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو۔ اور اسے بھی آزاد ممالک کی صف میں سربلند ہو کر کھڑا ہونے کا موقعہ ملے۔ اس لئے وہ باوجود اقلیت میں ہونے کے اس قسم کے غلامانہ۔ ٹوڈیانہ اور رجعت پسندانہ خیالات کا اظہار مکروہ اور ملک کے لئے سخت مضر سمجھتے ہیں۔ اور یہ ہندو اقلیت اور مسلمان اقلیتوں کی ذہنیت کا تفاوت ہی اسبات کا روشن ثبوت ہے کہ مادر وطن کے سچے سپوت کہلانے کے مستحق اگر کوئی ہیں تو وہ مسلمان اور صرف مسلمان ہیں نہ کہ وہ لوگ جو زبان سے تو بھارت ماتا کی آزادی کے نعرے لگائیں لیکن جب سوراج نزدیک آتا

---

[۱] ممکن ہے کوئی سکھ بول اُٹھے کہ ہندوؤں کے ساتھ سکھوں کا ذکر کس لئے؟ تو اسے بھی اپنی قوم کے نمائیندہ اخبار کا اعلان پڑھ لینا چاہیئے

پنجاب سائمن کمیٹی کی اس نامنصفانہ سفارش کا ذکر کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کو پنجاب میں ۵۶ کی بجائے ۵۱ فیصدی حقوق ملیں لکھتا ہے کہ

"ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اگر پنجاب کمیٹی کی اکثریت کی سفارشات پر ہی عمل ہونا ہے تو اس سے ہم (سوراج کی بجائے) موجودہ حالت کو بہتر سمجھیں گے" (اکالی اخبار امرتسر ۲۲ جون ۲۹ء)

کیونکہ اس نامنصفانہ اور قطعی غیر عادلانہ تجویز سے بھی سکھوں کے ناجائز اقتدار کو ضعف پہنچا ہے۔ احمدی جو

دیکھیں تو گڑگڑا کر اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ اسے سمندر پار ہی رکھئے۔ ہمیں کسی سوراج کی ضرورت نہیں۔ پنجابی ہندوؤں کی ناجائز وکالت کرنیوالے یہ بھی کہینگے کہ پنجابی ہندو نظر انداز کئے جانے کے قابل ہیں کیونکہ یہ اگر اصلاحات سے انکار کرتے ہیں تو محض پنجاب کے لئے نہ کہ سارے ہندوستان کے لئے۔ اور وہ بھی محض اپنی بے کسی کا خیال کرتے ہوئے۔ جیساکہ ایڈیٹر ملاپ نے بھی انکی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے کہ گورنمنٹ "دوسرے صوبوں کو جو چاہے دے دے"

لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ پنجابی ہندوؤں کی فرضی بے کسی کا خیال کرتے ہوئے ان کی اس بدترین غلامانہ ذہنیت کو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کو ٹوڈی حکومت پرست۔ سوراج کے دشمن کہنے میں سب سے پیش پیش ہی رہتے ہیں۔ اور دوسرے صوبوں کے ہندوؤں سے کہیں زیادہ اپنے آپ کو۔ حب الوطن۔ دیش بھگت اور آزادی کا شیدائی قرار دیتے ہیں۔ جب پنجابی ہندو ہی سب سے زیادہ مسلمانوں کو ہدف طعن بنانے کے مرتکب ہوں تو ایسی حالت میں ان کی غلامانہ فطرت اور ٹوڈیانہ ذہنیت کو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

پنجابی ہندو دوسرے صوبوں کی آزادی بھی نہیں چاہتے

باقی رہا یہ کہنا کہ وہ دوسرے صوبوں کی آزادی کے مخالف نہیں۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ انکو آزادی ملجائے۔ تو یہ کہنا یا لکھنا بھی محض دھوکہ اور فریب ہے۔

بھلا یہ ممکن ہے کہ جو لوگ اپنے صوبہ کی آزادی نہ چاہیں وہ دوسروں کو آزاد دیکھ کر خوش ہونگے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خود تو غلامی کی خواہش کریں۔ اور دوسروں کو آزاد دیکھیں؟ پس یہ کہنا کہ وہ دوسرے صوبوں کی آزادی چاہتے ہیں۔ غلط ہے۔

اگر یہ دوسرے صوبوں کی آزادی برداشت کر سکتے تو انکی طرف سے بنگال.

بلوچستان۔ صوبہ سرحد اور سندھ کی آزادی کے خلاف آواز نہ اٹھتی۔ ان کا پنجاب بنگال۔ سندھ۔ سرحد اور بلوچستان کی آزادی کے خلاف مسلسل واویلا کرنا۔ اور دن رات انکی مخالفت میں شور مچانا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ انہیں دوسرے صوبوں کی آزادی بھی نہیں بھاتی ۔

اگر یہ اپنے قول کے پکے ہوتے۔ اور یہ الفاظ انکے دل سے نکلے ہوتے کہ گورنمنٹ "دوسرے صوبوں کو جو چاہے دیدے" تو اسمبلی میں صوبہ سرحد کی آزادی کا سوال اٹھنے پر یہ لکھ کر اپنی حاسدانہ طبیعت کا اظہار نہ کرتے کہ

سرحدی صوبہ کی آزادی کی مخالفت

"سرحدی صوبہ کو اصلاحات دینے یا نہ دینے کا سوال اسمبلی میں پیش ہے۔ اور اب ۱۸۔ مارچ (سنہ ۲۶ء) کو اس پر بحث ہونے والی ہے۔ ہمیں اصلاحات سے کوئی واسطہ نہیں۔ ملیں یا نہ ملیں۔ لیکن اس میں سرحدی صوبہ کے آریہ ہندو اور سکھ بھائیوں کی زندگی اور موت کا سوال وابستہ ہے۔ اس لئے ہمیں اس سوال سے دلچسپی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ان اصلاحات نے ملک میں مذہبی اور فرقہ دارانہ بے چینی کے بڑھانے میں کافی حصہ لیا ہے۔ اور سرحدی صوبہ ایسے جھگڑوں سے پہلے ہی لبریز ہے۔ یہ اصلاحات تو وہاں بارود میں چنگاری کا کام دینگی۔ اس لئے ہر ایک امن پسند انسان کو ان کی مخالفت کرنی چاہیئے۔"

(آریہ گزٹ ۱۱۔ مارچ سنہ ۲۶ء ص ۶)

ان کا یہ چلا کر ہی کہ اسمبلی میں صوبہ سرحد کی آزادی کا سوال پیش ہونے والا ہے یہ لکھ لکھ کر شور مچانا کہ "اصلاحات وہاں بارود میں چنگاری کا کام دینگی" لہذا "ہر ایک امن پسند کو انکی مخالفت کرنی چاہیئے"۔ انکی غلامانہ فطرت کا اجلی اور بدیہی ثبوت ہے ۔

اگر یہ دوسرے صوبوں کو آزاد دیکھنے کے متحمل ہو سکتے۔ تو صوبہ سندھ کی آزادی کا سوال اٹھنے پر کیوں واویلا کیا جاتا۔ جیسا کہ پرمانند کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے

سندھ کی آزادی کے خلاف پرمانند کا واویلا

”میری رائے یہ ہے کہ سندھ کی علیحدگی کا سوال اب صرف سندھ کے ہندوؤں کا ہی نہیں رہا۔ بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمان لیڈر سندھ کی علیحدگی پر زور دیتے ہیں۔ ویسے ہی تمام ہندوؤں کو زور سے اسکی مخالفت کرنی لازم ہے۔ جبل پور کی ہندو مہاسبھا نے اس کا فیصلہ کر کے تمام ہندوؤں کے جذبات کی نمائندگی کر دی ہے“۔

(ملاپ ۲۱۔ جون ۲۸ء)

بلوچستان کی آزادی کی مخالفت

اگر یہ لوگ دوسرے صوبوں کو آزاد دیکھنے کی برداشت رکھتے تو بلوچستان کی آزادی کے خلاف اس قسم کی مجنونانہ باتیں انکی زبان و قلم سے کیسے برآمد ہوتیں کہ

”بلوچستان اور سندھ فوجی صوبہ جات ہیں۔ انکی آبادی کے تحفظ کے لئے ان کا نیم فوجی رکھا جانا ضروری ہے۔ انکو زیادہ سے زیادہ حق یہ دیا جا سکتا ہے کہ انکو ایک ریگولیشن صوبہ بنا دیا جائے۔۔۔۔۔۔ سندھیوں۔ بلوچستانیوں اور سرحدیوں کی تعلیمی اور مجلسی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ ایک اصلاح شدہ اور آزاد صوبہ کی ذمہ واریوں کے متحمل ہو سکیں“

(ملاپ ۱۲۔ جنوری ۲۸ء ص ۲)

بنگال وغیرہ پانچ صوبوں کی آزادی کے خلاف چیخ پکار

اگر ہندو اقتدار کے خواہاں دوسرے صوبوں کی آزادی کے دل سے متمنی ہوتے تو انکی ترجمانی کرتا ہوا ایڈیٹر ملاپ یہ نہ لکھتا کہ:۔

"اب ہندو ہمیشہ کے لئے اس کھیل کو جاری رکھنا نہیں چاہتے۔ وہ ایسے سوراجیہ کے خواہشمند نہیں جس میں ہندوستان کے حصے بخرے ہو جائیں صوبہ سرحد کوئی لے جائے۔ سندھ پہ کوئی قابض ہو جائے۔ اور بنگال پنجاب پر کوئی تسلط جما لے۔ اور باقی ہندوستان ان سے گھرا ہوا ہمیشہ کا روگ سہیڑ لے ہندو ایسے سوراجیہ پر لات مار دینگے۔" (ملاپ ۲۵۔ مارچ ۲۷ء)

ہندوؤں کے اس ترجمان کا محولہ بالا ایک ایک لفظ اسبات کا مظہر ہے کہ ان نام نہاد "دیش بھگتوں" کو نہ صرف یہ کہ اپنے صوبہ کی غلامی منظور ہے بلکہ یہ دوسرے صوبوں کو بھی آزاد دیکھنے کے روادار نہیں اور چاہتے ہیں کہ جس طرح پنجاب ہمیشہ کے لئے غلام بنا رہے۔ اسی طرح بنگال۔ سندھ۔ صوبہ سرحد۔ اور بلوچستان بھی محکومی کی مصیبت میں ہی گرفتار رہیں۔ ایسا کیوں چاہا جاتا ہے؟ اس لئے اور محض اسلئے کہ ان صوبوں میں مسلمان کو اکثریت حاصل ہے۔ اور ان لوگوں کو اندیشہ ہے کہ اگر یہ صوبے آزاد کر دیئے گئے۔ ان میں اصلاحات جاری ہو گئیں۔ تو نئے کانسٹی ٹیوشن کے ماتحت ہمیں ان پانچ صوبوں میں وہ تمام ناجائز اختیارات واپس کرنے پڑینگے جو مسلمانوں کی غفلت۔ گورنمنٹ کی لاپرواہی۔ اور اپنی فطرتی چالاکی کی بدولت اسوقت تک ہمیں حاصل ہیں۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کا مطمع نظر سوراج نہیں۔ ہندو اقتدار ہے۔ اس لئے ہر اس صوبہ کی آزادی انکی نظروں میں خار کیطرح کھٹکتی ہے جس میں کہ اکثریت تو مسلمانوں کی ہے مگر حاکمانہ اقتدار ناجائز طور پر انکے ہاتھ میں ہے +

پس جو لوگ انکی ناجائز وکالت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ پنجابی ہندوؤں کو دوسرے صوبوں کی آزادی پہ کوئی اعتراض نہیں۔ جھوٹ بولتے اور پبلک کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور اسبات کو چھپاتے ہیں۔ کہ حب الوطنی کا ڈھونگ رچنے والے ہی صحیح معنوں میں غلامی کے عاشق اور ملک کے بدخواہ ہیں۔ اور انہی کی خود غرضانہ چالیں

ملک کو زنجیر غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور انہی کی فرقہ دارانہ ذہنیت کی بدولت بھارت ورش آجتک آزادی سے محروم رہا ہے۔ کیونکہ اگر یہ قدم قدم پر اس قسم کی غلامانہ ذہنیت کا اظہار نہ کرتے۔ بات بات پر اپنے اقتدار کا ہی خیال نہ رکھتے اور ہندو کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ ہندوستانی کی حیثیت سے سوچتے۔ تو انکی زبان و قلم سے نہ اس قسم کی باتیں نکلتیں اور نہ ہی اسوقت تک ہمارا ملک غلامی کی مصیبت میں گرفتار رہتا +

اپنی قوم سے رجعت پسندی کا الزام دور کرنے کے خواہشمند یہ بھی کہینگے کہ پنجابی ہندؤں کو چھوڑو۔ ہم مان لیتے ہیں کہ وہ غلامانہ فطرت رکھتے ہیں۔ لیکن صوبہ سرحد سندھ۔ اور بلوچستان کے ہندو تو پنجابی ہندؤں کی طرح اپنے صوبوں کو اصلاحات سے محروم رکھنا نہیں چاہتے +

بنگال۔ سندھ۔ بلوچستان اور سرحد کے ہندو بھی آزادی کے مخالف ہیں

مگر یہ کہنا بھی حقیقت پر مبنی نہیں۔ کیونکہ جس طرح پنجاب کے ہندو پکے ٹوڈی سوراج کے دشمن اور مسلمانوں کے جائز حقوق پر ناجائز قبضہ جمائے رکھنے کیخاطر اصلاحات سے انکاری ہیں۔ اسی طرح بنگال۔ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان کے ہندو بھی حقیقی سوراج کے خواہاں نہیں۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ اگر ان صوبوں میں اصلاحات جاری ہو گئیں۔ تو انکی بدولت جہاں از روئے انصاف مسلمان اکثریت کو اپنے واجبی حقوق ملنے کی زبردست توقع ہے وہاں ہمارے ناجائز اقتدار میں ضرور رخنہ پڑے گا وہ بھی پنجابی ہندؤں کیطرح اپنے صوبہ کو ایسی آزادی دلائے جانے کے دل سے مخالف ہیں جو وہاں کی اکثریت کو اپنے جائز حقوق سے بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ دے۔ اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔

واقعات کی بنا پر کہا ہے۔ اور سات صوبوں کے ہندوؤں کے اپنے اعلانات کی بنا پر کہا ہی یقین نہ آئے تو گذشتہ چار پانچ سال کے اخبارات اُٹھا کر دیکھ لیجئے معلوم ہو جائے گا۔ کہ بنگال۔ سندھ۔ بلوچستان۔ اور سرحد کے ہندو بھی پنجابی ہندوؤں سے اپنی رجعت پسندی میں کسی طرح کم نہیں۔ اور قارئین کرام میں سے جو اخباری مذاق رکھتے ہیں۔ اور جنہوں نے ہندو لیڈروں اور ایڈیٹروں کی تقریریں اور تحریریں پڑھی ہیں وہ اس امر کی تصدیق کرینگے کہ جس طرح پنجاب کے ہندو۔ آزادی پر ہندو اقتدار کو ترجیح دیتے ہیں +

بنگالی ہندوؤں کی ذہنیت

اسی طرح بنگال کے بھی اکثر ہندو اسی ذہنیت کے مالک ہیں اور وہ بھی ہر اُس سکیم کے دل سے مخالف ہیں جس سے کہ مسلمانانِ بنگال کو انکی آبادی کی نسبت سے حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کا موقعہ ملے۔ مُنہ سے وہ بھی اپنے آپ کو قوم پرست اور دیش بھگت کہتے ہیں۔ مگر دن رات انکی بھی یہی کوشش ہے کہ ملک کا تمام اقتدار اپنے ہی قبضہ میں لایا جائے +

سندھ کے ہندوؤں کی غلامانہ فطرت

اور یہی حال سندھ کے ہندوؤں کا ہے۔ یہ بھی اپنی غلامانہ ذہنیت کے اظہار میں کسی پنجابی ہندو سے کم نہیں۔ زبان سے تو بیشک یہ بھی اپنے آپ کو قوم پرستی کا مدعی۔ سوراج کا حامی اور آزادی کا متوالا بتلاتے ہیں۔ لیکن جب مسلمانانِ سندھ کہیں کہ آؤ! اپنے صوبہ کو دوسروں کی غلامی سے نجات دلائیں۔ تو یہی سندھی ہندو جو دن رات اپنی دیش بھگتی کا ڈھول پیٹتے نہیں تھکتے۔ صاف کنی کترا جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جب سندھ کے مسلمان آواز اُٹھائیں کہ ہمارے صوبہ کو بھی آزادی ملنی چاہیئے تو سندھ کے ہندو اس کے خلاف پوری قوت سے آواز اُٹھاتے ہیں

بلکہ جب زیادہ پریشان ہو جائیں تو خون کی ندیاں بہا دینے کی دھمکی دے بیٹھتے ہیں
پس یہ کہنا کہ اور کسی صوبہ کے ہندو آزادی کے مخالف نہیں۔ غلط ہے۔ اگر دوسرے
صوبوں کے ہندو حریت پسند۔ آزادی کے حامی اور سوراج کے خواہاں ہوتے تو
سندھ کے ہندو اپنے صوبہ کی آزادی میں کیوں مخل ہوتے۔ اپنی تقریروں اور
تحریروں میں اسکی کیوں مخالفت کرتے۔ اپنے جلسوں اور کانفرنسوں میں اس تحریک
کے خلاف کیوں دھواں دھار رزولیوشن پاس کرتے؟

اگر انہیں آزادی سے کوئی دلبستگی ہوتی تو سائمن کمیشن کے پاس جاکر کیوں سندھ
کی آزادی کی مخالفت کرتے[2] ان کا دن رات اٹھتے بیٹھتے۔ سوتے۔ جاگتے۔ چلتے
پھرتے۔ سندھ کی آزادی کے خلاف آواز اٹھانا۔ مظاہرے کرنا۔ کانفرنسیں اور جلسے
منعقد کرنا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں بھی دوسرے صوبوں کے ہندوؤں کیطرح
سوراج نہیں۔ ہندو اقتدار چاہیئے۔ خواہ ملک آزاد ہو یا غلام رہے۔ ہندوستان کو
سوراج نصیب ہو یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انگریزوں کا محکوم بنا رہے۔ کس قدر
حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ یہ لوگ زبان سے تو آزادی آزادی پکارتے ہیں۔
مگر جب دوسری اقوام بھی آزادی کے اثمار میں سے حصہ مانگیں۔ تو یہ آزادی سی ہی

[2] آل سندھ ہندو ایسوسی ایشن کیطرف سے جو یادداشت سائمن کمیشن کیلئے تیار کی گئی تھی۔ بقول ایڈیٹر پرتاپ
"اس میں فرقہ وارانہ نیابت کو اڑانے کا مطالبہ کرنے کے علاوہ علیحدگی سندھ کی زبردست
مخالفت کی ہے۔" (پرتاپ ۱۴۔ نومبر سنہ ۲۸ء)

انکاری ہو جاتے ہیں +

یہی سندھ کے ہندو آج سے چند سال پہلے چیختے تھے۔ چلاتے تھے کہ سندھ کو بمبئی کے چنگل سے آزاد کیا جائے۔ اس کو الگ گورنر۔ الگ کونسل اور الگ اگزکٹو بورڈ دیا جائے۔ تاکہ یہ بھی دوسرے صوبوں کیطرح آزاد کہلائے اور اپنے معاملات کو آپ انجام دے۔ مگر جب دیکھا کہ سندھ کے آزاد ہونے پر ہمارے ناجائز اقتدار پر بھی آجائیگی۔ اور ہم اپنے ہمسایوں کے جسقدر حقوق غصب کئے بیٹھے ہیں وہ انکو واپس دلائے جائینگے تو یہی سندھی ہندو سرے سے آزادی کے ہی مخالف بنگئے اور اعلان کر دیا کہ ہمیں ایسے سوراج کی قطعاً ضرورت نہیں جو سندھ کو آزادی کا پروانہ دلائے اور اسکی طفیل مسلمانان سندھ کو بھی پنپنے کا موقعہ ملے۔ سندھ کے ہندو اگر صحیح معنوں میں دیش بھگت اور قوم پرست ہوتے۔ اگر واقعی انہیں سوراج کی خواہش اور آزادی کی تمنا ہوتی۔ اگر وہ دل سے ملک کو اغیار کی غلامی سے نجات دلانے کے خواہاں ہوتے تو ان سے اس قسم کی غلامانہ حرکات سرزد نہ ہوتیں۔ اور وہ بھولکر بھی کبھی اس قسم کی باتیں زبان پر نہ لاتے کہ ہم موجودہ حالت کو پسند کرتے ہیں اور ہمیں مزید کسی ریفارم سکیم یا اصلاحات کی ضرورت نہیں۔ لیکن چونکہ انہیں سوراج کی نہیں۔ ہندو اقتدار کی تمنا ہے۔ اس لئے وہ نہیں چاہتے کہ ہمارا صوبہ بھی آزاد ہو۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر سندھ کو آزادی مل گئی۔ یہاں نیا دستور اساسی رائج ہو گیا۔ سندھ کا بمبئی سے کوئی تعلق نہ رہا۔ آبادی کی بنا پر ہر ایک قوم کو حکومت میں حصہ لینے کا موقعہ ملا۔ تو ہمیں وہ تمام ناجائز اختیارات مسلمان اکثریت کو واپس کرنے پڑینگے۔ جنکو ہم مسلمانوں کی غفلت اور گورنمنٹ کی لاپرواہی کی بدولت مدت مدید سے ہتیائے بیٹھے ہیں +

اس وقت سندھ میں مسلمانوں کی ۲۵ لاکھ کے قریب آبادی ہے۔ اور اس کے مقابل ہندو ۶-۷ لاکھ ہونگے۔ مگر حالت یہ ہے کہ سندھ میں تعداد ادرائے دہندگی

ہندوؤنکی ۶۷ ہزار اور مسلمانونکی ۵۹ ہزار رہے +

اسی طرح گورنمنٹ کے بھی تمام صیغوں اور دفتروں میں ہندو اقلیت ہی چھائی پڑی ہے - اور مسلمان اکثریت میں ہوتے ہوئے بھی ہر جگہ دھتکارے جا رہے ہیں - لیکن چونکہ نئے دستور اساسی میں ہر ایک قوم کو اسکی آبادی کی بنا پر حقوق ملینگے اس لئے وہاں کے ہندو یہ نہیں چاہتے کہ سندھ بھی آزاد ہو - اور وہاں بھی اصلاحات جاری ہوں - کیونکہ اگر وہاں اصلاحات جاری ہوگئیں - سندھ بمبئی سے الگ ہوگیا تو ایسی حالت میں ہندوؤں کو سندھ میں من مانی کارروائیوں کا موقعہ نہ ملیگا - اور نہ ہی وہ بمبئی کی ہندو اکثریت سے ملکر سندھ کی مسلمان اکثریت کے حقوق بیدردی سے پامال کرسکیں گے +

پس ان لوگوں کا قدم قدم پر ہندو اقتدار کی قائمی و بحالی کی کوشش کرنا اور ہر ایک اس تجویز یا سکیم کے خلاف آواز بلند کرنا جو ملک کو آزادی دلائے - اسبات کی روشن دلیل ہے کہ مسلمان نہیں بلکہ یہی لوگ رجعت پسند - غلامی کے دلدادہ اور پکے ٹوڈی ہیں +

کیونکہ اگر انہیں سوراج کی تمنا ہوتی تو بعض صوبوں میں جہاں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے - اس قسم کی رجعت پسندانہ کارروائیوں کے مرتکب نہ ہوتے اور یہ سمجھ کر ہی خاموش رہتے کہ آخر ۹ ہندو صوبوں میں مسلمان بھی تو اقلیت میں ہیں اور جس طرح وہ ہندو اکثریت کے خلاف کسی قسم کے مظاہرے نہیں کرتے ہم بھی زبان کو قابو میں رکھیں - اور مسلم صوبوں کی آزادی میں روک نہ بنیں - مگر یہ توجب ہوتا کہ انہیں ملک کی بہبودی مقصود ہوتی - جب ان کا نصب العین سوراج نہیں ہندو اقتدار ہو تو ایسی حالت میں کس طرح وہ دوسروں کو اپنے جائز حقوق سے متمتع ہوتے دیکھ سکتے ہیں ؟

پس ان لوگوں کا سوراج سوراج پکارنا محض بناوٹ ہے۔ انہیں سوراج یا آزادی کی مطلقاً تمنا نہیں۔ یہ تو خالص اپنا ہی اقتدار چاہتے ہیں۔ خواہ ملک آزاد ہو یا محکوم رہے۔ ملک کو سوراج حاصل ہو یا اور بھی غلامی میں جکڑا جائے +

بلوچستان کے ہندو بھی آزادی کے مخالف ہیں

رہے بلوچستان کے ہندو۔ سو ان کا بھی وہی خیال ہے جو پنجاب۔ بنگال اور سندھ کے ہندوؤں کا ہے۔ کیونکہ بلوچستان کی قریباً تمام اصل آبادی مسلمان ہے۔ اور اس وقت اس صوبہ میں جسقدر بھی ہندو نظر آتے ہیں۔ قریب قریب سندھ۔ پنجاب اور سرحد سے ہی وہاں گئے ہیں لہذا جو خیالات پنجاب۔ سندھ اور سرحد کے ہندوؤں نے ظاہر کئے وہی ان کے ہیں۔ چونکہ بلوچستان کے ہر صیغہ اور محکمہ میں ہندوؤں کا ہی غلبہ ہے۔ اس لئے وہ اب بھی پنجاب سندھ۔ سرحد کے ہندوؤں کی طرح ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ یہاں بلوچستان میں اصلاحات جاری ہوں اور مسلمان اکثریت اختیارات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر انہیں غاصبانہ قبضہ سے محروم کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نمائندہ (ایڈیٹر پرتاپ) وہاں اصلاحات کے نفاذ کو مضحکہ خیز بتلا کر اپنی کم ظرفی۔ رجعت پسندی اور غلامانہ ذہنیت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

"بلوچستان میں جہاں اس وقت تک ایک بھی میونسپل کمیٹی نہیں۔ مکمل اصلاحات کیسے رائج ہو سکتی ہیں۔ اور یہ مطالبہ بطور خود مضحکہ خیز ہے ..... میرے لئے تعجب کا مقام ہے کہ قابل اشخاص کی ایک کمیٹی (ہندو کمیٹی) ایسے نامعقول مطالبہ کے سامنے سر جھکا سکتی ہے" (پرتاپ ۱۷- دسمبر سنہ ۲۸ء ص ۲۵)

سرحدی ہندو بھی آزادی کے دشمن ہیں

جس طرح بنگال۔ پنجاب۔ سندھ اور بلوچستان کے ہندو آزادی کے اشد ترین مخالف

ہیں۔ اسی طرح صوبہ سرحد کے ہندو بھی اصلاحات کو دل سے ناپسند کرتے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ صوبہ سرحد بھی دوسرے صوبوں کیطرح آزاد ہو۔ اسکی بھی ایک کونسل ہو ایک گورنر ہو۔ اور سرحد کے باشندے اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیکر ملک کو خوشحال بنائیں۔

صوبہ سرحد کے ہندوؤنکی غلامانہ ذہنیت پر دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں مگر چونکہ یہ محدود صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے سرحدی ہندوؤں کے ایک دو اعلان ہی نقل کرنے پر اکتفا کریں گے"

نوشہرہ کی ہندو مہاسبھا کا اعلان

"(۱) نوشہرہ کے ہندوؤں کا یہ بڑا بھاری جلسہ جو کہ مقامی ہندو سبھا کے زیر اہتمام منعقد ہوا ہے اپنی اس پختہ رائے کو قلمبند کرتا ہے کہ اصلاحات مکمل طور یا جزوی طور پر نہ ہی صوبہ سرحد کے لئے مفید ہیں اور نہ ہی قابل عملدرآمد کیونکہ اس صوبہ کے جغرافیائی۔ اقتصادی۔ اور سیاسی حالات۔ خاص قسم کے ہیں۔ بنا بریں گورنمنٹ ہند سے یہ درخواست کیجاتی ہے کہ وہ اس وقت تک اصلاحات کا نفاذ اس صوبہ میں ملتوی کر دے جب تک بہتر اور زیادہ صحت بخش حالات بحال نہیں ہوتے۔"

(۲) قرار پایا کہ فی الحال لوکل باڈیوں میں انتخاب امن عامہ کیخاطر مطلوب نہیں ہے۔ کیونکہ ایک تو اس صوبہ میں ہندوؤں کی اقلیت ہے اور دوسرے رائے دہندگی کو سمجھ سے استعمال کرنے کے لئے کافی ترقی یافتہ نہیں ہے[1]

(ملاپ لاہور۔ ۳۰ جنوری سنہ ۲۶ء ص۶)

---

[1] یہاں اس قسم کی لچر اور پوچ دلیلوں کی تردید کا موقعہ نہیں۔ انشاء اللہ اس سالہ کے تیسرے یا چوتھے حصہ میں ان کا دلائل اور واقعات کی بنا پر پوری طرح قلع قمع کیا جائے گا۔ اور بتلایا جائیگا کہ اصلاحات کی مخالفت میں جسقدر بھی ان لوگوں کی طرف سے دلائل دیجاتی ہیں۔ وہ سب کی سب لغو۔ بیہودہ اور لایعنی ہیں۔ احمدی

یہی نہیں کہ نوشہرہ کے ہندوؤں نے اس قسم کے اعلان کئے۔ بلکہ پشاور۔ کوہاٹ بنوں۔ ڈیرہ جات کے ہندوؤں نے بھی اس قسم کے اعلان شائع کئے۔ خود سائمن کمیشن کے سامنے بھی اس قسم کی غلامانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا گیا۔ جیسا کہ اخبار پرتاپ لاہور کے مندرجہ ذیل اقتباس سے عیاں ہے:۔

سرحد کے ہندوؤں کا سائمن کمیشن کے سامنے اصلاحات کی مخالفت کرنا

اخبار مذکور لکھتا ہے کہ جب ۱۹ نومبر ۲۸ء کو پشاور میں سرحدی ہندوؤں کا مشترکہ وفد زیر قیادت رائے بہادر ٹھاکر دت سائمن کمیشن کے سامنے حاضر ہوا۔ تو پہلے رائے بہادر ٹھاکر دت نے اپنے میمورنڈم کا خلاصہ پڑھا

"جس میں اس صوبہ (سرحدی) میں اصلاحات کی توسیع اور انتخابی طریقہ کی مخالفت کی گئی" اور پھر وفد کے

"ہندوؤں نے نہایت زوردار الفاظ میں یہ مطالبہ پیش کیا کہ اگر فرقہ دارانہ لائنوں پر صوبجاتی آزادی دی گئی تو ہندو اُسے ہرگز منظور نہیں کرینگے۔ ہندو اصلاحات کے خلاف ہیں" (پرتاپ ۲۲ نومبر ۲۸ء)

گول میز کانفرنس کے موقعہ پر بھی اسی مضمون کے تار لنڈن روانہ کئے گئے۔ اور نہ صرف ہندو لیڈروں کو بار بار سرحد کی آزادی کے خلاف اُبھارا گیا بلکہ گورنمنٹ کے ذمہ وار کارکنوں کو بھی اس مضمون کی تاریں بھیج بھیج کر اپنی تاریک ترین غلامانہ فطرت کا ثبوت دیا کہ صوبہ سرحد کو ہرگز ہرگز آزاد نہ کیا جائے +

سرحدی ہندوؤنکی تاریک ذہنیت کا اقرار ایڈیٹر پرتاپ کی قلم سے

اور صوبہ سرحد کے ہندوؤں کی اس ٹوڈیانہ ذہنیت کو دیکھتے ہوئے ہی ایڈیٹر پرتاپ کو بھی مجبوراً یہ اقبال

کرنا پڑا ہے کہ

"سرحد کے مسلمان چاہتے ہیں کہ انکے صوبہ کو وہی اختیارات حاصل ہوں۔ جو دوسرے صوبوں کو ہیں (مگر) وہاں کے ہندو دل سے نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو کچھ ملے" (پرتاپ ۲۱ مارچ سنہ ۲۸ء ص ۶)

اب وہ لوگ جو مسلمانوں کو بلاوجہ متہم کرنے اور انہیں دنیا کی نظروں میں ذلیل و رسوا کرنے کے لئے کہا کرتے ہیں کہ مسلمان ٹوڈی ہیں۔ حکومت پرست ہیں۔ یونین جیک کے پوجک اور آزادی کے مخالف ہیں۔ پنجاب۔ بنگال۔ سندھ۔ بلوچستان اور سرحد کے ہندوؤں کی ذہنیت۔ انکے اعلانات اور غلامانہ کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے بتلائیں تو۔ غلامی کے دلدادہ ہندو ہیں یا مسلمان؟ رجعت پسند اور ٹوڈی کہلائے جانے کے مستحق ہندو ہیں یا مسلمان۔ یونین جیک کے پرستار ہندو ہیں یا مسلمان؟

کیا کوئی ماں کا لال ہمیں بتا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے بھی اس قسم کی غلامانہ ذہنیت ظاہر کی؟ کیا مسلمانوں کی طرف سے بھی اس قسم کے مظاہرے ہوئے۔ کیا مسلمانوں نے بھی اس طور کے ٹوڈیانہ اعلان کئے اور گورنمنٹ پر زور دیا کہ وہ مزید اصلاحات سے اعراض کرے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کس بنا پر مسلمانوں پر جھوٹے بہتان باندھے جاتے ہیں اور انہیں آزادی کا مخالف اور سوراج کا بیری بتلا کر دنیا کی نگاہوں میں رسوا کیا جاتا ہو؟ کیا پنجاب۔ بنگال۔ سندھ۔ بلوچستان اور سرحد کے ہندوؤں کی رجعت پسندانہ ذہنیت۔ اور غلامانہ فطرت کو دیکھتے ہوئے بھی ان کو سرزنش نہ کرنا۔ اور انکی اس طور کی غدارانہ کارروائیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر کے بے وجہ مسلمانوں کو ہی طعنے دینا۔ اور انہیں ملکی حقوق سے محروم کرنے کے لئے ٹوڈی۔ حکومت پرست۔ غدار اور ملک کا دشمن قرار دینا دیانت اور شرافت ہے؟

باقی صوبوں کے ہندو بھی خالص سوراج کے مخالف ہیں

یہی نہیں کہ پنجاب۔ بنگال۔ سندھ بلوچستان اور سرحد کے ہندو ہی اس قسم کی غلامانہ ذہنیت کے حامل ہیں۔ بلکہ دوسرے صوبوں کے ہندو بھی سوراج کی بجائے ہندو اقتدار ہی کے خواہاں ہیں۔ اور وہ بھی پنجاب۔ بنگال۔ سندھ۔ بلوچستان اور سرحد کے ہندوؤں کی طرح یہی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کہیں بھی پنپنے کا موقعہ نہ ملے اور جس طرح بھی ممکن ہو ملک کا تمام انتظام تمام اختیار اور اقتدار ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں رہے۔

ہندو اقتدار کے لئے طرح طرح کی چالیں

یہی وجہ ہے کہ وہ مشترکہ انتخاب پر زور دیتے ہیں۔ اور ہر اس سکیم یا تجویز کی پُرزور مخالفت کرتے ہیں جسکی رُو سے ملک میں جداگانہ انتخاب کا طریق بدستور جاری رہے÷

انکی خواہش ہے کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے کم ہے وہاں کے مسلمان بھی اپنے قلیل ترین حق سے محروم کر دیئے جائیں۔ اور مشترکہ انتخاب کے ذریعہ کسی ایک مسلمان کو بھی کونسل۔ اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ میں نہ آنے دیا جائے۔ اس وقت تو ہندو صوبوں کے قلیل التعداد مسلمان کسی نہ کسی تعداد میں ان صوبوں کی کونسلوں میں نظر آتے ہیں۔ لیکن ہندو اقتدار کے خواہاں انکو بھی پسند نہیں کرتے۔ اور ان کی دن رات یہی کوشش ہے کہ مشترکہ انتخاب کے سسٹم کو جاری کروا کر ان صوبوں کی قلیل التعداد مسلم آبادی کو اُس کے موجودہ استحقاق سے بھی محروم کر دیا جائے÷

فیڈرل نظام یا صوبجاتی آزادی کی بھی اس لئے مخالفت کی جاتی ہے کہ پنجاب۔ بنگال۔ سندھ۔ بلوچستان اور سرحد کی مسلم اکثریت کو اپنے جائز اختیارات کو عمل میں لانے کا موقعہ نہ ملے۔ اور ان صوبوں میں مسلمان اکثریت میں ہوتے ہوئے

بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کی مرکزی حکومت کے غلام بنے رہیں۔ اور ہر جگہ اور ہر صوبہ میں خواہ اس میں مسلمان اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں ہندوؤں کا دَور دورہ رہے۔ اور ملک کا تمام انتظام اور اقتدار ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں آجائے۔ خواہ ملک کو سوراج ملے یا نہ۔ انگریز یہاں سے جائیں یا اسی جگہ رہیں ٭

ہندوؤں کے منتخب نمائندہ کا سوراج کی مخالفت کرنا

اور اپنی ہندوؤں کی ترجمانی کرتے ہوئے سر سنکرن نائر نے سنہ ۲۷ء میں کونسل آف سٹیٹ میں گورنمنٹ پر یہ کہہ کر دباؤ ڈالا تھا کہ

"جب تک ہندو اور مسلمان لیجسلیٹو کونسلوں میں فرقہ وارانہ نیابت کی بنا پر ممبروں کے انتخاب کو نہیں چھوڑتے۔ اس وقت تک ہندوستانی کونسلوں اور اسمبلی کے ممبران کی تعداد میں کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔ اور نہ کچھ نئی اصلاحات دی جائیں۔ اور نہ ہی مزید اختیارات دیئے جائیں حتیٰ کہ ذمہ وار گورنمنٹ قائم کرنے کے لئے بھی مزید کارروائی نہ کیجائے"

(ملاپ لاہور۔ ۲۲۔ مارچ سنہ ۲۷ء ص ۲)

ہندوؤں کے اس منتخب نمائندہ اور ترجمان کے محولہ بالا الفاظ اس بات کے مُنہ بولتے شاہد ہیں کہ ہندو ہرگز ہرگز آزادی یا سوراج کے خواہشمند نہیں۔ خواہ وہ پنجاب کے ہوں۔ یا بنگال کے۔ سندھ کے ہوں یا بلوچستان کے۔ سرحد کے باشندے ہوں یا دوسرے صوبوں کے۔ ان سب[۱] کا نصب العین اور مطمح نظر ایک اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ کسی طرح ہندو اقتدار کو قائم اور بحال کیا جائے۔ اور گورنمنٹ کی اس پالیسی

---

[۱] اُن سب سے مراد وہی ہندو ہیں۔ جو صرف ہندو اقتدار کے خواہاں ہیں۔ نہ کہ وہ بھی جو صحیح معنوں میں سوراج چاہتے ہیں اور دیگر اقوام کو اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کی مخالفت نہیں کرتے کیونکہ ملک میں ایسے شریف ہندو موجود ہیں۔ خواہ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ احمدی مہاجر

کو عملی جامہ نہ پہننے دیا جائے کہ سوراج میں دوسری قومیں بھی اپنی آبادی کی بنا پر سلطنت کے کاموں میں حصہ لینے کی حقدار ہونگی ÷

کیونکہ اگر ان لوگوں کا یہ مطمح نظر نہ ہوتا۔ تو قدم قدم پر اس قسم کی رجعت پسندانہ ذہنیت کا اظہار نہ کرتے۔ ان لوگوں کا بار بار گورنمنٹ پر یہ زور دینا کہ اگر فلاں جگہ یا فلاں صوبہ میں دوسری قوموں کو بھی اصلاحات سے مستفید ہونے کا موقعہ ملا تو ہم اصلاحات سے ہی انکار کر دینگے اسبات کا روشن ثبوت ہے کہ یہ لوگ ہرگز ہرگز سوراج کے متمنی نہیں۔ انہیں تو اپنے ہی تسلط اور اقتدار کی خواہش ہے ÷

ہاں اگر انہیں واقعی سوراج کی خواہش ہوتی اور یہ دل سے آزادی کے طلبگار ہوتے۔ تو کبھی بھولکر بھی اس قسم کی غلامانہ ذہنیت کا اظہار نہ کرتے۔ اور نہ ہی گورنمنٹ پر یہ کہکر دباؤ ڈالتے کہ جب تک دوسری قوموں کو اپنے نمائندے منتخب کرنیکا حق حاصل ہوگا اسوقت تک کسی قسم کی "نئی" اصلاحات نہ دی جائیں۔ اور نہ ہی مزید اختیارات دیئے جائیں۔ حتیٰ کہ ذمہ وار گورنمنٹ قائم کرنے کے لئے بھی کوئی مزید کارروائی نہ کی جائے"

بس ان لوگوں کا ہر جگہ اور ہر موقعہ پر اس قسم کے اعلان کرنا۔ اس امر کی بین دلیل ہے کہ ان لوگوں کو قطعاً سوراج یا آزادی کی تمنا نہیں۔ یہ صدیوں کے غلام آزادی جیسی نعمت کی قدر و قیمت سے قطعی ناواقف ہیں اور انہیں آزادی کی بجائے غلامانہ زندگی ہی پسند ہے۔ اور صحیح معنوں میں یہی ٹوڈی۔ ملک کے بدخواہ اور آزادی کے مخالف ہیں۔ اور انہی لوگونکی بدولت اسوقت ملک سوراج ایسی نعمت سے محروم ہے۔ اور یہی لوگ قدم قدم پر ملک کی آزادی میں روک واقع ہوئے ہیں ÷

ان کا گورنمنٹ کو غاصب اور مسلمانوں کو سوراج کا دشمن بتانا نرا افترا اور بہتان	غاصب گورنمنٹ نہیں یہ ہیں

ہے۔ حقیقت میں غاصب یہی لوگ ہیں جو ہمسایہ اقوام کے حقوق ہتیلئے بیٹھے ہیں[1] سوراج کے دشمن بھی یہی ہیں جو بات بات پر اصلاحات سے انکار کر بیٹھتے ہیں گورنمنٹ کو غاصب کہنا اسوقت زیب دیتا جبکہ اسکی طرف سے اس امر کا اعلان ہوتا کہ ہندوستان کو سوراج نہ دیا جائے گا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی ٹوڈی اور رجعت پسند اسوقت کہا جا سکتا تھا جبکہ وہ اعلان کرتے کہ ہمیں سوراج

ٹوڈی مسلمان نہیں ہندو ہیں

یا جدید اصلاحات کی ضرورت نہیں لیکن جس حالت میں کہ گورنمنٹ بارہا اس امر کا اعلان کر چکی۔ کہ ہندوستان کو سوراج دیا جائے گا۔ اور مسلمان بھی ہمیشہ اسی خواہش کا اظہار کرتے رہے کہ ملک کو آزادی جلد سے جلد ملنی چاہیئے تو پھر کس طرح گورنمنٹ کو غاصب اور مسلمانوں کو آزادی کا مخالف کہا جا سکتا ہے؟

غاصب کا خطاب پانیکے مستحق یہی لوگ ہیں۔ جو کسی صوبہ میں بھی مسلمانوں اور دوسری قوموں کو اپنے جائز حقوق سے متمتع ہونے کے روادار نہیں۔ ٹوڈی۔ ملک کے غدار۔ آزادی کے دشمن۔ اور سوراج کے بیری یہی کہلائے جانیکے مستحق ہیں جو اپنے مُنہ سے کہتے ہیں کہ ہمیں ایسے سوراج یا اصلاحی سکیم کی ضرورت نہیں جو دوسری قوموں کو بھی اپنے جائز حقوق سے بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ دے÷

ہاں ہاں ملک کے بدخواہ اور سوراج کے بیری وہ اور صرف وہ ہیں جو علی الاعلان یہہ کہتے ہیں کہ گورنمنٹ کی طرف سے

"نہ کچھ نئی اصلاحات دی جائیں اور نہ ہی مزید اختیارات دیئے جائیں۔ حتیٰ کہ ذمہ دار گورنمنٹ قائم کرنے کے لئے بھی کوئی مزید کارروائی نہ کی جائے"۔

[1] اس خطاب کے صرف وہی ہندو مستحق ہیں جو دوسروں کو انکے حقوق سے محروم کرنیکے درپے ہیں۔ نہ کہ سب کے سب ہندو۔ جن میں بعض نہایت شریف الطبع انصاف پسند مسلمانوں کے ہمدرد۔ اور ملک کے سچے بہی خواہ بھی ہیں۔ (احمدی مہاجر)

اگر مسلمان سوراج کے مخالف اور آزادی کے دشمن ہوتے تو ان کی طرف سے بھی اس قسم کا اعلان ہونا چاہیئے تھا کہ ملک کو

"بجائے اس کے کہ مزید اصلاحات دیجائیں۔ پُرانی اصلاحات سے بھی محروم کر دیا جائے۔ پنجاب (وغیرہ کی) کونسل کو توڑ دیا جائے۔ وزارتوں کا خاتمہ کر دیا جائے" (تیج)

لیکن یہ کیا بات ہے کہ اس قسم کے اعلان مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ ہندوؤں کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اگر واقعی مسلمان غلامانہ فطرت رکھتے تو وہ بھی اس امر کا اعلان کرتے کہ

"سارے ہندوستان یا پنجاب کیطرف سے یہ آواز بلند کیجائے کہ ہمیں اصلاحات درکار نہیں ہیں" (ملاپ)

مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس قسم کے اعلان مسلمانوں کیطرف سے نہیں۔ بلکہ اس گروہ کیطرف سے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو دیش بھگت۔ اور دوسروں کو غدار۔ ٹوڈی۔ حکومت پرست اور سوراج کا دشمن کہنے سے نہیں تھکتا۔

پس جبکہ ان کا اندرونہ ظاہر ہوگیا۔ ان کے منصوبے طشت از بام ہوگئے اور چالبازیاں کھل گئیں۔ اور دنیا نے انکی دیش بھگتی کی اصل حقیقت جان لی تو ایسی حالت میں صاحب فہم اصحاب کس طرح انہیں حب الوطن۔ دیش کے خادم اور سوراج کے شیدائی تسلیم کر سکتے ہیں۔ اور کس طرح انکے دعویٰ ہائے آزادی سے متاثر ہو کر انہیں آزادی کا پوجاری۔ ملک کا ہتیشی۔ بہی خواہ۔ اور سچا ہمدرد سمجھ سکتے ہیں۔

کیا جو لوگ قدم قدم پر اپنی غلامانہ فطرت کا اظہار کریں۔ بات بات میں اپنی رجعت پسندی کا ثبوت دیں وہ دیش بھگت اور محب الوطن کہلانے کے مستحق قرار دیئے جا سکتے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔

طعنے بازوں کو نصیحت

ان لوگوں کو آئندہ کے لئے یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اب اس قسم کی چالبازیوں سے پرہیز کریں۔ اب دُنیا ان کے داؤ میں نہیں آسکتی اب یہی بہتر ہے کہ وہ اس قسم کی طعن بازی سے اعراض کریں۔ اور دوسروں کو بیوجہ متہم کر کے اپنی رسوائی کا مزید سامان پیدا نہ کریں +

کانگرسی مسلمانوں سے گذارش

آخر میں ہم اپنے کانگرسی مسلمان بھائیوں سے بھی عرض کرینگے کہ وہ ان لوگوں کی چالبازیوں کو سمجھیں۔ اور ان کے داؤں میں نہ آئیں کیونکہ ان کا اپنے آپ کو دیش بھگت اور مسلمانوں کو سوراج کا دشمن بتلانا محض دھوکہ۔ فریب اور چال ہے۔ اور اس طرح وہ مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ پس جو شخص انکے نعرہ ہائے آزادی سے متاثر ہوتا ہے وہ فریب خوردہ ہے اور اسے چاہیئے کہ جلد سے جلد اس فریب سے نکل آئے۔ کیونکہ ان کے دعوے نرے پُرے دعوے ہیں جن میں کچھ بھی حقیقت نہیں۔ یہ لوگ آزادی سے کسی قسم کی دلبستگی نہیں رکھتے۔ انہیں سوراج کی نہیں ہندوراج کی ضرورت ہے۔ اور انکی قانون شکنی۔ نمک سازی اور بم بازی حصول سوراج کے لئے نہیں بلکہ ہندو اقتدار کی قائمی و بحالی کے لیے ہی۔ یہ گورنمنٹ کی اس لئے مخالفت نہیں کرتے کہ وہ ملک کو آزادی نہیں دیتی بلکہ انکی مخالفت کا اصل باعث یہ ہے کہ گورنمنٹ حکومت کے کاموں میں دوسری اقوام کو بھی کیوں حصہ دار بنانے کی ہوئید ہے۔ کیونکہ اگر انکی مخالفت کی یہ وجہ نہ ہوتی تو یہ ایسی اصلاحات کی ہرگز مخالفت نہ کرتے جن میں مسلمانوں کو بھی کسی قدر حقوق حاصل ہونے تھے۔ انہیں اگر سوراج کی سچی تڑپ ہوتی۔ اور یہ ملک کو آزاد کروانے کی حقیقی خواہش رکھتے۔ تو یہ لوگ مسلمانوں کو انکے جائز حقوق ملتے دیکھ کر رنجیدہ نہ ہوتے۔ ان کا ہر اس سکیم کے خلاف واویلا کرنا اور گورنمنٹ کو نئی اور پُرانی

اصلاحات واپس لے لینے کا مشورہ دینا اس امر کا روشن ثبوت ہے کہ ان لوگوں کو آزادی یا سوراج کی تمنا نہیں۔ یہ تو صرف ہندو اقتدار چاہتے ہیں۔ خواہ ملک آزاد ہو یا غلام رہے۔ انگریز اپنی حاکمانہ گرفت ڈھیلی کر دیں یا اور مضبوط کر لیں ہمیں امید ہے کہ مسلمان کانگریسی ان لوگوں کی اصل ذہنیت سے واقف ہو جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ انکی دیکھا دیکھی اپنی قوم کو ٹوڈی۔ حکومت پرست اور ملک کا غدار کہنے سے پرہیز کرینگے۔ بلکہ ان نام نہاد دیش بھگتوں کے آلۂ کار بننے سے بھی انکار کر دینگے اور جب تک ان لوگونکی ذہنیت میں نمایاں اور حقیقی تبدیلی نہ پیدا ہو ان کی ہر ایک سیاسی تحریک سے کنارہ کشی اختیار کرینگے۔ کیونکہ ہم نے دلائل اور واقعات بلکہ خود انہی لوگونکی تحریروں اور تقریروں سے ثابت کر دیا ہے کہ حقیقت میں مسلمان نہیں بلکہ یہی لوگ پکے ٹوڈی۔ رجعت پسند۔ اور ملک کے بدخواہ ہیں اور انہی کی فرقہ وارانہ ذہنیت نے ملک کو آج تک سوراج سے بے نصیب بنائے رکھا ہے اور یہی اپنی کم ظرفی و تنگدلی کے باعث ملک کو آزادی جیسی نعمت سے بہرہ اندوز نہیں ہونے دیتے۔ اور انہی کی رجعت پسندانہ اور تنگدلانہ حرکات کو دیکھ دیکھ کر گورنمنٹ ہندوستانیوں کو آزادی کا پروانہ دینے میں متامّل ہے۔ اور ان کا مسلمانوں کو ٹوڈی۔ آزادی کا مخالف اور سوراج کا دشمن بتانا محض اسلئے ہے کہ کسی طرح دنیا کی آنکھوں میں خاک ڈالکر مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کر دیا جائے ❖

شریف الطبع ہندوؤں سے درخواست

اسکے بعد ایک بات ان شریف النفس اور انصاف پسند ہندوؤں سے بھی کہنا چاہتے ہیں جو واقعی محب وطن۔ دیش بھگت اور ملک کو آزادی دلانے کی سچی خواہش رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ان تنگدل۔ کم ظرف اور بے راہ رو بھائی بندوں کو سمجھائیں کہ یہ تنگدلی کو چھوڑ کر فراخ حوصلگی سے کام لیں۔ اور خالص اپنے اقتدار کا خیال چھوڑ کر ہر ہندوستانی

کے اقتدار اور آزادی کی فکر کریں۔ چونکہ دوسروں کے حقوق غصب کر کے ساری قوت اپنے ہاتھ میں رکھنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مستحسن۔ اس لئے اس خواہش کو دل سے نکالدیں تاکہ حصول سوراج میں سبھی قومیں کوشش کریں۔ اور ہمارا ملک جلد سے جلد اپنی قدیم شان و شوکت حاصل کر کے دنیا میں پھر سربلند ہو سکے

کیا گورنمنٹ ہندوؤں کی مخالف اور مسلمانوں کی طرفدار ہے؟

ہندو راج کے متمنیوں کی ذہنیت سے واقف ہونے کے باعث ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ محولہ بالا دلائل اور واقعات کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی یہ کہنے سے باز نہ آئینگے کہ اگر واقعی مسلمان حریت پسند۔ آزادی کے حامی اور سوراج کے متمنی ہیں تو پھر گورنمنٹ کیوں انہی کا دم بھرتی ہے؟ گورنمنٹ تو ہمیشہ انہی کی طرفداری کرتی ہے جو اس کے اقتدار میں مدد دیں نہ کہ انکی جو اس کے قیام ہی کو دشوار تر بنا دیں۔ چونکہ گورنمنٹ مسلمانوں کی طرفدار اور ہندوؤں کی مخالف ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ حریت پسند۔ آزادی کے دلدادہ اور سوراج کے حامی مسلمان نہیں صرف ہندو ہیں۔ اور ایسی حالت میں صرف ہندو ہی اصلاحات سے فائدہ اٹھانے کے مستحق ہیں۔ کیونکہ وہی گورنمنٹ کی ناراضی اور عتاب کے مورد بنے اور نقصان اٹھایا۔ اور اب جدید اصلاحات کے ماتحت ہندوستانیوں کو جو کچھ بھی ملنے والا ہے اس کے حقیقی مستحق صرف ہندو ہیں +

ہر چند کہ اس قسم کی پھسپھسی اور بیہودہ دلیل بازی اس لائق نہیں کہ اس کے جواب میں کچھ لکھا جائے۔ کیونکہ خود اس قسم کے تھوتھے اور ذلیل اعتراض کرنے والوں کے دل بھی انہیں لغو اور بے بنیاد سمجھتے ہیں۔ مگر چونکہ ان لوگوں کو ہر وقت اپنے ہی اقتدار کی دھن

ہے۔ اور نہیں چاہتے کہ کوئی دوسری قوم بھی اپنا جائز حق حاصل کرے۔ اس لئے حق و صداقت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دن رات اسی قسم کے غلیظ اور جھوٹے پروپیگنڈے میں منہمک رہتے ہیں جس سے ان کا صرف یہی مقصد ہے کہ کسی طرح گورنمنٹ انکی طعن بازی سے مرعوب ہو کر مسلمانوں کو ان کے جائز حق سے محروم کرے۔ اور ان کے شور و غل اور ایجی ٹیشن سے گھبرا کر سوراج کی چابی انہی کے ہاتھ میں دیدے تاکہ یہ بلا غل و غش من مانی کارروائیاں کر سکیں اور ہندو راج کی راہ میں کوئی جماعت روک نہ بن سکے +

مگر ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ انکی یہ چالبازیاں اور داؤں پیچ اب کام نہ دینگے اب وہ دن گئے کہ اس قسم کے طعن و تشنیع سے انگریز مرعوب ہو جائینگے۔ اور گورنمنٹ انہیں مسلمانوں کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ جمائے رکھنے کی اجازت دیدیگی۔ اب نہ صرف یہ کہ گورنمنٹ ان کے اس ذلیل اور مکروہ پروپیگنڈے سے واقف ہو چکی ہے بلکہ باقی دنیا بھی ان کے جھوٹے اور لغو پروپیگنڈا سے آگاہ ہوتی جاتی ہے اور اسے انکی ریشہ دوانیوں اور دلی مقاصد کا علم ہوتا جا رہا ہے اور وہ سمجھنے لگ گئی ہے کہ ہندو راج کے تمنائی اس قسم کی باتیں کیوں زبان پر لاتے اور گورنمنٹ و مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں + ہمیں تعجب آتا ہے کہ یہ لوگ کس طرح اس قسم کی بے بنیاد باتیں دوہرا کر دنیا کی آنکھوں میں خاک دھول ڈال سکتے ہیں۔ جبکہ وہ گورنمنٹ اور ہندوؤں کے تعلقات سے کماحقہ واقف و آگاہ ہو گئی ہے۔ اور اسے علم ہو چکا ہے کہ گورنمنٹ نے اگر ہندوستان میں کسی قوم کی طرفداری کی تو وہ ہندو قوم ہے۔ گورنمنٹ نے اگر کسی قوم کی حوصلہ افزائی کی اور اسے نوازا تو وہ ہندو قوم ہے۔ گورنمنٹ نے اگر کسی جماعت کو اپنا منظور نظر۔ مقرب اور عنایات کا مستحق گردانا۔ تو وہ صرف ہندو قوم ہے۔ ہاں گورنمنٹ کی نوازشوں۔ عنایتوں۔ رعائتوں اور احسانوں کی مورد اگر کوئی قوم بنی تو وہ ہندو اور صرف ہندو قوم ہے +

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کس بنا پر گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرفدار اور ہندوؤں کی

مخالف بتاتے ہیں۔ اور ان کے پاس وہ کونسے دلائل ہیں جنسے گورنمنٹ کو مسلمانوں کی حامی اور ہندوؤں کی دشمن ثابت کر سکیں +

ہم انہی لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر گورنمنٹ مسلمانوں کی طرفدار تھی تو بنگال کا وسیع و زرخیز علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ سے کیوں چھین لیا گیا؟ اگر گورنمنٹ ہندوؤں کی دشمن اور مسلمانوں کی حامی تھی تو اس نے بہار۔ اڑیسہ۔ کرناٹک اور اودھ کے طویل و عریض ہاں سرسبز و شاداب خطوں سے مسلمانوں کو بے دخل کر کے کیوں اپنا قبضہ جمایا؟

اگر گورنمنٹ ہندوؤں کی بیری اور مسلمانوں کی طرفدار تھی تو میسور۔ مالابار۔ برار۔ جھجر اور کرنال کی اسلامی ریاستیں آج ہندوؤں اور انگریزوں کے قبضہ میں کسطرح آگئیں؟

اگر واقعی گورنمنٹ مسلمانوں کی طرفدار تھی تو بتلاؤ تو سہی سندھ۔ بلوچستان۔ ڈیرہ جات اور صوبہ سرحد کے اسلامی علاقوں میں اسلامی سیادت کی بجائے آج انگریزی حکومت نظر آتی ہے؟

اگر گورنمنٹ ہندوؤں کی دشمن اور مسلمانوں کی طرفدار تھی تو آج بیسیوں نہیں سینکڑوں ہندو ریاستیں اس ملک میں نظر آتیں؟ کیا اسلامی ریاستوں اور علاقوں پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانا اور اس کے مقابل سینکڑوں کی تعداد میں ہندو ریاستوں کا دکھائی دینا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی طرفدار اور ہندوؤں کی دشمن ہے؟

جب یہ لوگ انگریزوں اور مسلمانوں کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے خود ہی بتلاتے ہیں کہ

"غدر ۱۸۵۷ء کے زمانہ میں ہندوستان اور انگلستان کے انگریزوں کی چیخ و پکار یہی تھی کہ اسلام کو فنا کر دو"۔[۱]

اور ساتھ ہی یہ بھی سناتے ہیں کہ

---

[۱] مشہور ہندو فاضل میجر ڈی باسو کا مضمون از روزانہ تیج دہلی۔ ۷ ستمبر ۲۵ء ص ۲

"حقیقت میں لارڈ النبرا گورنر جنرل ہند ۱۸۴۲ء ہی میں اس پالیسی کا آغاز کر چکا تھا۔ اس کا حکم تھا کہ ہلالی مسلمانوں کو ہمیشہ نیچا دکھاتے رہو۔ انہیں ہرگز ابھرنے نہ دو۔ کسی طرح انکی ہمت افزائی نہ کی جائے" ۱ے

تو پھر کس طرح گورنمنٹ پر مسلمانوں کی طرفداری کا الزام لگایا جاسکتا ہے؟ جس حالت میں کہ تمہارے اپنے ہی ایک ہندو فاضل کا اقرار موجود ہے کہ کابل اور غزنی کی فتح کے موقعہ پر شملہ سے لارڈ النبرا نے ولایت میں ڈیوک آف ویلنگٹن کو لکھا تھا کہ

"مجھے اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے ۲ے کہ وہ خاص لوگ جنکی گذر ہماری ہی روٹی کے ٹکڑوں پر ہے۔ وہ دل سے ہمارے بدخواہ تھے۔ بخلاف اس کے ہندو ہماری فتح پر اظہار شادمانی کر رہے ہیں۔ جب ہمیں ان مسلمانوں کی دشمنی کا یقین کامل ہے۔ جنکی تعداد ۱/۱۰ ہے پھر کیوں نہ ہم اس قوم (ہنود) کا ساتھ دیں جسکی تعداد ۹/۱۰ ہے جو ہماری وفادار ہے" ۳ے

تو ایسی حالت میں گورنمنٹ کو ہندوؤں کا دشمن اور مسلمانوں کا طرفدار بتانا کچھ بھی حقیقت رکھتا ہے؟ جب ہندو راج کے حامیوں کے ودوان آپ ہی بتلاتے ہیں کہ

"اس طرح ۱۸ جنوری ۱۸۴۳ء کو لارڈ النبرا (وایسرائے ہند) نے ڈیوک آف ولنگٹن کو پھر لکھا تھا کہ "میں اپنے اس عقیدہ کے خلاف کیسے آنکھیں بند کرلوں کہ مسلمانوں کی یہ نسل دیوانہ وار ہماری دشمن ہے اور اس لئے ہماری سچی پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ مہربانی کی جائے"" ۴ے

تو کیا ان حقائق کی موجودگی میں گورنمنٹ پر ہندوؤں کی دشمن اور مسلمانوں کی طرفدار ہونے کا طعن ہو سکتا ہے؟

۱ے مشہور ہندو فاضل میجر ڈی باسو کا مضمون از روزانہ تیج دہلی، ۲۵ ستمبر ۲۵ء ص ۲۔ ۲ے ہمارے خیال میں لارڈ النبرا کی رائے کو مسلمانوں کے خلاف کرنے والے بھی درپردہ ہندو راج کے تمنائی ہی تھے۔ اور یہ انہیں کے کاٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ احمدی مہاجر۔ ۳ے ایضاً ۴ے ایضاً۔

یہ تاریخی صداقت ہے۔ کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بانی ہندو تھے[۱] اور انہی کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی بدولت بعض مسلمان ان کے شریک کار بنے۔ اور سب سے پہلے جس علاقہ میں غدر کی وبا پھوٹی وہ ہندو علاقہ تھا۔[۲] اور اس فتنہ کو فروغ دینے والے بھی اکثر و بیشتر ہندو تھے۔ مگر نتیجہ کیا نکلا؟ کیا اس کا خمیازہ ہندوؤں کو بھگتنا پڑا یا مسلمانوں کو؟ گورنمنٹ کے معتوب ہندو ہوئے یا مسلمان؟ گورنمنٹ کے ہوا خواہ مسلمان قرار دیئے گئے یا ہندو؟ اگر اس کے متعلق کچھ معلوم کرنا ہو تو اخبار تیج کا مندرجہ ذیل بیان پڑھیے۔ جس سے معلوم ہو جائے گا کہ کہاں تک گورنمنٹ پر ہندوؤں کی دشمنی اور مسلمانوں کی طرفداری کا الزام لگ سکتا ہے؟ +

"۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کے حالات کا مطالعہ کیجئے تو پتہ چلے گا کہ حکومت مسلمانوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اس بات کی کوشش کرتی تھی کہ جہانتک ہو سکے انہیں دبا کر رکھا جائے۔"

اور اس کے بالمقابل

"ہندوؤں کو ان دنوں اچھی نظر سے دیکھا جاتا تھا" (تیج ۱۰ جون ۱۹۲۷ء)

ہندو راج کے متمنی بتلائیں تو کیا ان روشن حقائق کی موجودگی میں بھی گورنمنٹ کو مسلمانوں کا طرفدار کہہ کر اسے اس بات پر آمادہ کرو گے کہ وہ مسلمانوں کے حقوق سے بے پرواہ ہو کر سبھی کچھ ہندوؤں کے حوالہ کر دے؟

---

[۱] اس کے متعلق انگریز محققین کی تحقیق ہمارے رسالہ "ہندو راج کے منصوبے" حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ احمدی

[۲] سوامی رامانند سنیاسی نے اخبار تیج میں تسلیم کیا ہے کہ

"توہمات اور بندھنوں میں پھنسی ہوئی ہندو جاتی پر مغربی مادی طاقت اور نئی نئی چیزوں کا جو اس طاقت کی لوازمات تھیں زیادہ اثر بہ نسبت مسلمانوں کے ہوا۔ جس کا نتیجہ غدر ہوا۔ جس علاقہ میں (غدر) پھیلا اور شروع ہوا۔ وہ تمام زیادہ تر ہندو علاقہ تھا۔" تیج دہلی ۲۰، ۲۳ دسمبر ۱۹۲۶ء

"گورنمنٹ پر ہندوؤں کی دشمنی اور مسلمانوں کی طرفداری کا الزام لگانے والو! ذرا ایڈیٹر ملاپ کا بھی مندرجہ ذیل بیان پڑھ دیکھو لکھا ہے کہ

"جن لوگوں نے ۱۸۵۷ء کا غدر دیکھا ہے وہ بوڑھے بتلاتے ہیں کہ انگریزی سرکار ہندوؤں کی پوری طرفدار تھی" اور برعکس اس کے

"مسلمانوں کے برخلاف تھی اور سمجھتی تھی کہ ان میں سے بہتیرے امن پسند نہیں"

(ملاپ ۱۱- اکتوبر ۲۷ء صہ ۲)

ساتھ ہی اس کے میجر بی ڈی باسو کا یہ فقرہ بھی پڑھ جاؤ! کہ

"برطانوی حکام کی نظر عتاب مسلمانوں پر چوتھائی صدی تک رہی[1]۔ اور کسی بھی اینگلو انڈین حاکم نے اس زمانہ میں ہندوستان کے کسی علاقہ میں بھی مسلمانوں کو اپنی چہیتی بیگم بنانے کا خیال نہیں کیا تھا" (تیج ۲ ستمبر ۲۵ء صہ ۲)

اور اس کے بعد ایڈیٹر تیج کے مندرجہ ذیل الفاظ بھی پڑھ دیکھو! معلوم ہو جائے گا کہ گورنمنٹ کہاں تک ہندوؤں کی دشمن اور مسلمانوں کی طرفدار تھی۔ لکھا ہے کہ غدر کے بعد چونکہ گورنمنٹ (ہندوؤں کی بدولت)

"مسلمانوں سے نالاں تھی۔ اس لئے اُس وقت ہندوؤں کی گُڈی آسمان پر چڑھی ہوئی تھی۔ اور بہت سے سادہ لوح ہندو سمجھتے تھے کہ انگریزوں کا راجیہ کیا آیا سمجھو کہ ہندوؤں کا راجیہ ستھاپت (قائم) ہو گیا"

(تیج ۱۱- مئی ۲۸ء صہ ۲)

اگر فی الواقعہ گورنمنٹ ہندوؤں کی دشمن اور مسلمانوں کی طرفدار ہوتی۔ تو ایڈیٹر تیج

[1] برطانوی حکام کی نظر عتاب مسلمانوں پر کیوں رہی؟ اس کے متعلق ہم کسی اور جگہ بتلائینگے۔ اور ان اسباب پر روشنی ڈالینگے جو اس عتاب کا باعث تھے۔ مگر یہاں اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے بعض حاکموں کی طرف سے جس قسم کی پالیسی اختیار کیگئی اور مسلمانوں کو ضعف پہنچانا چاہا۔ اسکی ذمہ داری ساری برٹش قوم پر نہیں ڈالی جاسکتی۔

کبھی یہ لکھ سکتا تھا کہ گورنمنٹ کی ہندو نواز پالیسی کو دیکھتے ہوئے اسوقت ہندو یہی سمجھتے تھے کہ

"انگریزوں کا راجیہ گیا آیا سمجھو کہ ہندوؤں کا راجیہ ستھاپت (قائم) ہو گیا"

اگر گورنمنٹ مسلمانوں کی طرفدار ہوتی۔ اور ان سے رعائتیں کرتی۔ تو اس "مسلم نواز گورنمنٹ" کے معتمد ارکان اپنی رپورٹوں میں اس قسم کے فقرے لکھ سکتے تھے؟ جیسا کہ مسٹر آرنلڈ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی تعلیمی رپورٹ (۱۸۵۶-۵۷ء) میں نظر آتے ہیں کہ

"نقشہ جات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدارس میں مسلمان طلبا کا بہت بڑا غلبہ ہے۔ ہر ایک امر ہے جو ہمارے پیش نظر ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیشہ معلمی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ میں یہ خیال کرنے پر مجبور ہوں کہ مسلمانوں کے مدرسوں میں فارسی زبان سیکھنے کے لئے اسقدر ہندو طلبار کی اعتمادی موجودگی ایک بہت قابل توجہ امر واقعہ ہے۔ میں یہ بھی خیال کرنے کے لئے مجبور ہوں کہ پنجاب میں مذہب اسلام کی مسلسل اشاعت تا حدے اس فائدہ کے سبب سے ہے جو مسلمان معلموں نے اس اعتماد سے اٹھایا ہے۔ میں یقیناً دیکھتا ہوں کہ معاملات کا قدرتی رجحان اگر ان کو اپنے آپ پر چھوڑا جائے۔ یہ ہے کہ گورنمنٹ کا تمامی اقتدار تعلیم کے بارے میں مسلمانوں کی جانب چلا جائے۔ یہ ایسا رجحان ہے جسکی بابت بہت روک تھام کرنی چاہیئے" ہ (پیسہ اخبار لاہور - ۱۱ مئی ۱۹۱۷ء ص ۳)

گورنمنٹ پر مسلم نوازی کا طعن کرنے والے مسٹر آرنلڈ کے ریمارکس کے بعد کپتان فلر صاحب کی مرتبہ تعلیمی رپورٹ سے بھی مندرجہ ذیل فقرات پڑھ لیجیں۔ سررشتہ تعلیم پنجاب کی تعلیمی رپورٹ بابت ۱۸۶۰-۶۱ء میں لکھا ہے کہ پنجاب کی

"ان درسگاہوں سے جو اساتذہ سندیں لے کر نکلتے ہیں۔ ان میں مسلمانوں کا

غلبہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ان میں ۴۳ مسلمان ۱۱۱ ہندو اور ۶ دیگر اقوام کے مدرس ہیں۔ اس تناسب کو جلد درست کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ انبالہ سرکل کو چھوڑ کر باقی سب جگہ ورنیکلر تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور جب تک مسلمان مدرس ہر دلعزیز ہیں ہم ان کے غلبہ کو دور نہیں کر سکتے۔ ڈسٹرکٹ آفیسر ہندوؤں کو معلمی کی تعلیم کا شوق دلا دلا کر اور انہیں ایسے سکولوں میں مقرر کر کے جہاں کے لوگ مسلمان اساتذہ کے اتنے شائق نہیں۔ اس امر کا راستہ تیار کر سکتے ہیں"

(رپورٹ کپتان فلر بابت سال ۶۱-۱۸۶۰ء پیرا ۴۵ از انقلاب ۱۴-اکتوبر ۲۸ء)

پھر یہی کپتان صاحب دوسری جگہ لکھتے کہ :-

"ان درسگاہوں میں مسلمان اور ہندو اساتذہ کا تناسب تا حال تین اور ایک ہے صرف دہلی ڈویژن میں ہندوؤں کا غلبہ ہے۔ میں بڑی شدت سے اس امر کا خواہاں ہوں کہ ورنیکلر سکولوں کے ٹیچر اس مذہب کے پیرو ہوں۔ جس مذہب کے پیرو طلبہ کی اکثریت ہے مجھے یقین ہے کہ ڈسٹرکٹ آفیسر اس امر کا خیال رکھیں گے کہ تعلیمی پیشہ سے مسلمانوں کے عنصر کو کم کرنا ہے۔ اور جہاں ٹیچروں کے تقرر کا موقعہ ہو۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے"

(رپورٹ کپتان فلر صاحب بابت ۶۳-۱۸۶۲ء پیرا ۴۵ از انقلاب ۱۴-اکتوبر ۲۸ء)

مسٹر آرنلڈ اور کپتان فلر کے محولہ بالا الفاظ اسقدر صاف اور واضح ہیں کہ ان پر اپنی طرف سے کسی قسم کی حاشیہ آرائی محض تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ محولہ فوق اقتباسات کا ایک ایک لفظ آپ اپنی تفسیر کر رہا ہے۔ اور بتا رہا ہے کہ مسلمانوں کو صوبہ پنجاب کے سرکاری محکموں سے کس طرح آہستہ آہستہ خارج کر کے انکی جگہ ہندوؤں کو بھرتی کیا گیا۔ اور اسلامی عنصر کو کم کرنے کے لئے کس طرح آفیسروں کو تحریک کی گئی اور کس طرح ہندوؤں کو نوازتے ہوئے ہر جگہ اور ہر محکمہ میں ان کا تسلط قائم کر دیا

مسلمانوں کے ساتھ صرف محکمۂ تعلیم میں ہی اس قسم کا سلوک روا نہیں رکھا گیا بلکہ دوسرے بھی جتنے سرکاری صیغے تھے۔ ان سب میں مسلمانوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا گیا +

یہ تو تھی پنجاب کی حالت۔ اب مسلمانان بنگال کی سرگذشت بھی سن لیجئے بنگال کے مشہور مسلمان لیڈر سر عبدالرحیم اپنے خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ میں حقائق وواقعات کی بنا پر بتلاتے ہیں کہ

"ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں بھی بنگال کی اراضی کے بہت بڑے حصہ پر مسلمان جاگیردار۔ انعام دار۔ اور زمیندار قابض تھے اور ملکی نظم ونسق میں بھی عملہ کا عملہ مسلمانوں کا تھا۔ دیوان۔ صدر الصدور۔ مفتی۔ قاضی۔ مولوی۔ صدر اعلیٰ۔ صدر امین کوتوال۔ حتیٰ کہ عملے کے محرر۔ نقل نویس۔ منشی وغیرہ سارے صوبہ میں مسلمان ہی تھے تعلیم عام تھی۔ اور میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اسوقت کی تعداد موجودہ زمانہ سے زیادہ تھی۔......... ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمت عملی میں سب سے پہلی تبدیلی یہ ہوئی کہ جونہی انکی فوجی سیادت بنگال میں مستحکم ہوگئی۔ فوراً فوج میں مسلمانان بنگال کی بھرتی بند کردی گئی۔ اور جب فوج سے مسلمانان بنگال کو از سرتا پا خارج کردیا گیا۔ اور سارے خطہ پر ہر شعبہ میں خالص مسلمان افسروں سے کام لیکر ملک کے لگان اور محصولات۔ عدالتوں۔ اور پولیس کے انتظامات پر بخوبی قابو پالیا گیا۔ تو کورٹ آف ڈائرکٹرز نے مخالفت کے باوجود اپنی مکمل حکمت عملی کو بدل ڈالا۔ فارسی اور اُردو کی جگہ انگریزی و بنگالی زبانوں میں دفتری کاروبار کا نادر شاہی فرمان جاری کردیا گیا۔ پھر کیا تھا۔ ایک ہی نسل کے نامسعود زمانہ کے اندر اندر مسلمان کوڑے کرکٹ کی طرح بیکار ہوگئے۔ اور ہر طرف سے بیدخل کردیئے گئے۔ اگرچہ اس کی وجہ انتظامی ضرورت بیان کیگئی۔ مگر ظاہر ہے کہ اس تباہ کن اقدام کے پس پردہ سیاسی اغراض موجود تھیں (آہ ہماری تباہی کا

یہیں خاتمہ نہیں ہوتا) آگے چلکر بنگال میں "وہابی تحریک" کے اجرا کے سلسلہ میں
اس تحریک کو بہانہ بنا کر فرضی الزامات کے ضمن میں جو کارروائیاں کی گئیں انکا
نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان جاگیرداروں اور انعام داروں کی تمام جائدادیں ضبط کرلی گئیں
اور بقول مسٹر ہنٹر ایک چوتھائی زمین صوبہ بھر کے مسلمانوں سے چھین لی گئی اس
.... اقدام کا یہ نتیجہ ہوا کہ تعلیم یافتہ اور ہر طرح لائق و فائق مسلمان اور بعض
دیگر لوگ ناکارہ بنا دیئے گئے اور اس طرح لاکھوں آدمیوں کو ملازمت سے محروم
اور عام آبادی کو کاروبار سے بے نصیب کرکے ہزارہا خاندانوں کو تباہ کر دیا گیا"
(اخبار مدینہ بجنور ۹ جنوری ۱۹۲۶ء)

ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کے ساتھ صرف پنجاب اور بنگال میں ہی یہ سلوک
روا رکھا گیا۔ بلکہ یہی کچھ باقی صوبوں میں بھی ہوا اور ہر جگہ صوبہ کے سرکاری محکموں سے
مسلمانوں کو ہٹا کر ہندؤں کو جگہ دی گئی۔ کیونکہ بقول ایڈیٹر تیج۔ غدر کے بعد ہر جگہ
اور ہر صوبہ میں

"حکومت مسلمانوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اس بات کی کوشش
کرتی تھی کہ جہاں تک ہوسکے انہیں دبا کر رکھا جائے" اور

"ہندؤں کو ان دنوں اچھی نظر سے دیکھا جاتا تھا" (تیج ۱۰ جون ۱۹۲۷ء)

اور گورنمنٹ کی اسی "مسلم نوازی" کا نتیجہ ہے کہ آج ملک کے تمام صیغوں
محکموں۔ دفتروں اور اداروں پر ہندو ہی ہندو چھائے پڑے ہیں اور مسلمانوں کی
چیخ پکار اور واویلا کرنے کے بھی اپنے غاصبانہ قبضہ کو ڈھیلا نہیں کرتے۔ اور اسپر
لطف یہ ہے کہ ہندو رب جیسے ہر جگہ اپنا قبضہ رکھتے ہوئے بھی گورنمنٹ کو مسلمانوں کی
طرفدار بتلاتے ہوئے نہیں شرماتے۔ اور اپنے ساتھ گورنمنٹ کا صریح مربیانہ
سلوک دیکھتے ہوئے بھی مسلمانوں کو گورنمنٹ کا مورد الطاف اور ملک کا دشمن

قرار دیتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے۔ کہ اس قسم کی صاف اور واضح اقبالی شہادتوں کی موجودگی میں یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ گورنمنٹ ہندوؤں کی مخالف اور مسلمانوں کی طرفدار ہے۔ لہذا اب جو کچھ بھی ملک کو برٹش حکومت کیطرف سے ملنے والا ہے اس کے مستحق صرف ہندو ہیں +

اگر واقعات اس بات کی گواہی دیتے کہ گورنمنٹ واقعی مسلمانوں کی طرفداری کرتی رہی اور اس نے ہمیشہ ہی ہندوؤں کو تنگ کیا۔ اور ان کے حقوق سلب کر لئے تو ایسی حالت میں ہم بھی اسپر صاد کرتے۔ کہ چونکہ گورنمنٹ نے ہمیشہ ہی ہندوؤں سے تغافل برتا۔ اور انکے حقوق کو نظر انداز کئے رکھا لہذا اب جدید اصلاحات سے مستفید ہونے کا زیادہ حق ہندوں کو ہی پہنچتا ہے مگر جب واقعات اس کے خلاف شہادت دیں۔ اور خود ہندو فضلا کی اقبالی شہادتیں بھی یہی بتلائیں کہ گورنمنٹ نے ہمیشہ ہی ہندوؤں کی طرفداری کی۔ اور دوسری تمام اقوام پر انہی کو ترجیح دی۔ اور یہی اس کے مقرب اور مورد الطاف رہے۔ تو ایسی حالت میں یہ کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اب ملک کو جدید اصلاحات کی بدولت جو کچھ بھی ملنے والا ہے اس کے مستحق صرف ہندو ہیں +

از روئے انصاف اب مزید حقوق کے مستحق ہندو نہیں بلکہ وہ قومیں ہیں جنکے حقوق گورنمنٹ کی منظور نظر قوم (ہندو) نے اسوقت تک ہتیائے رکھے ہیں۔ اصلاحات سے مستفید ہونے کا زیادہ حق انہی کو پہنچتا ہے جو ہندو راج کے خواہشمندوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہونے کے باعث مدت سے اپنے جائز اور واجبی حقوق سے محروم ہیں۔ ہاں عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ سوراج ملنے پر ان قوموں کو بھی اصلاحات سے مستفید ہونے کا پورا پورا موقع دیا جائے جو ہندوں کے سیاسی داؤ پیچ کی بدولت گورنمنٹ کے معتوب رہے اور جنہوں نے بیوامرنسٹ

کے نام لیواؤں کی طفیل۔ قدم قدم پر اپنی حق تلفی ہوتی دیکھی اور خاموش ہے +
یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جو قوم گورنمنٹ کی منظور نظر رہ کر نہ صرف اپنا حق
لے چکی ہے بلکہ دوسروں کے حقوق پر بھی ناجائز طور پر قابض ہے۔ وہ مزید اختیارات
وحقوق کی مستحق سمجھی جائے؟ اب تو حقوق مسلمانوں کو ملنے چاہئیں جو صحیح معنوں
میں حریت پسند۔ آزادی کے حامی سوراج کے دلدادہ اور ملک کی آزادی کو دل و
جان سے عزیز سمجھتے ہیں۔ اور جو ایام محکومی میں اپنی حریت پسندی اور آزادروی
کی بدولت اپنا سب کچھ لٹوا چکے ہیں۔ نہ کہ ہندو جنہوں نے قدم قدم پر اپنی ٹوڈیت
کا ثبوت دیا۔ جو شروع سے ہی گورنمنٹ کی خوشامد اور چاپلوسی میں لگے رہے اور
جنکی طرف سے ہمیشہ ہی اصلاحات ملنے کے وقت مخالفت کی آواز بلند ہوئی
اور جو شروع سے ہی دوسروں کے حقوق پر بھی ناجائز طور پر قابض ہیں +

گورنمنٹ نے گذشتہ پچیس ۲۵ سال میں بھی مسلمانوں سے طرفدارانہ سلوک نہیں کیا

گذشتہ صفحات میں جن حقائق اور واقعات کا اعادہ کیا گیا ہے وہ ایسی
نہیں کہ ہندو راجے انکی تردید پر قادر ہو سکیں۔ کیونکہ ان میں سے اکثر باتیں خود
انہی کے بھائی بندوں کی زبان و قلم سے نکلی ہیں۔ اور وہی بتلاتے ہیں کہ گورنمنٹ
کے منظور نظر ہندو ہیں نہ کہ مسلمان +
مگر ہم جانتے ہیں کہ ہندو راجے تو ان ناقابل تردید شہادتوں کا مطالعہ کرنے

کے بعد بھی خاموشی اختیار نہ کرینگے۔ اور کہینگے کہ بیشک پہلے گورنمنٹ مسلمانوں کی
مخالف اور ہندوؤں کی پوری پوری طرفدار تھی۔ مگر اب یہ حالت نہیں۔ کیونکہ گذشتہ

ہندو راجیوں کی بیہودہ دلیل بازی

پچیس ۲۵ تیس برس سے گورنمنٹ کی پالیسی
تبدیل ہو چکی ہے پہلے جو گورنمنٹ ہندوؤں کی
حمایتی تھی۔ وہی اب مسلمانوں کی طرفدار ہے۔ اب اس کی نظر مہر ہندوؤں پر نہیں بلکہ
مسلمانوں پر ہے۔ اور اب مسلمان ہی اس کی عنایتوں۔ رعائتوں اور نوازشوں کے
مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ اور یہی گورنمنٹ جسے پہلے خود ہندو ہی۔ ہندو گورنمنٹ
سمجھتے تھے۔ اب ان کو نظر انداز کر کے مسلمانوں کو رعائتوں پر رعائتیں دیتی چلی
جا رہی ہے

یہ غلط ہے

مگر ہندو راجیوں کا یہ کہنا بھی حقیقت سے کوسوں دور ہے
ہم یہ تو مان سکتے ہیں کہ گذشتہ پچیس ۲۵ سال سے گورنمنٹ کی
پالیسی میں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اور پہلے وہ جس بری نگاہ سے مسلمانوں کو دیکھتی تھی
اب انہیں ویسی نظر سے نہیں دیکھتی۔ غدر کے بعد انگریز افسروں کو جو نفرت مسلمانوں سے
تھی وہ اب نہیں رہی۔ اور عام طور پر اب انگریز اہلکار ہندوؤں کی بہکاوٹ میں بھی
اتنے نہیں آتے جتنے کہ پہلے آجاتے تھے +

مگر اسے ہم تسلیم نہیں کر سکتے کہ اب وہ ہندوؤں کی دشمن اور مسلمانوں کی طرفدار ہے
یہ تو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ گذشتہ پچیس تیس سال کے اندر گورنمنٹ کا دل
مسلمانوں کی طرف سے صاف ہو گیا اور اس نے ان کو بعض حقوق عطا بھی کئے۔ مگر یہ تسلیم
نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اس عرصہ میں ہندوؤں پر ظلم کیا اور ان کے حقوق نظر انداز
کرتے ہوئے سبھی کچھ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا +

تقسیم بنگال وغیرہ قوانین گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرفدار ثابت نہیں کرتے

اور جو

گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرفدار ثابت کرنیکے لئے تقسیم بنگال۔ صوبہ سرحد کی علیحدگی۔ قانون انتقال اراضی۔ قانون تحفظ ناموس بزرگانِ مذاہب۔ ساہوکارہ بل۔ وغیرہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں وہ بھی گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرفدار ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان میں سے ایک قانون بھی ایسا نہیں جو خاص مسلمانوں کے فائدے کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ طرفداری کا تو یہ مفہوم ہے کہ دو فریقوں میں سے ایک فریق کے ساتھ حق سے زیادہ رعایت کی جائے۔ مگر ان قوانین میں سے کونسا قانون ہے جو ہندوؤں کا حق چھین کر مسلمانوں کو دلواتا ہے؟ +

تقسیم بنگال کا یہ باعث ہرگز نہ تھا کہ اس سے ہندوؤں کو نقصان پہنچاکر مسلمانوں کو خوش کیا جائے۔ بلکہ اسکی حقیقی وجہ یہ تھی کہ بنگال اڑیسہ اور بہار کے وسیع خطوں کا انتظام و انصرام ایک گورنر نہیں کر سکتا تھا۔ اور گورنمنٹ نے انتظامی سہولت کی خاطر ہی اس قانون کو پاس کیا تھا۔ نہ کہ مسلمانوں کو خاص فائدہ پہنچانے کے لئے + ہاں یہ صحیح ہے کہ اس قانون سے مسلمانوں کو اپنے بعض جائز حقوق سے متمتع ہونے کا وقتی طور پر موقعہ مل گیا تھا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ گورنمنٹ نے مسلمانوں کی خاطر سے نافذ کیا تھا۔ اسی طرح صوبہ سرحد کی علیحدگی بھی گورنمنٹ نے اپنی انتظامی سہولت کیلئے منظور کی تھی نہ کہ مسلمانوں کے فائدہ کیلئے۔ ہاں یہ درست ہے کہ قدرے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچا +

قانون انتقال اراضی کے نفاذ کا بھی یہ باعث نہ تھا کہ اس سے ہندوؤں کو نقصان اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ بلکہ یہ اس لئے منظور کیا گیا تھا کہ مقروض اور خستہ حال زمینداروں کی حالت سنواری جائے اور انہیں سرمایہ داروں کی زیادتیوں اور ستم رانیوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا جائے۔ اور زمینداروں میں ہندو بھی ہیں مسلمان بھی سکھ بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ پھر مسلمانوں کی تخصیص کس طرح؟

لالہ ہرکشن لعل کی گواہی کہ قانون انتقال اراضی کا فائدہ سبھی قوموں کو پہنچا

لالہ ہرکشن لعل صاحب سابق وزیر زراعت پنجاب نے ہندو دکانداران ضلع لائلپور کی کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے اپنی تقریر میں تسلیم کیا ہے کہ

"قانون انتقال اراضی ایکٹ کا اصلی منشاء ہندوؤں اور مسلمانوں میں تمیز کرنے کا نہیں ہے۔ کیونکہ بعض ایسے اضلاع پنجاب میں ہیں۔ جہاں ہندو بھی زراعت پیشہ ہیں۔ اور ہندو بھی تجارت پیشہ۔ اور یہی حال اور اضلاع کا ہے جس میں اکثریت سکھ زراعت پیشہ والوں کی ہے۔ اور یہی سکھ تجار بھی ہیں۔ اور اسی طرح مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بوجہ اس ایکٹ کے زمین خریدنے سے معذور ہیں" (ملاپ ۱ جنوری ۱۹۲۸ء)

پس ایک ایسے قانون کو جس کا فائدہ ہندو مسلمان سکھ اور عیسائی سبھی زراعت پیشہ لوگوں کو پہنچتا ہے۔ گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرفدار ثابت کرنے کے لئے پیش کرنا قطعاً درست نہیں +

قانون تحفظ ناموس بزرگانِ مذاہب بھی سبھی قوموں کے لئے ہے

رہا قانونِ تحفظ ناموس بزرگانِ مذاہب۔ سو یہ بھی صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ہندوستان کی سبھی جماعتوں فرقوں اور قوموں کے مذہبی جذبات کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے منظور کیا گیا ہے اور اس کا فائدہ صرف مسلمانوں کو ہی نہیں باقی فرقوں اور جماعتوں کو بھی پہنچتا ہے +

ساہوکارہ بل کی حقیقت

باقی رہا ساہوکارہ بل۔ سو اسے بھی ہندو راجے اپنے بے بنیاد دعوے کی تائید میں پیش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ قانون اس لئے منظور نہیں کیا گیا کہ اس سے اکیلے مسلمان ہی مستفید ہونگے بلکہ اس لئے پاس کیا گیا ہے کہ ہر وہ مقروض زمیندار۔ جیرہ دست ساہوکاروں

کی فریب کاریوں سے بچ جائے جو اپنی تعلیمی کمی۔ جہالت اور نادانی کے باعث ان کا بُری طرح شکار ہو جاتے ہیں۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی۔ ہندو ہوں یا سکھ۔ پس وہ لوگ جو ساہوکارہ بل کو مسلم بل کہتے ہیں۔ پبلک کو دھوکہ دیتے ہیں +

ساہوکارہ بل مسلم بل نہیں زمیندارہ بل ہے

اور جس وقت یہ بل پنجاب کونسل میں پیش تھا اسوقت بھی اس قسم کے فقرات دوہرائے گئے تھے۔ مگر عین بحث کے دوران میں ہی چوہدری دُنی چند صاحب نے اسکی تردید کر دی تھی۔ اور بقول ایڈیٹر پرتاپ

"اس مسودۂ قانون پر بحث کے دوران میں (چوہدری دنی چند) بول اُٹھے کہ یہ مسلم بل نہیں بلکہ زمینداروں کا بل ہے" (پرتاپ ۳ جولائی ۱۹۳۶ء ص ۲)

یہی نہیں اور بھی اس قسم کے جتنے قانون گذشتہ پچیس تیس سال میں وضع ہوئے ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو ہندوؤں کو نقصان پہنچا کر مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے والا ہو +

پس ان حقائق کی موجودگی میں ایڈیٹر ملاپ کا یہ لکھنا پبلک کو مغالطہ میں ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے کہ

ایڈیٹر ملاپ کی غلط بیانی

"مسلمان بہت خوش قسمت واقع ہوئے ہیں اور شاید لارڈ کرزن کے عہد حکومت سے انکی قسمت خاص طور پر درخشاں نظر آتی ہے کیونکہ اسوقت سے وہ "چہیتی بیوی" کے خطاب سے مخاطب کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اگر گورنمنٹ رعایت کرتی ہے تو مسلمانوں کی"

(ملاپ ۹ جولائی ۱۹۲۳ء منقول از وکیل ۱۲ جولائی ۱۹۳۳ء ص ۲)

سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندو راج کی تحریک کو تقویت دینے والے اخبارات اس

قسم کی مکروہ ۔مغالطہ دہ اور پُرفریب تحریریں شائع کر کے پبلک کو کب تک دھوکے میں رکھ سکتے ہیں جبکہ اس قسم کا پروپیگنڈا واقعات کے صریح خلاف ہے۔ہندو راجوں کو اگر دیانت اور صداقت کا کچھ بھی پاس ہوتا تو وہ اس قسم کے گمراہ کن فقرات زبان و قلم سے نہ نکالتے۔ مگر چونکہ ان کی غرض پبلک کو دھوکہ دینا اور اسے اصل حقیقت سے ناآشنا رکھنا ہے اس لئے ان کے چھوٹے بڑے سبھی اس طور کے غلط بے بنیاد اور مفتریانہ پروپیگنڈے میں حصہ لیتے ہیں اور ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ یہ لوگ گورنمنٹ کا اپنے ساتھ صریح جانبدارانہ سلوک دیکھتے ہیں اور پھر بھی اُسے مسلمانوں کی طرفدار کہتے ہیں شرم محسوس نہیں کرتے ؎

اگر گورنمنٹ نے مسلمانوں کی تعلیمی حالت سدھارنی چاہی تو اسے طرفداری نہیں کہا جا سکتا۔

کہا جائے گا کہ اگر گورنمنٹ مسلمانوں کی طرفدار نہیں تو اُس نے وقتاً فوقتاً کیوں مسلمانوں کی تعلیمی حالت سدھارنے کے لئے خاص طور پر گرانقدر رقمیں مخصوص کیں۔ انکی تعلیمی حالت کا اندازہ لگانے کے لئے کمیشن بٹھائے۔ انکی حوصلہ افزائی کے لئے خاص افسر مقرر کئے اور گورنمنٹ کے ذمہ وار عہدیداروں نے ہمیشہ ہی مسلمانوں کی حمایت میں تقریریں کیں۔ اور ان کی پیٹھ ٹھونکی۔ اور اسی طرح سرکاری دفتروں میں بھی مسلمانوں کو بھرتی کرنے کے لئے خاص طور پر سرکلر جاری کئے گئے

ہم مانتے ہیں کہ گورنمنٹ نے ایسا کیا اور ضرور کیا۔ مگر اس کو طرفداری پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ہم گورنمنٹ کے اس فعل کو حق کیطرف اقدام کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس فعل کا نام طرفداری نہیں رکھ سکتے۔ اگر گورنمنٹ نے مسلمانوں کی تعلیمی حالت سدھارنے کے لئے بعض اوقات کمیشن بٹھائے۔ رقمیں منظور کیں اور خاص افسر مقرر کئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس نے ہندوؤں کا حق چھین کر مسلمانوں کو دے دیا۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ

اُس نے مسلمانوں کو ان کا حق دبانا چاہا +

مسلمانوں کو دفاتر میں بھرتی کرنا بھی طرفداری نہیں

اس نے اگر مسلمانوں کو دفاتر میں بھرتی کرنیکے لئے سرکلر جاری کئے۔ تو یہ اس لئے نہیں کہ اسے ہندؤں سے کوئی نقار تھا بلکہ اس لئے کہ مسلمان جو مدت سے سرکاری محکموں سے بے دخل کئے جا چکے ہیں۔ اپنا حق پائیں +

پسماندہ اقوام کو ترقی کی شاہراہ پر چلانا گورنمنٹ کا فرض ہے نہ کہ طرفداری

اور ہر ایک وہ گورنمنٹ جسے عدل و انصاف کا پاس ہوگا اپنی رعایا کے ہر طبقہ اور جماعت کی ترقی میں کوشاں ہوگی۔ بلکہ اس کا فرض ہوگا کہ جو قومیں پسماندہ ہیں انہیں خاص طور پر آگے بڑھائے۔ اتنا بڑھائے کہ دوسری ترقی یافتہ جماعتوں کے دوش بدوش کھڑی ہو سکیں۔ کیونکہ جب تک ملک کی تمام جماعتیں ترقی کرتے ہوئے ایک سطح پر نہ آجائیں وہ ترقی یافتہ نہیں کہلا سکتا۔ اور یہی وہ زرین اصول ہے۔ جو ہر بہترین حکومت کا آئیڈیل ہونا چاہیئے۔ اور اگر گورنمنٹ نے پسماندہ مسلمانوں کو دوسری ترقی یافتہ اقوام کی سطح پر لانے کے لئے بعض اوقات خاص ذرائع۔ سے کام لیا تو اس کا یہی مقصد تھا کہ ملک کو حقیقی ترقی نصیب ہو۔ اور وہ بھی ترقی یافتہ ممالک میں شمار ہو سکے + اور ہر ایک زیرک و دانا شخص گورنمنٹ کے اس فعل کو طرفداری نہیں بلکہ اسکی فرض شناسی پر محمول کرے گا۔ اور ہم گورنمنٹ کے ممنون ہیں کہ اس نے فرض شناسی سے کام لیا +

گورنمنٹ کی جس خاص امداد کا نام طرفداری رکھا جاتا ہے اسکی اصل حقیقت گورنمنٹ کے ہی اعلیٰ عہدہ داروں کی زبان سے سُن لیجئے +

لفٹننٹ گورنر پنجاب کا اعتراف حقیقت

صوبہ پنجاب کے ایک سابق لفٹننٹ گورنر

نے ۷- اپریل ۱۷ء کو انجمن حمائت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے یہی کچھ کہا تھا- اس کے اصل الفاظ درج ذیل ہیں:-

"تفصیل میں پڑنے کے بغیر میں انجمن و آپ کی خواہشات و آرزوؤں سے گورنمنٹ کی گہری ہمدردی کا یقین دلاتا ہوں یہ امر کہ اس قدر سخت مشکلات میں آپ صوبہ میں مسلمانوں کی تعلیم کو ترقی دینے میں اتنا کام کر چکے ہیں- اور اس کمی کو جو آپ کو دیگر اقوام سے جدا کرتی ہے- بہت کچھ پورا کر چکے ہیں- بغایت امید افزا ہے- اور آپکی قوم کی خاص امداد کے متعلق ان خاص سرکاری تجاویز کو حق بجانب ٹھہراتا ہے- جو مسلمانوں کو دوسری قوموں کی سطح پر لانے کی غرض سے اختیار کی گئی ہیں- یہ پالیسی ہے- جو صوبہ ہذا میں آنے کے روز سے میرے مدنظر رہی ہے- یہ میری ذاتی پالیسی نہیں بلکہ میرے خیال میں یہ ایک ایسی پالیسی ہے- جسپر ہر بیدار مغز گورنمنٹ کسی ایسی قوم کی نسبت جو بعض پہلوؤں سے دیگر اقوام سے پیچھے رہ گئی ہو اختیار کرنے پر آمادہ ہو گی- کیونکہ کوئی ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک اس کے تمام حصص کو یکساں موقعہ نہ دیا جائے"

(پیسہ اخبار لاہور- ۱۲- اپریل ۱۷ء ص ۲)

سابق وائسرائے ہند کا تائیدی بیان

لارڈ چیمسفورڈ سابق وائسرائے ہند نے بھی صوبہ پنجاب کے مسلمانوں کے ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے اس حقیقت کا اقبال کیا ہے کہ

"یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ میدانِ ترقی میں علم و فن- تعداد- دولت و زمانہ شناسی غرضیکہ ہر پہلو سے ضعیف رو- اور منصفانہ سہارے کی مستحق جماعتوں کو بھی طاقتور طبقات کے دوش بدوش عام فوائد سے مستفید ہونے کے قابل بنانا اور انکے حقوق کو پامال نہ ہونے دینا بیدار مغز و بے لوث گورنمنٹ کا پہلا فرض ہے"

(... ۱۷ء ص ۲)

پس اگر گورنمنٹ مسلمانوں اور دوسری پسماندہ جماعتوں کی حالت سدھارنے کے لئے خاص ذرائع استعمال میں لاتی ہے تو اس سے اسپر طرفداری کا الزام نہیں لگ سکتا بلکہ یہی کہا جائے گا کہ اس نے اپنا فرض ادا کیا +

گورنمنٹ نے ابھی تک اپنا فرض ادا نہیں کیا

مگر ہمیں تو افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک گورنمنٹ نے اپنا یہ فرض پوری طرح ادا نہیں کیا۔ اور جو حقوق مسلمانوں کو اسوقت تک ملجانے چاہئیں تھے وہ ابھی تک انہیں پوری طرح نہیں دلائے گئے۔ چہ جائیکہ گورنمنٹ نے مسلمانوں کے ساتھ طرفدارانہ سلوک کیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ گورنمنٹ گذشتہ پچیس تیس سال سے محولہ بالا اصول کو اپنا نصب العین قرار دیکر پسماندہ اقوام کی ترقی کی خواہاں ہے مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی حقیقت ہے کہ اس اصول کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جتنی کوشش اور توجہ درکار ہے۔ اتنی ابھی گورنمنٹ کیطرف سے ظہور میں نہیں آیا +

ہمیں علم ہے کہ وہ مختلف محکموں میں اس قسم کے سرکلر جاری کر چکی ہے کہ آئندہ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں اور دوسری پسماندہ اقوام کے افراد کو بھی انکی آبادی کے لحاظ سے حصہ دیا جائے۔ مگر یہ سرکلر سوائے اس کے کہ الماریوں اور فائلوں کی زینت بنیں کچھ زیادہ مفید اور موثر نہیں بن سکے۔ اور گورنمنٹ کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے ہی سرکلروں کو محض ہندوؤں کی لعن بازی سے مرعوب ہو کر پوری طرح عملی جامہ نہیں پہنا سکی۔ اور ان سرکلروں کے جاری ہو جانے کے بعد بھی سرکاری دفاتر میں ہندوؤں ہی کا ہر جگہ طوطی بول رہا ہے۔ اور یہ ہندو اکثریت سرکاری احکامات کی موجودگی

سرکاری احکامات کی موجودگی میں بھی ہندو اہلکاروں کی سینہ زوریاں۔

میں بھی من مانی کارروائیاں کرتی ہے اور مسلمانوں کی چیخ پکار اور

واویلا کرنے پر بھی انہیں دفتروں میں گھسنے نہیں دیتی۔ اور گورنمنٹ ہندو افسروں اور ہیڈ کلرکوں کی ان بے عنوانیوں۔ چیرہ دستیوں۔ سینہ زوریوں اور تحکمانہ کارروائیوں کو دیکھتی ہوئی بھی خاموش ہے۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ گورنمنٹ کی اس خاموشی کمزوری اور بے بسی کو دیکھتے ہوئے بھی یہ کہنے کی بے باکانہ جرأت کیجاتی ہے۔ جیسا کہ لالہ لاجپت رائے صاحب کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے کہ

لالہ لاجپت رائے کی بے بنیاد طعن بازی

"ہندؤں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ گورنمنٹ ہندؤں کے واسطے کچھ نہیں کر سکتی۔ گورنمنٹ گذشتہ تیس سال سے مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ اسواسطے نہیں کہ اسکو مسلمانوں سے محبت ہے (بلکہ اس لئے کہ) وہ یقین کرتی ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کی حمایت نہ کریگی تو مسلمان اس کو تکلیف پہنچائینگے۔" (اخبار وکیل امرتسر ۲۸ ستمبر ۱۹۲۳ء)

لالہ لاجپت رائے جی ہوں یا اور کوئی۔ جو بھی اس قسم کی باتیں زبان پر لاتا ہے اُسے اتنا تو سوچنا چاہیئے کہ اگر گورنمنٹ ہندوؤں کے واسطے کچھ نہیں کرتی۔ اور جو کچھ کرتی ہے مسلمانوں کے لئے۔ کیونکہ وہ انکی حمایت پر ہے۔ اور وہ ہی مسلمانوں کے خوفزدہ ہونیکے باعث۔ تو یہ کیا بات ہے کہ آج حکومت کے ہر دفتر ہر محکمہ ہر ادارہ اور ہر آفس میں ہندوؤں ہی کا طوطی بول رہا ہے۔ کونسل آف سٹیٹ۔ اسمبلی اور صوبجاتی کونسلوں میں ہندو ممبروں ہی کی اکثریت نظر آتی ہے۔ اکثر میونسپلیٹوں ڈسٹرکٹ بورڈوں اور دیگر انتخابی اداروں میں ہندو ہی ہندو دکھائی دیتے ہیں؟

گورنمنٹ کی طرفداری کی اصل حقیقت

کیا گورنمنٹ کو مسلمانوں کی حمایتی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے بنگال کے ۵۵ فیصدی مسلمانوں کو کونسل آف بنگال میں ۴۰ فیصدی نشستوں کا مستحق قرار دیا؟ کیا یہی گورنمنٹ کی طرفداری ہے کہ اس نے پنجاب کی ۵۶ فیصدی مسلم آبادی کو ۴۰ فیصدی

حق دیا؟ کیا طرفداری اور حمایت اسی کا نام ہے کہ سندھ کے ۲۵ لاکھ مسلمانوں کو بمبئی کے ماتحت کر کے انہیں ۸۰ فیصدی کی بجائے ۲۰-۲۲ فیصدی حقوق کا مستحق گردانا +

گورنمنٹ کو مسلمانوں سے مرعوب ہو جانے والی کہنے والے بتلائیں تو سہی کیا گورنمنٹ کی طرفداری یہی ہے کہ اس نے مدراس۔ آسام۔ سی۔ پی وغیرہ ہندو صوبوں کو تو اصلاحات سے مستفید ہونے دیا۔ مگر صوبہ سرحد کو اصلاحات سے محروم ہی رکھا؟ بہار۔ اڑیسہ۔ یو۔ پی وغیرہ ہندو اکثریت والے صوبوں کو تو آزادی بخشی مگر بلوچستان کی آزادی کا نام تک نہیں لیتی؟ اگر حمایت اور طرفداری اسی کو کہتے ہیں تو ناطرفداری کے کیا معنے ہونگے؟ اگر گورنمنٹ ہندوؤنکی بیری اور مسلمانوں کی حامی ہوتی تو ہندوؤں کی ایجی ٹیشن سے گھبرا کر وہ تقسیم بنگال کے حکم کو منسوخ کر دیتی؟ اگر وہ مسلمانوں سے خوفزدہ ہوتی تو ساہو کارہ بل کی اصل رُوح کو کچل دیتی؟ اگر وہ مسلمانوں کی حمایت پر کمربستہ ہوتی تو پنجاب کونسل میں باوجود مسلمانوں کی شدید ترین مخالفت کے اگز کنٹرول پاس ہو جاتا؟

پس یہ کہنا قطعی طور پر غلط بے بنیاد اور لغو محض ہے کہ گورنمنٹ ہندوؤنکی مخالف اور مسلمانوں کی دل و جان سے طرفدار اور حامی ہے +

اگر گورنمنٹ نے مسلمانوں سے طرفدارانہ سلوک کیا ہوتا۔ یا آجتک ان سے کوئی ایک رعائت بھی کی ہوتی تو پنڈت مدن موہن مالوی جیسے مسلمانوں کے مشہور مخالف کو آل انڈیا مسلم لیگ کلکتہ کے جلسہ میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہنے کی گنجائش نہ ہوتی +

پنڈت مالویہ کا اقرار کہ گورنمنٹ نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی رعائت نہیں کی

"میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ انڈین نیشنل کانگرس سے کیوں الگ تھلگ رہے۔ کیا ان کے ساتھ فوج میں یا کسی اور محکمہ میں کوئی رعائت

کی گئی ہے۔ مجھے ایک بھی موقعہ یاد نہیں جبکہ گذشتہ ۵۰ سال میں برٹش نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی خاص رعائت کی ہو" (پرتاپ جنوری ۳۶ء صفحہ)

پس ہندوؤں کے اس چوٹی کے لیڈر کا یہ اقبالی بیان ہندوؤں کے اس لغو اور بیہودہ پروپیگنڈے کا مُنہ توڑ جواب ہے۔ جو انکی طرف سے مسلمانوں کو انکے حقوق سے محروم رکھنے کے لئے دن رات کیا جاتا ہے۔ اور جس سے گورنمنٹ کو مرعوب کرکے مسلمانوں کے حقوق پر دن رات بے دریغ چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے گورنمنٹ کو بھی چاہیئے کہ ہندوؤں کے پروپیگنڈے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرے اور اپنی جدید منصفانہ پالیسی سے کام لیتی ہوئی ہندوستان کی سبھی جماعتوں اور قوموں کو ان کے جائز اور واجبی حقوق دلائے۔ کیونکہ اگر وہ اس موقعہ پر جرأت اور دلیری سے کام نہ لیگی۔ اور ہندو اکثریت کے بیہودہ اور بے بنیاد طعنوں سے مرعوب ہوتی رہیگی۔ تو یہ امر اس کے سفید دامن پر سیاہ دھبہ کیطرح نمایاں رہے گا۔ اور وہ مہذب دنیا میں اپنا وقار اور عزت قائم نہ رکھ سکے گی

گورنمنٹ کے آلہ کار خوشامدی۔ اور اس ملک دوسروں کو نقصان پہنچانیوالے مسلمان ہیں یا ہندو؟

ہندو راج کے خواہشمند جب ہر طرح سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر اُن کے ترکش سے آخری تیر یہ نکلا کرتا ہے کہ:

ہندو راجیوں کے چند مزید اعتراض

اگر مسلمان حریت پسند۔ ملک کے

خیرخواہ اور سوراج کے حامی ہیں تو وہ گورنمنٹ کے آلہ کار کیوں بنتے ہیں۔ اسکی تعریف میں کیوں رطب اللسان رہتے ہیں۔ کیا ان کا انگریزوں سے میل ملاپ اور ربط ضبط اسبات کا ثبوت نہیں کہ وہ ملکی تحریکوں سے الگ تھلگ رہ کر اسی گورنمنٹ کی پناہ میں رہنا چاہتے ہیں۔ جس نے ہندوستانیوں کی آزادی سلب کر رکھی ہے۔ اگر مسلمان حُر اور آزادی کے حامی ہوتے تو یہ گورنمنٹ ہوس کا طواف نہ کرتے۔ سرکاری ڈنرز میں حصہ نہ لیتے۔ حکام کو ایڈریس نہ دیتے۔ انکی جُبہ سائی نہ کرتے۔ اور انکی خواہشات کے آگے سر جھکا کر گورنمنٹ کے ہاتھ مضبوط نہ کرتے۔ اگر انہیں سوراج کی حقیقی تڑپ ہوتی تو یہ گورنمنٹ سے تعلقات بڑہانے کی بجائے ملک کی مشترکہ اور حقیقی نمائندہ انجمن نیشنل کانگرس کی تحریک آزادی میں حصہ لیتے۔ اور ہندؤں کے دوش بدوش کھڑے ہو کر گورنمنٹ کا مقابلہ کرتے اور ملک کو اغیار کی غلامی سے نجات دلواتے"

ان اعتراضوں میں کچھ بھی وزن نہیں

مگر جس طرح ہندو راجیوں کے دوسرے اعتراض بے بنیاد اور لغو محض ثابت ہوئے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس قسم کے اعتراض کرنیوالوں کے دل بھی جانتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ یہ مسلمانوں پر نہیں۔ خود ہندؤں پر ہی وارد ہوتا ہے۔ مگر چونکہ انکی غرض مسلمانوں کو بدنام کرنا ہے اس لئے جو کچھ بھی ان کے منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو گورنمنٹ کا آلہ کار اس لئے نہیں کہتے کہ واقعی مسلمان ایسے ہیں بلکہ ان کے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو بدنام کر کے انہیں سوراجیہ کے سُکھوں سے محروم رکھا جائے اور جب مسلمان اپنے حقوق مانگیں تو انہیں غدار۔ ٹریٹر اور گورنمنٹ کا آلہ کار کہہ کر ان سے محروم کر دیا جائے۔

مگر انہیں کان کھول کر سن لینا چاہیئے کہ اس قسم کا مکروہ۔ گھنونا اور خباثت بھرا

پروپیگنڈا ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دے گا۔ مسلمان اس قسم کے طعن و تشنیع سے گھبرا کر گورنمنٹ سے اپنے حقوق مانگنے سے نہیں رُک سکتے۔ وہ اپنے حقوق لینگے۔ اور ضرور لینگے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں اُنکے جائز حقوق سے محروم نہیں کر سکتی +

مسلمانوں کا گورنمنٹ سے تعلقات قائم کرنا۔ اس کے اہلکاروں کے پاس آنا جانا۔ یا اسکی بعض خوبیوں کا اعتراف کرنا۔ اگر مسلمانوں کو انکے حقوق سے محروم رکھنے کا معقول عذر ہے تو پھر ہندو بھی کسی قسم کے حقوق حاصل کرنے کے مستحق نہیں۔

مسلمان گورنمنٹ کے آلۂ کار نہیں

اگر بعض مسلمان گورنمنٹ سے ربط ضبط رکھتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ اس کے آلۂ کار بنیں یا اسکی خواہشات کے آگے سر جھکا کر اس کے ہاتھ مضبوط کریں +

مگر ہاں ایسے ہندو ضرور ہیں جو یقیناً یقیناً گورنمنٹ سے اسی نیّت سے ملتے ہیں کہ اس کے آلۂ کار بنیں اور اسکی خواہشات کے آگے سر تسلیم خم کر کے اس کے ہاتھ مضبوط کریں + ہو سکتا ہے کہ ہمارے اس حق و صداقت پر مبنی جواب کو تعصب یا بدظنی پر محمول کیا جائے اس لئے ہم اپنی تائید میں کانگرس کے ایک بہت بڑے رُکن۔ اور مشہور لیڈر کی شہادت پیش کئے دیتے ہیں جس کے پڑھنے سے ہمارے جواب کی صداقت خود بخود ظاہر ہو جائے گی +

ہندو ہی گورنمنٹ کے آلۂ کار اور اس کے ہاتھ میں کھیلنے والے ہیں

لالہ لاجپت رائے سرحد اور پنجاب کے ہندوؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرما چکے ہیں کہ

"ہندو خوف کی وجہ سے گورنمنٹ کے ہاتھ کا آلۂ کار بن رہے ہیں۔ پنجاب میں کچھ ہندو بعض تو جان بوجھ کر اور بعض بلا ارادہ طور پر گورنمنٹ کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں" (بحوالہ اخبار بندے ماترم لاہور ۲۸ جنوری ۲۵ء منقول از الامان دہلی ۳ فروری ۲۵ء)

مسلمانوں کو ازراہِ تعصب گورنمنٹ کا آلہ کار بنانے والو! اپنے مسلمہ لیڈر کے محولہ بالا جلی الفاظ کو پڑھو۔ اور بار بار پڑھو۔ اور اس کے بعد بتاؤ۔ گورنمنٹ کے آلہ کار مسلمان ہیں یا ہندو؟ گورنمنٹ کے ہاتھ میں کھیلنے والے مسلمان ہیں یا ہندو؟ جب خود ہندوؤں کے مانے ہوئے نیتا اور مسلمہ لیڈر صاف اور غیر مشتبہ لفظوں میں گواہی دیتے ہیں کہ ایسے بہت سے ہندو ہیں۔ جو گورنمنٹ کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ اور ان میں بعض بالارادہ۔ اور بعض بے ارادہ۔ گورنمنٹ کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں۔ تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو گورنمنٹ کا آلۂ کار کہہ کہہ ان کو بدنام کرنا شیوۂ انسانیت ہے؟ اگر مسلمانوں کو ان کے حقوق سے اس لئے محروم کیا جا سکتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کے آلہ کار ہیں (حالانکہ یہ غلط ہے) تو کیا ہندو جو خیالاً نہیں بلکہ حقیقتہً گورنمنٹ کے آلۂ کار ہیں کیوں نہ سوراج کے اثمار سے محروم کئے جائیں؟

مسلمان گورنمنٹ کے خوشامدی نہیں

باقی رہا یہ کہ مسلمان گورنمنٹ کی تعریف کرتے ہیں مگر ہم نہیں سمجھتے کہ اس میں کونسی قابل اعتراض بات ہے۔ کیا کسی کی واقعی خوبیوں کا اظہار کرنا۔ مذہباً اخلاقاً۔ قانوناً۔ اور سیاستاً منع ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس پر اعتراض کیوں؟ کسی کی واقعی تعریف کبھی بھی محل ذم نہیں ہو سکتی۔ قابل مذمت وہی تعریف ہے جو خلاف واقعہ اور خوشامد کے رنگ میں ہو۔ اور ہمارے نزدیک جو مسلمان گورنمنٹ کی غیر واقعی تعریف کرتا ہے یا اس کے اہلکاروں کے پاس جا کر ان کی خوشامد کرتا ہے وہ اس قابل ہی نہیں کہ اسے خود دار مسلمان سمجھا جائے کیونکہ اسلام خوشامد اور چاپلوسی کے سخت خلاف ہے۔ اور جو مسلمان اس قسم کی حرکات کا مرتکب ہوتا ہے وہ نہ صرف اسلام کے نام کو بٹہ لگاتا ہے بلکہ اپنی ضمیر کو بھی کچل ڈالتا ہے مگر جہاں تک ہمارا

خیال ہے مسلمان لیڈروں میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو گورنمنٹ کی خوشامد اور چاپلوسی کا مرتکب ہوتا ہو۔ ہاں ہندوؤں میں ایسے کئی لوگ ملینگے جو اس قسم کی مکروہ حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں +

اگر یہ کہا جائے کہ انگریزوں نے یہاں آکر خانہ جنگی کو دور کیا جو ملک مختلف حصوں میں بٹ گیا تھا اسے پھر ایک کیا۔ یہاں امن قائم کیا۔ ملک کی مالی اور اقتصادی حالت کو درست کیا۔ تعلیم پھیلائی۔ شفاخانے قائم کئے۔ اور آمد و رفت کے ذرائع وسیع کئے۔ زراعت اور تجارت کو فروغ دیا۔ اور ان سب سے بڑھ کر اپنی رعایا کو مذہبی آزادی بخشی۔ تو کیا یہ کہنا خوشامد ہے؟ اگر برٹش حکومت کی ان خوبیوں کا اعتراف خوشامد ہے تو پھر ہندو بھی اس خوشامد کے اعتراض سے باہر نہیں۔ اگر گورنمنٹ کی ان واقعی قابل تعریف خوبیوں کا اعتراف ٹوڈیت کا مترادف ہے تو پھر بڑے بڑے ہندو ٹوڈی۔ اور حکومت پرست کہلائے جائینگے۔ جن میں سب سے پہلا نمبر

سوامی دیانند گورنمنٹ کے شکر گذار تھے

آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند جی آنجہانی کا ہے جو بقول بھائی پرمانند جی ایم اے "اپنے لیکچروں کے خاتمہ پر گورنمنٹ کا دھنواد (شکرادا) کیا کرتے تھے۔ جس کے عہد میں انہیں اپنے دھرم کا پرچار کرنے کی کھلی آزادی تھی" (اخبار آریہ ویر ۱۴۔ نومبر ۲۹ء ص ۶)

پھر وہ آریہ سماجی ایڈیٹران بھی ٹوڈی اور حکومت پرست ٹھہرینگے جو گورنمنٹ کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں۔

ایک آریہ ایڈیٹر کے تعریفی کلمات

"مذہبی آزادی برٹش راجیہ کا ہند میں سب سے بڑا عطیہ ہے۔ اور چونکہ ہندوستانی مذہب کے بڑے دلدادہ ہیں اور زندگی کا سرچشمہ ہی مذہب کو سمجھتے

ہیں اس لئے وہ برٹش راجیہ کی اس برکت کو سب سے زیادہ شکر گذاری کے ساتھ محسوس کرتے ہیں"۔ (مسافر آگرہ ۲ جولائی ۱۹۱۵ء ص ۳)

اگر گورنمنٹ کی برکات کا ذکر کرنا ٹوڈی کہلانے کا ہم معنی ہے تو ایڈیٹر پرتاپ کو بھی ٹوڈی کہئے۔ جس کے متعلق لکھا ہے کہ

اخبار پرتاپ کا حکومت کی برکات جتلانا

"پرتاپ میں بار بار جہاں بیہودہ شور و شر راج ودوھ۔ انارکزم اور دنگہ فساد کے برخلاف لکھا جاتا ہے۔ وہاں گورنمنٹ برطانیہ کی برکات جتلا کر اسکی حکومت کو ہندوستانیوں کے لئے باعث نعمت بتلایا جاتا ہے"

(مہاشہ کرشن کا دوسرا اخبار۔ پرکاش ۲۹ جون ۱۹۱۵ء ص ۵)

اگر گورنمنٹ انگلشیہ کی بعض واقعی خوبیوں کا اعتراف مسلمانوں کو حکومت پرست ٹھہراتا ہے تو آریہ پرتی ندھی سبھا کے سکرٹری مہاشہ کرشن بی اے کے متعلق کیا فتویٰ عائد کیا جائے گا۔ جن کے متعلق انکے اخبار پرکاش نے لکھا ہو کہ

مہاشہ کرشن کے نزدیک گورنمنٹ کا قیام ہندوستانیوں کے لئے برکت اور نعمت ہے

"جس آدمی (مہاشہ کرشن) کی ساری پبلک لائف اپنے دہرم کی سیوا میں گذری ہو۔ جو باوجود اپنی آزاد روی کے گورنمنٹ انگلشیہ کا قیام ہندوستانیوں کے لئے ایک نعمت اور برکت سمجھتا ہو۔ اُسے خاص طور پر کیا ڈر ہو سکتا تھا" (پرکاش ۲۹ جون ۱۹۱۵ء ص ۵)

اگر مسلمان گورنمنٹ کی بعض واقعی خوبیوں کا اعتراف کرنے کے باعث ہندو راجیوں کی نظروں میں ٹوڈی کہلانے کے مستحق ہیں تو ان ہندوؤں کو کیا خطاب دیا جائے گا جو یہ کہتے ہیں کہ

پرکاش کے نزدیک برٹش راج اُتم راج

"برٹش جاتی ایک بڑی عالم فہم

اور انصاف پسند جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سات سمندر پار سے آکر ہمارے دیش پر راج کرتی ہے۔ اور باوجود راج نیتموں (سرکاری قوانین) میں کچھ ترٹیاں (خامیاں) ہونے کے ہمارے لئے سب سے اُتم (اعلیٰ) راج ہے۔"

(پرکاش، ستمبر سنہ ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۳)

اگر بعض مسلمانوں نے گورنمنٹ کو اس وجہ سے اپنا محسن قرار دیا کہ اس نے ملک میں امن قائم کیا۔ مسلمانوں کو مذہبی آزادی بخشی۔ اور اشاعت اسلام میں کسی قسم کی روک نہ ڈالی۔ جس کے لئے وہ خوشامدی اور ٹوڈی قرار دیئے گئے تو اب ہندو، لیڈر بتلائیں۔ جسکی قلم سے مندرجہ ذیل فقرات برآمد ہوئے ہیں اس کو کس نام سے یاد کیا جائے گا۔ حالانکہ وہ کٹر آریہ سماجی کانگریس کا حامی اور اپنی آپ کو دیش بھگت کہتا تھا۔

ایک آریہ دیش بھگت گورنمنٹ کی قصیدہ خوانی کرتا ہے

"اے ہماری محسن سرکار، ہماری محافظ و دوست عالی وقار۔ ہم تیری وفادار رعایا ہیں۔ تو ہماری جان و مال کی محافظت کے لئے ہم پر حکومت کرتی ہے۔"

"کیا ہندو گورنمنٹ کی رعایا نہیں۔ ہیں اور ضرور ہیں۔ بلکہ گورنمنٹ کے ساتھ غداری اور مکاری کو چھوڑ کر خلوص دلی اور کامل وفاداری کا برتاؤ کرنے والی سب سے افضل اگر کوئی قوم ہے تو یہ ہندو ہی ہیں" (آریہ مسافر لکھنؤ ۱۳- اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء صفحہ ۲)

ہندو لیڈر مسلمانوں کو تو ٹوڈی کا خطاب بغیر سوچے سمجھے دیدیتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے انکی اپنے گھر پر نظر نہیں۔ اگر ہوتی تو مسلمانوں پر اس قسم کی طعن بازی نہ کرتے۔ اور اگر وہ اپنے بھائی ہندوؤں کی ذہنیت سے واقف نہیں تو سُن لیں۔ ان کا ایک مشہور کانگرسی کارکن اور کٹر آریہ سماجی ہندوؤں کو مخاطب کرتا ہوا

کہتا ہے کہ

سرکار برطانیہ کی مدحت سرائی ایک سماجی ایڈیٹر کی قلم سے

"ہندوؤں کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ اس وقت اگر دنیا میں کوئی ایسی سلطنت ہے جو انکے حقوق و انکی سلامتی کی نگہبان کہلا سکتی ہے تو وہ کیول (صرف) ایک برٹش گورنمنٹ ہی ہے۔ اور ہندوؤنکی ترقی و بہبودی کا دارو مدار برٹش راجیہ کے ہند میں استحکام پر ہی منحصر ہے۔ اسوقت انگریز و ہندو قسمت کی ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ اور ان کا نفع و نقصان مشترکہ ہے ان حالات میں ہندوؤں کا یہ خاص فرض ہو جاتا ہے کہ وہ معاملات کو ذرا گہری نگاہ سے دیکھیں۔ اور اگر دوسروں کی نہیں تو اپنی ہی بہبودی کو مدنظر رکھتے ہوئے اسوقت تن من دھن سے برطانیہ کو موجودہ جدوجہد میں امداد دیں" (مسافر آگرہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۰ع)

کیا جو قوم شروع ہی سے اس قسم کے راگ الاپتی رہی۔ اور جس نے ہمیشہ ہی گورنمنٹ کی تعریفوں کے پُل باندھے۔ وہ تو حریت پسند۔ ملک کی خیرخواہ۔ سوراج کی حامی اور آزادی کی دلدادہ ٹھہری اور جنہوں نے برٹش قوم کی بعض واقعی خوبیوں کی تعریف کردی انکو ہندو راجیوں کے دربار سے ٹوڈی۔ حکومت پرست غدار اور ٹریٹر کا خطاب ملا۔ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے؟ خود تو جو چاہیں کہیں اور کریں۔ سب جائز مگر جب مسلمانوں کیطرف سے کوئی اس قسم کا فعل صادر ہو تو وہ پھر بُرے نام کے مستحق ٹھہریں اگر مسلمان اس لئے ٹوڈی اور حکومت پرست ہیں کہ انہوں نے گورنمنٹ کی بعض واقعی خوبیوں کا اعتراف کیا تو ہندو ان سے بھی زیادہ ٹوڈی۔ حکومت پرست بلکہ ٹریٹر ہیں جو دن رات اُٹھتے بیٹھتے گورنمنٹ کے گن گائن کرتے رہے اور اس کے مفاد کو اپنا مفاد سمجھتے رہے اور اسکی حکومت کو ہندو حکومت کا نام دیتے رہے +

گورنمنٹ کی دعوتوں میں حصّہ لینے والے زیادہ تر ہندو ہیں

اور یہ کہنا کہ گورنمنٹ آفیسروں کو ایڈریس دینا۔ سرکاری ڈنر پارٹیوں میں شریک ہونا انکے حقوق پر پانی پھیر دینے والا فعل ہے تو کیوں نہ ہندو بھی ٹوڈی حکومت پرست کہلائے جانے کے ساتھ ہی تمام ملکی حقوق سے محروم کئے جائیں؟ جب ہندو مسلمانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر اس قسم کی باتوں میں حصہ لیتے ہیں تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو ٹوڈی اور ہندوؤں کو حریت پسند کہنا ہندو راجیوں کا کھلا کھلا تعصب نہیں؟

مسلمان تو شاذ و نادر ہی اس قسم کی دعوتوں اور تقریبوں میں شریک ہوتے ہیں مگر بقول راجہ نریندر ناتھ سابق صدر ہندو سبھا پنجاب۔ ہندو تو جوق جوق ایسے کاموں میں شرکت کے لئے جمع ہو جاتے ہیں +

مسلمان نہیں ہندو ہی جوق در جوق گورنمنٹ آفیسروں کو ملنے جاتے ہیں

راجہ صاحب کی گواہی چشم واسے پڑھیئے فرمایا کہ

"پنجاب کے ہندوؤں میں تملق و مدارا کا حامی گروہ کس تعداد میں ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ عام طور پر جب ہندوؤں کی صلاح و فلاح کے سوچنے کے لئے سوالات ہندو سبھا کے جلسوں میں پیش ہوتے ہیں تو اجتماع جلسوں میں کم ہوتا ہے۔ مگر جب کسی حاکم کے پاس ڈیپوٹیشن لے جانا ہوتا ہے یا کسی حاکم کو ایڈریس دینا ہوتا ہے تو جوق در جوق چلے آتے ہیں۔ بلکہ اگر کسی مقتدر شخص کے نام سہواً ڈیپوٹیشن میں شامل ہونے کی دعوت نہ بھیجی جائے تو اس سے شکایت آتی ہے"

(اخبار بندے ماترم لاہور ۶ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء)

پنجاب کے ہندو نمائندوں کی حکومت پرستی

یہ تو ہوئی عام ہندوؤں کی حالت اب ذرا پنجاب کے منتخب ہندو نمائندوں کی حالت ملاحظہ ہو۔ ایڈیٹر پرتاپ لکھتا ہے کہ

"پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ہندو ممبران کی حالت قابل رحم ہے۔ ایک طرف گورنمنٹ سے انہیں رواداری کی کوئی امید نہیں۔ دوسری طرف مسلم کثرت انپر رحم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ سر ایڈورڈ میکلیگن نے جب پنجاب کونسل کے دوسرے اجلاس کا افتتاح کیا تو انکی مسلم نواز پالیسی کے خلاف پروٹسٹ کرتے ہوئے ہندو ممبران اس اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ دیگر، جب سے سر میلکم ہیلی نے پنجاب کی گدی سنبھالی۔ تو اس وقت تک ہندو اپنے کئے پر نادم ہو چکے تھے۔ انہوں نے اس اجلاس کونسل سے جس میں سر میلکم ہیلی نے پہلی بار درشن دئے غیر حاضر ہونے کی جرأت تک نہ کی"

پھر ہندو ممبروں کو مخاطب کرتے ہوئے پرتاپ کا ایڈیٹر کہتا ہے کہ "آپ سر ایڈورڈ اور سر میلکم میں کس بنا پر تمیز کرتے ہیں سوائے اسکے کہ آپ میں اب ہمت نہیں۔ اور آپ نے اپنے تئیں سر میلکم کے قدموں میں ڈال دیا ہے"

پنجاب کے ہندو نمائندے اپنی نجات گورنر کے قدموں میں ہی سمجھتے ہیں

پھر لکھا ہے کہ:۔ سر میلکم کے آتے ہی ہندو ممبران کونسل نے بھی اپنا طرز عمل بدل لیا ہے۔ ان کی کوشش لگاتار حضور ممدوح کی خوشنودی حاصل کرنے کی رہی ہے۔ ان کا سر میلکم کی دی

ہوئی پارٹی میں شامل ہونا۔ ان کا سر میلکم کو خود پارٹی دینا۔ ان کا سلیمان کی ریاست بہاولپور میں سر میلکم کو خوش کرنیکے لئے بھاگے بھاگے جانا۔ جہاں انکی وہ توہین ہوئی جسے وہ بشرطیکہ ان میں کچھ بھی اپنے دھرم لئے پاس ہے کبھی فراموش نہ کرینگے۔ حالانکہ بطور ممبر کونسل وہاں جلنا ان کے لئے ضروری نہ تھا۔ اور سب سے آخر سر میلکم کے ساتھ بیٹھ کر تصویر کھنچوانا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو صاف بتا رہی ہیں کہ ہندو ممبران نے ہتھیار ڈالدیئے ہیں۔ اور انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ گورنمنٹ چاہے منظور کرے چاہے نہ کرے۔ انکی مکتی (نجات) اب اسی میں ہے کہ وہ اس کے پاؤں پڑ جائیں" (اخبار پرتاپ ۲۴ مئی ۲۵ء ص۳)

مسلمانوں پر بے وجہ ٹوڈیت۔ حکومت پرستی۔ اور چاپلوسی کا الزام لگانے والے۔ راجہ نریندر ناتھ اور ایڈیٹر پرتاپ کے محولہ بالا الفاظ کو دیدہ عبرت سے پڑھیں۔ اور بتلائیں کیا ان حالات کی موجودگی میں بھی تم مسلمانوں کو حکومت پرست۔ ٹوڈی اور خوشامدی کہو گے؟

کیا مسلمان بھی کبھی گورنمنٹ کے قدموں میں گرے؟ کیا کبھی مسلمانوں نے بھی اپنی نجات گورنمنٹ کے قدموں میں سمجھی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیوں ہندو راہبر مسلمانوں کے منہ آتے ہیں؟ اور انہیں بلا وجہ مطعون و بدنام کر کے ان کو ملکی حقوق سے محروم کرنے کی سازباز کرتے ہیں؟

سنو اور کان کھول کر سنو مسلمان گورنمنٹ کے اہلکاروں سے اس لئے نہیں ملتے کہ ان کے آلہ کار بنیں۔ ان کے ہاتھ میں کھیلیں۔ یا ان کے ہاتھ مضبوط کر کے ملک سے غداری کریں۔ بلکہ وہ انسانیت کی راہ سے ملتے ہیں۔ چونکہ ان کا

مسلمان کیوں انگریزوں سے ملتے ہیں

مذہب کسی بھی قوم اور ملک کے باشندوں سے الگ تھلگ

رہنے کی تعلیم نہیں دیتا۔ اس لئے وہ ہر ایک سے ملینگے اور اس سے تعلقات قائم کرینگے۔ اپنی کہینگے اور اسکی سنینگے۔ کیونکہ ان کا مذہب چھوت چھات کا حامی نہیں۔ دوسروں سے نفرت کرنا نہیں سکھلاتا اور نہ ہی یہ کہتا ہے کہ غیر مذہب والوں سے ملنے کے بعد کپڑوں سمیت نہاؤ۔ تاکہ تم اس گناہ سے پاک ہو سکو جو اس کے ملنے سے تمہیں لگ گیا تھا۔ مسلمان تو مشرکوں تک سے ملتے ہیں۔ پھر وہ انگریزوں سے کیوں نہ ملیں جبکہ وہ اہل کتاب ہیں۔ جن کے ساتھ ان کا مذہب کھانے پینے اور بیاہ شادی تک کی اجازت دیتا ہے۔ مسلمان بالطبع ملنسار اور مدنی الطبع واقع ہوا ہے اسے کسی قوم یا ملک کے افراد سے ملنے جلنے میں کوئی چیز روک نہیں[۱]

ہندو اپنے دھرم کی رو سے انگریزوں سے نہیں مل سکتے مگر پھر بھی ملتے ہیں

مگر ہندو ایسا نہیں کر سکتا وہ اپنے مذہب کی وجہ سے غیروں سے میل جول بڑھانے ان کے ساتھ کھانے پینے اور رشتہ ازدواج قائم کرنے سے معذور ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ جن کا مذہب انگریزوں

۱؎ کوئی ہمیں ٹوڈی کہے حکومت پرست بتلائے مگر ہم کہیں گے اور ڈنکے کی چوٹ کہیں گے کہ نہ صرف اسوقت مسلمانوں کو انگریزوں سے راہ و ضبط بڑھانا چاہیئے اور انپر زور دینا چاہیئے کہ وہ حسب وعدہ جلد جلد ہمارے ملک کو سوراج عطا کریں بلکہ سوراج حاصل کرنے کے بعد بھی ان سے تعلقات قائم رکھنے چاہئیں اور ان سے راہ و رسم بڑھا کر انپر اپنے مذہب کی خوبیاں ظاہر کرنی چاہئیں۔ ہمیں یقین ہے اور کامل یقین ہے کہ یہ اسلام کا شکار ہیں اور وہ وقت قریب ہے کہ جب یہی قوم اسلام کی سچی خادم اور جان نثار بنکر دنیا میں تاتاریوں کیطرح اسلام کے جھنڈے گاڑ دیگی۔ یہ کام شروع ہو چکا ہے اور عین مرکز تثلیث میں اسکی داغ بیل پڑ چکی ہے اب ہمت کی ضرورت ہے اگر مسلمان ہمت سے کام لیں تو بیڑا پار ہے +

احمدی مہاجر —

سے ملنے جلنے کھانے پینے اور بیاہ شادی تک کی کھلی چھٹی دیتا ہے۔ وہ تو انگریزوں سے اتنے نہیں ملتے۔ مگر جن کا مذہب اس قسم کی تمام باتوں سے باصرار روکتا ہے اس کے پیرو جوق در جوق ایسے کاموں اور تقریبوں میں حصہ لیتے ہیں۔ نہ صرف حصہ لیتے ہیں بلکہ انگریزوں کے ساتھ کھانے پینے اور فوٹو کھنچواتے ہیں بلکہ بقول ایڈیٹر پرتاپ انکے قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ اسی میں اپنی نجات بھی سمجھتے ہیں +

گورنمنٹ کے ساتھ مسلمانوں کے تعاون کی ذمہ داری ہندوؤں پر ہے

اور اگر مسلمانوں کا حکومت کے ساتھ ربط ضبط قابل اعتراض ہی ہو تو اسکی ذمہ داری کس پر ہے؟ کیا مسلمانوں پر؟ نہیں بلکہ ہندوؤں اور صرف ہندوؤں پر۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف گورنمنٹ کے کان بھرے۔ انکے خلاف ان کو بھڑکایا۔ اور متنفر کر دیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کو حکومت کے تمام کاموں سے آہستہ آہستہ الگ کروا دیا۔ اور خود انکی جگہ پاؤں جما لئے +

اگر ہندوؤں کیطرف سے اس قسم کی کارروائیاں ظہور میں نہ آتیں۔ اگر وہ مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کے کان نہ بھرتے۔ اگر وہ گورنمنٹ کے دل میں مسلمانوں کے خلاف جذبات نفرت پیدا نہ کرتے۔ تو ممکن تھا مسلمان اپنی روش کو تبدیل نہ کرتے +

مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ہماری علیحدگی کی پالیسی سے ہندوؤں نے ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے۔ اور ہم دن بدن ذلیل و خوار ہوتے جا رہے ہیں۔ تو انہوں نے بھی کروٹ بدلی +

میل ملاپ کا نتیجہ

اور جب انہوں نے حکام سے ملنا جلنا شروع کیا اور انکو

اپنی کہی اور انکی سُنی۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر بہت سی بدظنیاں دُور ہو گئیں۔ اور وہ مسلمان جو برادرانِ وطن کی ریشہ دوانیوں اور دسیسہ کاریوں کی بدولت گورنمنٹ کی نظروں میں معتوب و مقہور تھے۔ اپنے تلف شدہ حقوق میں سے کچھ نہ کچھ لے گئے ہی رہے۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ باقی حقوق بھی حاصل کئے بغیر نہ رہینگے۔ ہندو رلبے جنہیں ٹوڈی کہیں۔ حکومت پرست بتلائیں مگر اب ان کو ہوش آچکی ہے اور وہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ ان لوگوں کا ہمیں حکومت پرستی کے طعنے دینا کس غرض سے ہے۔ کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ ہندو اگر انگریزوں سے ملیں تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن اگر مسلمان مل بیٹھیں تو ان پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ شروع ہو جائے۔

ہندوؤں کو مسلمانوں کا انگریزوں سے ملنا جلنا کیوں گوارا نہیں؟

اسکی کیا وجہ ہے؟ یہی اور صرف یہی۔ کہ مسلمانوں کا گورنمنٹ سے تعاون اور میل جول ان کے لئے خطرناک ہے کیونکہ اگر مسلمان انگریزوں سے ملتے رہے۔ ان کو اپنی تکالیف کا احساس کرواتے رہے۔ انکو اپنی جائز ضرورتوں کا علم دیتے رہے تو عین ممکن ہے کہ آہستہ آہستہ ان کے سبھی جائز مطالبات پورے ہو جائیں۔ اور مسلمان اپنی آبادی کی بنا پر ملکی انتظام میں حصہ دار بن سکیں۔ مگر ہندو راج کے خواہاں اس کو اپنے لئے سخت مضر سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اگر ان کا کچھ دنوں اسی طرح ربط ضبط رہا۔ تو گورنمنٹ انکے مطالبات تسلیم کر لیگی۔ اور یہ امر ہندو راج کی تحریک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاک میں ملا دیگا۔ اس لئے وہ دن رات اُٹھتے بیٹھتے مسلمانوں پر حکومت پرستی اور خوشامد و چاپلوسی کے طعن کرتے ہیں تاکہ مسلمان چڑ کر حکام سے اپنے تعلقات منقطع کر لیں۔ اور پھر ہندوؤں کو پہلے کیطرح گورنمنٹ سے ملی بھگت کا موقع ملجائے۔ اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں اُس سے منوا کر ہمالیہ کی چوٹی پر ہندو راج کا

جھنڈا گاڑ دیا جائے ✤

لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمان اب انکے داؤ پیچ میں نہ آئینگے اور وہ گورنمنٹ سے تعاون رکھتے ہوئے بھی سوراج کے حصول کیلئے اپنی تمام طاقتیں صرف کر دینگے۔ اور اپنی انتھک کوششوں سے ایک دن اس میں بھی ضرور کامیاب ہونگے ✤

ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کا گورنمنٹ سے میل ملاپ کیوں نہیں بھاتا؟ آخر اس میں ہرج کیا ہے۔ اور اس سے ملک کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ ہاں اگر مسلمان گورنمنٹ سے یہ کہیں کہ ہندوستان سوراج کا مستحق نہیں۔ اسے آزادی نہ دینا۔ تب تو واقعی مسلمانوں سے بڑھ کر ملکی غدار کوئی نہ ہوگا ✤

مسلمان قومی اور ملکی مفاد کے لئے انگریز سے ملتے ہیں

لیکن اگر وہ اپنی ملاقاتوں میں جہاں اسلامی مطالبات کی وضاحت کرتے ہیں وہاں سوراج کی مانگ بھی اُن کے سامنے رکھتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں مسلمانوں کا گورنمنٹ سے میل جول ملک کے لئے مفید ہے نہ کہ مضر؟ ؎۵

بلکہ ہم یہ بھی کہینگے کہ اگر مسلمان گورنمنٹ کے اہلکاروں سے اس لئے ربط ضبط رکھتے ہیں کہ اس طرح ہندؤں کے دانت کھٹے کئے جائیں اور ان کا زور توڑا جائے اور گورنمنٹ کی امداد حاصل کر کے ان کے تمام حقوق تلف کر دیئے جائیں کہ

؎۵ ہم دعوٰی سے کہتے ہیں کہ مسلمان لیڈروں میں سے جو بھی گورنمنٹ سے راہ و رسم رکھتے ہیں۔ ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو گورنمنٹ کو یہ کہتا ہو کہ ہندوستانیوں کو سوراج نہ دیا جائے۔ مگر اسکے بالمقابل کئی ایسے ہندو لیڈر ہیں جو صاف اور صریح لفظوں میں یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ ملک کو مزید اصلاحات کی ضرورت نہیں جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں متعدد حوالجات نقل کر کے اس امر کو واضح کر چکے ہیں۔ احمدی مہاجر

ہمارے نزدیک جو مسلمان بھی اس قسم کی کمینہ خواہشات کو دل میں جگہ دیکر انگریزوں سے ملتا ہے وہ یقیناً یقیناً ذلیل اور بیہودہ شخص ہے اور اس کا کوئی حق نہیں کہ اپنے آپ کو اسلام کیطرف منسوب کرے +

کوئی مسلمان ہندوؤں کو نقصان پہنچانے کیلئے انگریز سے نہیں ملتا

لیکن ہمیں یقین ہے کہ مسلمانوں میں اس قسم کی غلیظ ذہنیت رکھنے والا ایک بھی مسلمان نہیں۔ مگر اسکے مقابل ہندوؤں میں اس قسم کے لوگ کافی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ اور اُن کا انگریزوں سے میل جول اور راہ و ربط محض اسی لئے ہے کہ کسی طرح گورنمنٹ کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کا زور توڑا جائے۔ اور بعد میں انگریزوں کو بھی ہٹا بتلائی جائے۔ اور ان کے بعد یہاں ہندو راج قائم کر دیا جائے۔ اور یہ صرف ہمارا خیال ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اور خود ذمہ وار ہندو لیڈروں کا اپنا اقبال موجود ہے کہ ملک میں ایسے بہت سے ہندو موجود ہیں جو گورنمنٹ سے محض اسی لئے تعاون کئے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اسکی امداد حاصل کر کے مسلمانوں کا زور توڑ دیا جائے۔ اور بعد میں یہاں اپنا راج قائم کیا جائے۔ جیسا کہ ذیل کے اقتباسات سے ہویدا ہے +

ہندوؤں کا تعاون مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے ہے

ایڈیٹر اخبار ورات لکھتا ہے کہ "ہندوؤں میں ایک طبقہ ایسا اٹھ کھڑا ہوا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم نوکر شاہی سے ایک طرف اور مسلمانوں سے دوسری طرف لڑنیکے ناقابل ہیں۔ اس لئے ہمیں بھی مسلمانوں کی تقلید میں نوکر شاہی کے قدموں میں جا بیٹھنا چاہیئے اور نوکر شاہی سے مل کر مسلمانوں کے دانت کھٹے کرنے لازم ہیں اس طبقہ کے ہندوؤں کو اس بات کا بڑا افسوس ہے کہ ان میں کوئی فضل حسین

کیوں پیدا نہیں ہوتا۔ اب کے اسمبلی اور کونسلوں کے انتخاب میں صوبہ پنجاب کے ہندوؤں کی طرف سے اسی سپرٹ کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان کو اب ہندوستان کی بہتری اور آزادی کی طرف کوئی خیال نہیں ہے۔ اگر انکو کوئی خیال ہے تو یہ کہ مسلمانوں سے بڑھ کر نوکرشاہی کی محبت حاصل کریں۔ اور مسلمانوں کو نوکرشاہی کے ساتھ زیادہ رسوخ پیدا کرنے نہ دیں۔ ہندوؤں کے اس طبقہ کے لیڈر صوبہ پنجاب میں لالہ لاجپت رائے بنے ہیں جو مدتوں سے کانگرس کے ساتھ ملکر کام کرتے تھے۔ اور آل انڈیا لیڈر خیال کئے جاتے تھے۔"

لالہ لاجپت رائے کیطرف سے ہندوؤں میں یہ سپرٹ پیدا کرنے کے لئے کانگرس کے خلاف بڑا جہاد کیا ہے۔ اور اس کو ہندوؤں کی نظروں سے گرانے کے لئے اپنا لہو پسینہ ایک کر دیا ہے۔"

(اخبار وراٹ گوجرانوالہ ۷ دسمبر ۲۶ء صفحہ)

یہی نہیں اور بھی سنیئے۔ اور ان نام نہاد دیش بھگتوں کی "حریت پسندی" پر بار بار تعجب کا اظہار کیجیئے *

لالہ لاجپت رائے کا بیان

لالہ لاجپت رائے آنجہانی نے ۱۹۔ اکتوبر ۲۶ء کو انبالہ میں تقریر کرتے ہوئے ہندوؤں سے کہا کہ

"ہندوؤ! اس بات کی پرواہ نہ کرو کہ فلاں شخص حکومت کا گرگا ہے۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اس کے دل میں ہندو قوم کا کتنا درد ہے۔ ہم کو اب ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ہندوؤں کے مفاد کے واسطے حکومت سے ملتے رہیں اور مسلمانوں کی ہر چال پر نظر رکھیں (ہمدم لکھنو ۲۹۔ اکتوبر ۲۶ء صفحہ ۳)

بھائی پرمانند ایم اے لکھتے ہیں کہ ہندوؤں میں ایک گروہ اس خیال کا بھی ہے

جو اپنی قوم کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ

"ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ بھی مسلمانوں کیطرح سرکاری مہربانی (؟) حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔ اور کچھ سرکاری عہدے اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ اور سرکار کے ساتھ ملکر پہلے مسلمانوں کو کمزور کریں۔ اور ہندوؤں کی طاقت بڑھالیں۔ جب اس طرح طاقت بڑھ جائیگی۔ تو پھر سوراج حاصل کرنے کے لئے کوشش کی جاسکتی ہے۔ یہ لوگ بھی اپنے آپ کو پکّا ہندو اور دیش بھگت کہتے ہیں"

(ہندو سنگٹھن اور آریہ سماج صفحہ ۱۵۰)

یہ اقتباس اس قدر واضح۔ صاف اور روشن ہیں کہ جنکی تشریح و توضیح محض تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ ان اقتباسوں کا ایک ایک لفظ ان لوگوں کی تاریک۔ گندی غلامانہ۔ بلکہ منتقمانہ ذہنیت کا آئینہ دار ہے تعجب ہے کہ خود ایسی بیہودہ اور شرمناک ذہنیت رکھتے ہوئے بھی یہ کہہ کر دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور نہیں شرماتے کہ

مسلمان غلامی پسند۔ حکومت پرست۔ سوراج کے بیری اور آزادی کے دشمن ہیں۔ اور گورنمنٹ کے آلۂ کار بنکر اس کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔ کیا اس قسم کے دروغگو ژولیدہ بیان اور کذب و بہتان کے عادی اس قابل ہیں کہ ان کو منہ لگایا جائے یا ان سے کسی خیر کی توقع رکھی جائے؟

کیا ہمارے مسلمان کانگرسی بھائی ہمیں انہی لوگوں سے اشتراک عمل کی دعوت دیتے ہیں؟ جو ایسی گندی اور تاریک ذہنیت کے مالک ہیں۔ اور جو ایک طرف تو اپنے آپ کو قوم پرور۔ حریت پسند۔ اور دیش بھگت کہتے ہیں۔ اور دوسری طرف گورنمنٹ سے بھی ساز باز رکھتے ہیں۔ اور ان کا گورنمنٹ سے تعاون بھی محض اسی لئے ہے کہ کسی طرح اس کی امداد حاصل کرکے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اور یہاں ہندوستانی راج کی بجائے ہندو راج قائم کیا جائے۔

اگر یہ لوگ گورنمنٹ سے پورا پورا تعاون کرتے ہوئے بھی دیش بھگت اور سوراج کے پجاری کہلا سکتے ہیں۔ جن کا تعاون ملک اور سوراج کی خاطر نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ہے۔ تو کیا مسلمانوں کا گورنمنٹ سے تعاون انہیں دیش بھگت۔ حریت پسند۔ اور سوراج کا حامی نہیں ٹھہراتا۔ جبکہ ان کا تعاون ہندوؤں کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ قوم اور ملک کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہے؟

ہندوؤں کی نرالی منطق

ہم انکی اس نرالی منطق کو آجتک نہ سمجھ سکے کہ اگر ان کے گوکھلے۔ ان کے تلک۔ ان کے گاندھی۔ ان کے نہرو۔ ان کے مالوی۔ ان کے شاستری۔ ان کے پٹیل۔ ان کے لاجپت۔ ان کے مونجے۔ ان کے سپرو اور جیکر۔ ان کے کیلکر اور آئینگر۔ ان کے نائیڈو اور پرمانند۔ گورنمنٹ اور اس کے آفیسروں سے میل جول رکھیں۔ گورنمنٹ کی دعوتوں میں شریک ہوں اسکی پارٹیوں کا لطف اٹھائیں اور حکام کے ساتھ بیٹھ بیٹھ کر فوٹو کھنچوائیں۔ اور ذرا ذرا سی بات کے لئے شملہ۔ دہلی۔ نینی تال بمبئی وغیرہ کے گورنمنٹ ہوس کے چکر لگائیں تو وہ حریت پسند۔ ملک کے خیر خواہ اور دیش بھگت کہلائیں لیکن اگر بعض مسلمان لیڈر ملکی مفاد کی خاطر گورنمنٹ اور اس کے کارندوں سے ملیں جلیں تو وہ ٹوڈی حکومت پرست اور ملک کے بدخواہ قرار دیئے جائیں؟

اگر ان کے مشہور اور قدیم لیڈر (ماڈریٹ پارٹی کے) اعلان کریں کہ

"ہم کو اعتماد اور بھروسہ سے کونسلوں میں کام شروع کرنا چاہیئے۔ افسران کیطرف اعتماد کی نظر رکھنی چاہیئے۔ ملکی ضروریات اور تکالیف کو حکام کے سامنے رکھنا چاہیئے۔ اور ان کو اپنے نقطۂ خیال کیطرف لانا چاہیئے لیکن اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو گورنمنٹ کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالنا نہیں چاہیئے۔ صدق دل سے گورنمنٹ

کے ساتھ ملکر کام کرنا چاہیئے" (ینگ انڈیا بندے ماترم ۲۴-جولائی ۱۹۲۰ء)

تو ان پر ٹوڈی - حکومت پرست - ٹریٹر اور غدار کے آوازے نہ کسے جائیں مگر جب
مسلمانوں میں سے کوئی شخص اس قسم کی باتیں زبان پر لائے تو جھٹ اسے طرح طرح کے
بُرے خطاب دیدیئے جائیں؟

اگر تلک مہاراج یہ کہہ دیں کہ

"اگر گورنمنٹ ہمارے مفاد کو مدنظر رکھ کر ہماری درخواست پر دھیان دیتی ہے
اور ہمارے ساتھ ملکر کام کرتی ہے تو زہے قسمت ہم کو مل کر کام کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر
گورنمنٹ کوئی ایسا کام کرنا چاہتی ہے جو ہماری بہتری کے خلاف ہو تو ہم کو اسکی مخالفت
کرنا چاہیئے۔ یعنی جہاں تک ہمارے مفاد اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم گورنمنٹ
سے ملکر کام کریں وہاں تک ملکر کام کرنا چاہیئے۔ لیکن جہاں ہمارے مفاد کا تقاضا ہو کہ
گورنمنٹ کی مخالفت کی جاوے اس کے راستہ میں روکاوٹ پیدا کی جاوے۔ وہاں
مخالفت کرنی چاہیئے" (بندے ماترم ۲۴-جولائی ۱۹۲۰ء)

تو انہیں مہاتما - دیش بھگت - ملک کا بے تاج بادشاہ - اور خدا جانے کیا کیا
خطاب دیئے جائیں - مگر جب اس قسم کے اعلان خلافت کمیٹی مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء
وغیرہ اسلامی انجمنوں کیطرف سے ہوں تو انہیں ٹوڈیوں کا جتھا - حکومت پرستوں کی
منڈلی اور بدخواہان ملک کا خطاب دیا جائے - خود تو اصلاحات تک سے انکار کر دیں
اور گورنمنٹ سے گڑگڑا کر درخواستیں کریں کہ مزید اصلاحات سمندر پار رکھے مگر
مسلمانوں کو ملک کا دشمن قرار دیں - ان کا اپنا طرز عمل تو یہ ہو کہ صوبوں کے گورنروں تک
کے قدموں میں سر رکھ دیں - لیکن اگر کوئی مسلمان ملک و ملت کے ترجمان کی حیثیت سے گورنمنٹ
کے ذمہ دار اہلکاروں سے جا کر ملے تو اسے حکومت پرست بتلایا جائے - ان میں سے
بعض تو گورنمنٹ سے اس لئے محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہیں کہ اسکی امداد سے مسلمانوں کو کچل

رکھ دیا جائے مگر جب مسلمان محض ملکی مفاد کی خاطر گورنمنٹ سے میل جول بڑھائیں تو انہیں آزادی کا دشمن اور گورنمنٹ کا آلہ کار کہا جائے ÷

ہم انصاف پسند اور شریف الطبع ہندوؤں سے پوچھتے ہیں کہ اس منافقت اور بیہودگی کی بھی کوئی حد ہے۔ آخر یہ لوگ کب تک اس قسم کی چالاکیوں اور روسیاہیوں سے کام لیتے رہیں گے۔ اور کب ان میں صلاحیت پیدا ہوگی۔ اور یہ دوسروں کو مطعون و بدنام کرنے سے اجتناب کرینگے ؟ کیا ان کے داؤ پیچ اور چالاکیوں کا خاتمہ نہ ہوگا اور یہ بدستور مسلمانوں کو بدنام کرنا ہی ملک اور قوم کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے رہینگے ؟ اور ان کو ملکی حقوق سے محروم کرنے کے لئے یونہی دنیا کی آنکھوں میں خاک دھول ڈالتے رہیں گے ؟

ہم جانتے ہیں کہ شریف ہندو۔ ان لوگوں کی بیہودگی سے خود بھی متنفر ہیں۔ مگر انہیں چاہیئے کہ ہمت سے کام لیں اور انہیں سمجھائیں کہ وہ اس قسم کی بیہودگی سے باز آجائیں۔ کیونکہ انکی یہ روش نہ صرف یہ کہ غیر شریفانہ ہے بلکہ قوم اور ملک کے لئے بھی سخت مہلک اور تباہ کن ہے اور ہمیں امید ہے سلیم المزاج ہندو ہماری درخواست پر توجہ فرمائیں گے ÷

مُسلمان کیوں نہیں کانگرس سے اشتراک عمل کرتے ؟

باقی رہا یہ کہنا کہ :۔
اگر مسلمانوں کو سوراج کی حقیقی تڑپ ہوتی تو یہ گورنمنٹ سے تعلقات بڑھانے کی بجائے ملک کی مشترکہ اور حقیقی نمائندہ انجمن انڈین نیشنل کانگرس کی تحریک

آزادی میں حصہ لیتے۔ اور ہندوؤں کے دوش بدوش کھڑے ہوکر گورنمنٹ کا مقابلہ کرتے۔ اور ملک کو اغیار کی غلامی سے نجات دلواتے ؂

سوراج کی تڑپ اور کانگرس سے تعاون لازم ملزوم نہیں

سو اس کے متعلق بھی ہم عرض کر دیں کہ سوراج کی حقیقی تڑپ اور کانگرس سے اشتراکِ عمل کوئی لازم ملزوم امر نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص یا قوم۔ کانگرس کے موجودہ طریق کار کو۔ حصول سوراج کے لئے موزون اور مفید نہ جانے۔ اور اس مقصد کے لئے کوئی اور ہی طریق استعمال میں لانا ضروری سمجھے اور اسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے گورنمنٹ پر دباؤ ڈالے کہ وہ اپنے مؤثق وعدہ سوراج کو جلد سے جلد پورا کرے۔ تو کیا ایسے شخص یا ایسی قوم کے متعلق یہ فتویٰ دیا جاسکتا ہے کہ اس کے دل میں سوراج کی حقیقی تڑپ نہیں؟

کانگرس سے الگ رہ کر بھی سوراج کی کوشش ہوسکتی ہے

سوراج کی حقیقی تڑپ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کانگرس کے طریق کار کو بھی درست سمجھے۔ اور اُسی کو اپنے لئے دلیل راہ بنائے جو لوگ یا جماعتیں سمجھتی ہیں کہ پُرامن ذرائع کو کام میں لاتے ہوئے بھی گورنمنٹ کو وعدہ ایفائی پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ کیا ان اشخاص یا جماعتوں کے متعلق یہ کہنا روا ہوگا کہ ان میں آزادی کا جذبہ نہیں پایا جاتا؟

اگر بعض افراد یا جاتیاں ملک اور قوم کی بہتری اسی میں سمجھتی ہیں کہ گورنمنٹ سے تعاون کیا جائے۔ اور اس کے ذمہ وار کارکنوں سے مل کر انہیں ملک کی حقیقی خواہشات و ضروریات سے واقف کیا جائے۔ اور دلائل و واقعات کی بنا پر انپر

ثابت کر دیا جائے کہ ملک کو آزادی سے محروم رکھنا اب کسی صورت میں بھی مفید نہ ہوگا لہذا۔ اسے جلد سے جلد آزادی کا پروانہ ملنا چاہیئے تو کیا اس خیال کے افراد یا جماعتوں کے بارہ میں یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ ان کے اندر آزادی یا سوراج کے لئے کوئی تڑپ یا جوش نہیں؟ یا وہ ٹوڈی۔ حکومت پرست۔ غدار اور دیش گھاتک ہیں؟ پس اگر مسلمان۔ اور دوسری کئی قومیں کانگرس کو ملک کی مشترکہ[۱] انجمن نہ سمجھ کر اس سے اشتراک عمل نہیں کرتیں یا اس کے طریق کار کو ناپسند کرتی ہوئیں اپنے طور پر حصول سوراج میں کوشاں ہیں۔ تو ان کو ملک کا بدخواہ۔ آزادی کا مخالف اور سوراج کا دشمن نہیں کہا جا سکتا ❖

اگر کانگرس سے علیحدگی ملک کی بدخواہی ہے تو اور بیسیوں قومیں کانگرس سے الگ ہیں

لیکن اگر ہندو راجیوں کے نزدیک جو شخص کانگرس کا ممبر نہیں اور اس کے طریق کار کو بھی اچھا نہیں سمجھتا وہ واقعی ملک کا بدخواہ اور آزادی کا دشمن ہے تو پھر اس قسم کی طعن بازی کا تختۂ مشق صرف مسلمانوں ہی کو کیوں بنایا جاتا ہے؟ کیا ہندوستان برہمنوں کا کثیر حصہ کانگرس سے علیحدہ نہیں؟ ہندوستان کے اکثر عیسائی کانگرس سے علیحدہ نہیں؟ سکھوں کا بیشتر حصہ کانگرس سے علیحدہ نہیں؟ پارسیوں کی غالب تعداد کانگرس سے علیحدہ نہیں۔ کانگرس کے پرانے کارکن۔ سر سپرو۔ چنتامنی۔ جیکر۔ شاستری جیسے بہت سے بلند پایہ ہندو ماڈریٹ کانگرس سے علیحدہ نہیں؟ نوجوان بھارت سبھا والے کانگرس کی مخالفت نہیں کرتے؟

[۱] ہم آگے چل کر کانگرس اور اس کے ہندو لیڈروں کے طرز عمل سے ثابت کریں گے کہ یہ قطعاً ملک کی مشترکہ انجمن کہلانے کی مستحق نہیں۔ کیونکہ اس نے ہمیشہ ہی ہندو مفاد کو مدنظر رکھا ہے۔ اور صرف اسی کو تقویت پہنچانے میں اس کی کوششیں وقف رہی ہیں۔ احمدی مہاجر۔

کرتی کسان اور دوسرے اشتراکی خیال کے ہندو کانگرس کی پھبتیاں نہیں اڑاتے؟ انتہا پسند نوجوان۔ ہال پسٹل باز اور بم ساز نوجوان گاندھی اور کانگرس کا مضحکہ نہیں اڑاتے؟ اور تو اور کیا خود ہندو مہاسبھا کے کئی ممبر کانگرس سے الگ تھلگ نہیں رہتے؟ پھر ان بہت سے مختلف الخیال گروہوں۔ قوموں۔ فرقوں۔ سبھاؤں اور انجمنوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف مسلمانوں ہی کو ہدف طعن بنانا اور انہیں کو طرح طرح کے برے ناموں سے یاد کرنا۔ اور انکو ٹوڈی۔ حکومت پرست ملک کا بدخواہ۔ آزادی کا دشمن کہہ کہہ کر دنیا کی نظروں میں رسوا کرنے کی سعی ناپاک کرنا کسی حال میں بھی جائز ہو سکتا ہے؟

متفقہ کوششیں زیادہ مفید ہیں

ہم جانتے ہیں کہ اگر ہندو۔ مسلمان۔ اچھوت۔ عیسائی۔ سکھ۔ پارسی اور دوسری قومیں اپنے اپنے طور پر سوراج کے لئے کوشش کرینگی تو انہیں اتنی کامیابی نہ ہوگی جو کہ ان سب کی مشترکہ و متحدہ کوششوں کی بدولت ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہم سمجھتے ہیں کہ جبتک ہندوستان کی سبھی قومیں کسی مشترکہ پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو کر سوراج کے لئے آواز بلند نہ کرینگی۔ اسوقت تک وہ اپنے دلی مقصد اور حقیقی تمنا میں پوری طرح کامیاب نہ ہونگی۔ اور ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ جس چیز کو حاصل کرنے کے لئے الگ الگ کوشش کی جائیگی وہ اگر سالہا سال کے بعد ملیگی تو مشترکہ سعی سے وہی چیز چند ماہ میں حاصل ہو سکتی ہے۔

اکثریت کو متفقہ کوشش کا احساس نہیں

مگر مصیبت تو یہ ہے کہ ملک کی غالب اکثریت اس حقیقت کو نظر انداز کئے بیٹھی ہے۔ اور نہیں چاہتی کہ ہندوستان کی سبھی قومیں ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنی متحدہ و متفقہ کوششوں سے ملک کو آزادی سے ہمکنار۔

ہونے کا موقعہ دلائیں۔ ملک کی اکثریت یہ خواہش تو ضرور رکھتی ہے کہ مسلمان۔ اچھوت عیسائی۔ پارسی۔ اور دوسری قومیں اس کے ساتھ مل کر سوراج کے حق میں آواز بلند کریں مگر وہ یہ نہیں چاہتی کہ سوراج میں ان کا بھی کچھ حصّہ ہو +

کہا جائے گا کہ یہاں اکثریت کا کیا سوال؟ سوال تو صرف یہ ہے کہ مسلمان کانگرس کے ساتھ کیوں اشتراک عمل نہیں کرتے۔ اور وہ کیوں اپنی علیحدگی کے باعث سوراج کو دُور سے دُور تر کئے دیتے ہیں +

مگر ہم اس سوال کا جواب اوپر دے آئے ہیں اور بتلا چکے ہیں کہ انکی علیحدگی کا باعث کیا ہے لیکن باوجود جواب دیدینے کے پھر بھی ہم یہاں تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کئے لیتے ہیں کہ کانگرس سے مسلمانوں کی علیحدگی سوراج کو دُور سے دُور تر بنا رہی ہے۔ اور ہم اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ

"مسلمانوں کی علیحدگی کانگرس نے سوراج کو دُور کر دیا"

"اگر مسلمان شروع ہی میں کانگرس کے اندر شامل ہو جاتے۔ تو آج ہندوستان کی حالت زیادہ بہتر ہوتی" ملاپ ۱۵۔ اگست ۲۳ء ص ۲ بلکہ پنڈت مالویہ صاحب کے اس قول کو بھی صداقت پر مبنی سمجھتے ہیں کہ۔

ہندو مسلمانوں کو الگ رکھ کر سوراج نہ لے سکے

"۱۸۸۶ء سے جب سے کہ کانگرس قائم ہوئی ہے۔ ہم (کانگرسی مہا سبھائی ہندو) حکومت خود اختیاری کے لئے شور مچا رہے ہیں لیکن ہمارے حسب خواہش ہمیں اب تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی" (ہمدرد دہلی ۲۰۔ اپریل ۲۵ء ص ۵)

اور ساتھ ہی اس کے "اکثر ہندوؤں کے اس خیال" سے بھی اتفاق کرتے ہیں کہ

مسلمانوں کے بغیر ہندو قربانیاں کرنے پر بھی سوراج نہ لے سکے

"سوراجیہ ہندوستان کو اسوقت تک نہیں مل سکتا۔ جب تک کہ ہندو مسلمان مل کر اس کے لئے جدوجہد نہ کریں۔ (کیونکہ) ہندوؤں نے کافی قربانیاں کیں۔ مگر انکی کوئی پیش نہیں گئی"

(تیج دہلی ۲۳۔ اگست ۱۹۲۹ء)

مگر سوال یہ ہے کہ اسکی ذمہ داری کس پر ہے؟ کیا مسلمانوں پر؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان اگر کانگرس سے دُور دُور نہ رہتے تو سوراج کبھی کا مل گیا ہوتا۔ وہ بتلائیں تو سہی آخر مسلمانوں کی اس علیحدگی اور دوری کا باعث کون ہے؟

مسلمانوں کی علیحدگی کا باعث ہندو ہیں

کیا خلافت کمیٹی۔ مسلم لیگ یا مسلم کانفرنس؟ نہیں بلکہ آریہ سماج۔ سناتن دھرم سبھا۔ ہندو مہاسبھا اور کانگرس ہی انکی علیحدگی کا باعث ہیں۔ حقیقت میں ہندوؤں کی ان مختلف سبھاؤں اور سوسائٹیوں کا طریقِ عمل ہی مسلمانوں کو کانگرس سے الگ تھلگ رہنے کا موجب بنا ہے۔ کیونکہ اگر ہندوؤں کی ان فرقہ وار انجمنوں کا نصب العین ہندو راج۔ نہ ہوتا۔ اگر یہ سوراج کی بجائے ہندو اقتدار کی خواہشمند نہ ہوتیں۔ اگر یہ ملکی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح نہ دیتیں۔ اگر یہ قدم قدم پر صرف اپنی ہی جاتی اور قوم کی بہبودی کا خیال نہ رکھتیں بلکہ ان کے مدِنظر سبھی قوموں اور جماعتوں کا مفاد ہوتا تو آج یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ کہ چونکہ مسلمان کانگرس سے علیحدہ ہیں لہذا سوراج بھی دُور تر ہو گیا ہے۔

اس میں قطعاً کوئی کلام نہیں کہ اگر شروع ہی میں مسلمان کانگرس کے ساتھ ہو جاتے اور سوراج کے لئے متحدہ آواز اُٹھائی جاتی تو سوراج اِس وقت تک ضرور مل گیا ہوتا اور ایسی حالت میں پنڈت مالوی صاحب کو حسرت بھرے لفظوں میں یہ کہنے کی ضرورت

ہی نہ پڑتی کہ ہم ۱۹۰۶ء سے حکومت خود اختیاری کے لئے شور مچا رہے ہیں مگر ہمیں اب تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر اس توقف اور رویہ کے ذمہ وار مسلمان نہیں بلکہ وہ ہندو افراد اور سبھائیں ہیں جو سوراج کے پردے میں ہندو راج کی خواہاں ہیں اور جو نہیں چاہتیں کہ ہندو کے سوا کوئی اور قوم بھی سوراج کی حصہ دار بنے ٭

ہم جانتے ہیں کہ حقائق پر پردہ ڈالنے کے خوگر ہمارے محررہ بالا الفاظ کو غلط قرار دینگے مگر انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم بے بنیاد اور بے اصل باتیں کہنے کے عادی نہیں۔ بلکہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اسکی تائید میں تمہارے ہی لیڈروں۔ ایڈیٹروں اور مضمون نگاروں کی تحریروں اور تقریروں سے سندیں پیش کیا کرتے ہیں۔ اور ہمارا یہ بیان تو کسی سند اور دلیل کا محتاج بھی نہیں۔ کیونکہ یہ امر دو اور دو چار کیطرح ثابت ہو چکا ہے کہ ہندو جو کچھ بھی کر رہے ہیں محض ہندو راج کے لئے ہے۔ اور اب یہی ان کا نصب العین۔ آئیڈل اور معراج ہے۔ تجاہل عارفانہ سے کام لینے والے ہندو رلیڈر خود ہی بتلائیں کیا سناتن دھرم سبھا کے بلند پایہ لیڈر پنڈت مدن موہن مالوی کے نزدیک سوراج سے مراد ہندو راج نہیں؟ کیا آریہ سماج کے قیام کا مقصد ویدک راج نہیں؟ کیا ہندو مہاسبھا کی کوششیں ہندو راج کے لئے وقف نہیں؟ کیا کانگرس کے ہرتا کرتا گاندھی جی۔ رام راج کے گیت نہیں گاتے؟

ممکن ہے ایسی روشن اور بیّن حقیقت سے بھی انکار کیا جائے۔ اس لئے ہم چند سندیں پیش کر دیتے ہیں۔ جو ہمارے بیان کی حرف بحرف تائید کرینگی ٭

پنڈت مالوی کا اعتقاد کہ سوراج ہندو راج ہوگا

مسٹر سی۔ ایس رنگا آئر نے نگینہ میں ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۶ء تقریر کرتے ہوئے پنڈت مدن موہن مالوی کا اعتقاد و خیال ان لفظوں میں بیان کیا تھا کہ

"مالوی جی کا اعتقاد ہے کہ سوراجیہ ہندو راج ہوگا۔ مگر اس کے باوجود وہ

اسی واحد انسٹی ٹیوشن (کانگرس) کی مخالفت کر رہے ہیں۔ جو دیش میں حصول سوراجیہ کے لئے مصروف کار ہے۔ سوراجیہ کے معنے اکثریت کا راجیہ ہے۔ اور اسکی "ہندو سنگٹھن" کی بہی بڑی خدمت ہو سکتی ہے۔ کہ انڈین نیشنل کانگرس کو جس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے مضبوط استوار کیا جائے"۔ پرتاپ ۳۱ اکتوبر ۲۶ء ص

آریہ سماج کا مقصد آریہ راج قائم کرنا ہے	ایڈیٹر تیج نے لکھا تھا کہ "ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ قابل اعتراض بات کیا ہے؟ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے۔ آریہ سماج ایک مشنری دھرم ہے۔ اس کا اودیش (مقصد) سارے

سنسار (عالم) کو آریہ بنانا ہے۔ اندریں حالات ہم نہیں سمجھتے کہ یہ آشا (امید) کرنا کیا گناہ ہے کہ ہندوستان میں آریہ راجیہ کی ستھاپنا (قیام) ہو"

(تیج دہلی ۹ ستمبر ۲۷ء ص)

ہندو مہاسبھا کی تیاری ہندو راج کے لئے	ہندوؤں کے "محب وطن لالہ ہردیال جی ایم اے (جو) ایک آیڈل نیتا (لیڈر) ہیں" (ملاپ ۳۰ جون ۲۵ء ص ۶)

اخبار ملاپ میں ہندوؤں کی ترجمانی کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ "ہندو سنگٹھن کے ذریعہ سے ہندو راج کے لئے تیاری کرنا ہمارا کام ہے"

(ملاپ ۲۵۔ جون ۲۵ء ص ۶)

کانگرسی لیڈر گاندھی جی کے نزدیک بھی سوراج۔ رام راج ہوگا	سبھی خیال اور مذاق کے ہندوؤں کے مسلمہ لیڈر گاندھی جی بھی بارہا فرما چکے ہیں کہ

"سوراجیہ کے چاہے کتنے ہی معنے لوگوں کو بتاؤں۔ پھر بھی میرے نزدیک سوراجیہ

کا ایک ہی معنی ہے اور وہ ہے رام راجیہ الخ" (پرتاپ ۲۷ مارچ سنہ ۳۰ء صفحہ ۶)

یہی نہیں اور بھی اس قسم کے متعدد اقبالی بیان نقل کئے جا سکتے ہیں مگر یہ جاننے کے لئے کہ ہندوؤں کے ہر طبقہ ہر خیال اور ہر مذاق کے آدمی ہندو راج ہی کے خواہاں ہیں یہ اقبالی شہادتیں بھی کافی سے وافی ہیں +

کیا مسلمان ہندوؤں سے ملکر ہندو راج کیلئے کوشش کریں؟

اب ان بیانات کی موجودگی میں ہمیں بتلایا جائے کہ کس طرح مسلمان سیاسی معاملات میں ان لوگوں کے ساتھ اشتراک عمل کر سکتے ہیں جو صریح اور صاف لفظوں میں اعلان کر چکے کہ ہمارا مقصد اور مدعا ہندوستانی راج نہیں بلکہ ہندو راج ہے +

کیا مسلمان ان لوگوں کی تحریک میں شامل ہو کر ہندو راج کیلئے کوشاں ہوں؟ اور انگریزوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ ملک کی غالب اکثریت کو من مانی کارروائیاں کرنے کے لئے سبھی اختیار سونپ دے۔ تاکہ یہاں اکثریت کا راج قائم ہو جائے؟

مسلمان بری الذمہ ہیں

وہ لوگ جو دن رات مسلمانوں کو بدنام کرنیکے لئے یہی رٹ لگائے رہتے ہیں کہ ملک کو سوراج ملنے میں اس لئے دیر ہو رہی ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ ملکر ملکی تحریکوں میں حصہ نہیں لیتے۔ وہ ذرا بتلائیں تو سہی۔ کیا مسلمانوں کا ہندوؤں کی اس طور کی سیاسی تحریکوں سے الگ رہنا اُن پر کسی قسم کی ذمہ واری عائد کر سکتا ہے؟ کیا اس قسم کے مذموم نصب العین رکھنے والی قوم کی سیاسی تحریکوں میں مسلمانوں کی عدم شمولیت انکو ہر قسم کے اعتراضوں سے مبرا نہیں ٹھہراتی؟

ہاں مسلمانوں کو اُسوقت ملزم گردانا جا سکتا تھا جبکہ کانگریس۔ہندو مہا سبھا اور ہندوؤنکی دوسری سیاسی انجمنوں کا نصب العین ہندو راج کی بجائے خالص سوراج ہوتا۔مگر جب ہندوؤں کی ہر ایک سبھا۔ ہر ایک سوسائٹی اور انجمن اپنا منتہائے مقصود ہندو راج قرار دے بیٹھی ہو تو ایسی حالت میں کس طرح مسلمان اور دوسری قومیں ہندوؤنکی سیاسی ایجی ٹیشن میں حصہ لیکر ان کے فرقہ وارانہ مقاصد کو تقویت پہنچانے پر آمادہ ہو سکتی ہیں؟ پس وہ ہندو راجسٹ جو مسلمانوں کو انکے حقوق سے محروم کرنے کے لئے یہ کہہ کہہ کر دنیا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ سوراج تو کبھی کا مل گیا ہوتا۔مگر یہ مسلمان ہی ہیں جو ہمارے ساتھ اشتراک عمل نہ کرکے اسکو دُور سے دُور تر کئے دیتے ہیں۔آیندہ کے لئے اس قسم کے مغالطہ دہ پروپیگنڈے سے باز آجائیں +

سوراج میں دیر کا باعث ہندو ہیں

کیونکہ سوراج کو دُور سے دُور تر کرنے کا باعث مسلمان نہیں بلکہ وہ ہندو راجئے ہیں جو انگریزوں سے محض اس لئے اُلجھتے ہیں کہ وہ ہر قسم کا اقتدار اور اختیار ہندوؤں کے سپُرد کر دیں۔اور ہندوستان میں اور جسقدر بھی قومیں آباد ہیں وہ ہندو اکثریت کی غلام بنکر رہیں +

ہندو راجیوں کو انتباہ

مگر ہندو راج کے خواہشمندوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ انکی یہ مذموم ذہنیت اور قابل صد نفرت کارروائیاں نہ صرف یہ کہ ان کے نصب العین میں انہیں کامیاب نہ ہونے دینگی بلکہ انکی وجہ سے ملک بھی آزادی سے دُور جا پڑے گا۔اور وہ ہندوستان جو مدت سے آزادی کے لئے ترس رہا ہے انکی بے راہ روی کے باعث اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے گا۔اور اس قسم کی غلیظ ذہنیت رکھنے والوں پر آیندہ نسلیں بھی

لعنت بھیجینگی ؎

پس ہندو راجیئے اپنی کثرت پر نازاں نہ ہوں۔ اب ملک کی دوسری قومیں بھی بیدار ہو رہی ہیں۔ اور انہیں ہندو راجیوں کے نصب العین اور حقیقی ارادوں کا علم ہو چکا ہے۔ اور جسوقت بھی وہ منظم ہو کر میدانِ عمل میں اُتر آئیں اسوقت وہ ہندو راج کی ساری سکیم کو ہی تہ و بالا کر دینگی۔ اور مہاسبھائیوں کا وہ تمام پروگرام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا جسکو سالہا سال سے عملی جامہ پہنانے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ اور ان حالات میں اگر سوراج ملنے میں دیر ہوگی تو اسکی تمام تر ذمہ داری ہندو راجیوں پر ہوگی۔ کیونکہ مسلمان اور دوسری قومیں اس بات کی ایک لمحہ کے لئے بھی روادار نہیں کہ وہ انگریزوں کی ماتحتی سے نکل کر ہندوؤں کی غلام بنجائیں۔ اور اپنے لئے ابد الآباد تک کا عذاب[1] سہیڑ لیں" ؎

سوراج تبھی ملیگا جبکہ باہمی اتحاد ہوگا

ہم سمجھتے ہیں کہ اس موقعہ پر وہ برادرانِ وطن جو واقعی انصاف پسند۔ روادار اور صحیح معنوں میں دیش بھگت کہلائے جانے کے مستحق ہیں یہ کہے بغیر نہ رہیں گے کہ جب یہ مسلمہ امر ہے کہ حصول سوراج کے لئے مسلمانوں۔ ہندوؤں اور دوسری قوموں کی انفرادی

[1] ہمارا ہندو راج کو عذاب کے نام سے تعبیر کرنا امر واقعہ ہے۔ خدا تعالےٰ نے توفیق دی تو رسالہ ہذا کے چوتھے حصہ میں انہی کے ویدوں شاستروں۔ سمرتیوں۔ سوتر گرنتھوں۔ نیتی پستکوں۔ رامائن مہابھارت اور دوسری بہت سی قدیم و جدید ہندو تواریخوں سے یہ امر ثابت کر کے دکھائینگے۔ اس رسالہ کا نام ہوگا "ہندو راج کیا ہے" احمدی مہاجر

کوششیں مفید نتیجہ خیز اور کامیاب ہو سکتی ہیں۔ تو ایسی حالت میں کیوں نہ ملک کی سبھی قومیں مل کر ایک متحدہ پلیٹ فارم تجویز کریں۔ اور سوراج کے لئے پوری قوت سے آواز بلند کریں تاکہ ہم بھی لذت آشنائے آزادی ہوں۔ اور ہمارا دیش بھی آزاد ممالک کی صف میں کھڑا ہونے کا اعزاز پائے ۔

سو ایسے محب الوطن۔ دیش ہتیشیوں کے جواب میں ہم یہی عرض کرینگے کہ بیشک آپ کا فرمانا درست اور بجا ہے اور یہی وہ بات ہے جسکو ہم نے شروع صفحات میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ اور ہم دل سے اس امر کے خواہشمند ہیں کہ وہ دن جلد آئے۔ جبکہ ہر فرقہ اور خیال کے لوگ اپنے اختلافوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور سب کے سب مل کر متحدہ طور پر ملک کی آزادی کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ جب تک ایسا نہ کیا جائے گا اسوقت تک ملک کو حقیقی آزادی نصیب نہ ہوگی۔ مگر ساتھ ہی اسکے ہم یہ بھی کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ اس قسم کا اجتماع اور اتحاد نہ تو مسلمانوں کے بس کی بات ہے

ہندو مسلم اتحاد باہمی ہندوؤں کے اختیار میں ہے

اور نہ کسی دوسری قوم کے اختیار میں۔ یہ بات تو ہندو اکثریت کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اگر چاہے تو ملک کی سبھی قومیں ایک نکتہ پر جمع ہو سکتی ہیں۔ اور سوراج کے لئے اپنی متفقہ کوششوں کو بروئے کار لا سکتی ہیں۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ ابھی تک ملک کی اکثریت نے اس طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ حالانکہ مسلمان سالہا سال سے چیخ رہے اور بارہا توجہ دلا چکے ہیں کہ اگر اکثریت ملک کو آزاد کروانے کی متمنی ہے۔ اگر وہ سوراج کی خواہش رکھتی ہے۔ اور یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان بھی آزاد ممالک کی صف میں کھڑا ہو سکے۔ تو وہ ہندوستان کی دوسری قوموں کیطرف اتحاد کا ہاتھ بڑھائے۔ انکے حقوق کو تسلیم کرے۔ اور انہیں یقین دلائے کہ سوراج ملنے پر ان کے حقوق ہر طرح محفوظ ہونگے۔ اگر وہ ایسا کرے تو پھر دیکھئے گا۔ اسکی ایک ہی آواز پر مسلمان

اچھوت۔ عیسائی۔ پارسی اور دوسری تمام قومیں لبیک کہتی ہوئیں گورنمنٹ کو وعدہ ایفائی پر مجبور کرتی ہیں یا نہیں؟

یہ غلط بات ہے کہ گورنمنٹ سوراج دینے میں آنا کانی کرتی ہے۔ کیونکہ جب ملکہ وکٹوریہ۔ انکے جانشین اور برٹش ایمپائر کے اور بہت سے ذمہ وار رکن بار ہا اعلان کر چکے ہیں کہ جسوقت بھی ہندوستانی اپنے اندر ملک کے انتظام وانصرام کی اہلیت پیدا کر لینگے۔ اُسی وقت انہیں سوراج دے دیا جائے گا۔ تو ایسی حالت میں یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ ہی ملک کو سوراج دینے میں دیر کر رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سوراج ملنے میں دیر ہو رہی ہے مگر یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ اس دیر کی وجہ کیا ہے؟

کیا اس لئے دیر ہو رہی ہے کہ گورنمنٹ اپنے وعدہ سے پھر گئی۔ نہیں یہ بات نہیں بلکہ اس دیر کا باعث یہ ہے کہ ابھی تک خود ہندوستانیوں نے ہی اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل ثابت نہیں کیا۔ لیکن جیسا کہ ہم شروع صفحات میں ہندو لیڈروں اور انگریز مدبروں کی بہت سی تحریریں نقل کرتے ہوئے بتلا چکے ہیں۔ ہندوستانیوں میں اس قسم کی اہلیت پیدا ہو سکتی ہے بشرطیکہ ہندو اور مسلمانوں میں اتحاد ہو جائے۔ انکے اختلاف مٹ جائیں اور وہ ایک دوسرے کو شک اور شبہ کی نظروں سے دیکھنا چھوڑ دیں اور ساتھ ہی اکثریت اقلیتوں کے جائز اور واجبی حقوق کو تسلیم کرے۔ اور انہیں یقین دلائے کہ سوراج ملنے پر انکے حقوق ہر طرح محفوظ رہیں گے +

لیکن جب تک اکثریت دوسری قوموں کیطرف صلح کا ہاتھ نہ بڑھائے انکے حقوق تسلیم نہ کرے۔ اور انہیں اطمینان دلانے کی قطعًا کوشش نہ کرے۔ اُسوقت تک سوراج کا خیال بھی نہ لانا چاہیئے +

اس میں شک نہیں کہ ہندو اور مسلمانونکی انفرادی کوششوں سے ہندوستانیوں کو

چند مزید اختیارات مل جائینگے۔ مگر جسکو صحیح معنوں میں سوراج کہا جا سکتا ہے وہ تبھی ملے گا جبکہ ملک کی تمام اقلیتیں اکثریت کیطرف سے مطمئن ہو جائینگی اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب اکثریت ہمارے ساتھ کسی قسم کا ناروا سلوک نہ کریگی۔ ہمارے عقائد اور خیالات پر کسی قسم کی پابندیاں عائد نہ کریگی۔ اور نہ ہی ہمیں ذلیل۔ اچھوت اور حقیر سمجھے گی ؎

باہمی اتحاد کیلئے پانچ باتوں کی ضرورت

پس اگر ہندو دوست چاہتے ہیں کہ ملک میں خوشگوار تبدیلی پیدا ہو۔ یہ ترقی کرے اور آزاد ممالک کی صف میں کھڑا ہو سکے تو انہیں چاہیئے کہ اپنے اُن بھائی بندوں کو مندرجہ ذیل پانچ باتیں سمجھائیں جو براہمنوں کے ہتھے چڑھے ہوئے ہیں اور جو دن رات سوراج کے نہیں بلکہ ہندو راج کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اول

پہلی بات چھوت چھات کو چھوڑیں

یہ کہ وہ اپنے اندر سچی انسانیت پیدا کریں۔ خیالات کو بلند اور دل کو فراخ بنائیں اور براہمنزم سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو افضل اور دوسروں کو حقیر سمجھنا چھوڑ دیں۔ جس طرح مسلمان وسیع قلب۔ فراخ حوصلہ اور مساوات کے دلدادہ ہیں اسی طرح ہندوؤں کو بھی وسیع حوصلہ فراخ دل اور مساوات کا حامی بن کر دکھانا چاہیئے جس طرح مسلمان ہندوؤں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ اور ان سے کسی قسم کی چھوت چھات روا نہیں رکھتے۔ اسی طرح ہندوؤں کو بھی چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے جیسا سمجھیں اور ان سے کسی قسم کی نفرت یا چھوت چھات نہ کریں ؎

کیونکہ یہی وہ باتیں ہیں جو ان دو بڑی قوموں کو ایک دوسرے سے قریب لاکر انہیں متفق اور متحد کر سکتی ہیں۔ اور یہی ان دونوں کو ایک دوسرے کا والہ و شیدا بنا سکتی ہیں ؛

اور جب تک ہندو انسانیت کے ان ابتدائی اصولوں پر بھی چلنا پسند نہ کرینگے۔ اور حسب دستور سابق انہیں حقیر۔ ذلیل اور ناپاک ہی سمجھتے رہیں گے۔ اس وقت تک انہیں اتحاد اور اتفاق کا خیال بھی دل میں نہ لانا چاہیئے ؛

کیونکہ اب مسلمان ہندوؤں کے اس مجلسی بائیکاٹ کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ آخر وہ بھی ایک خوددار قوم ہے۔ کب تک اس قسم کے توہین آمیز سلوک کی تاب لا سکتی ہے ؛

بھلا یہ ممکن ہے کہ ایک طرف تو مسلمانوں کو یہ کہا جائے کہ وہ گورنمنٹ سے قطع تعلق کر کے ہندوؤں کے ہمنوا بنیں۔ اور دوسری طرف انہیں چوہڑوں اور چماروں سے بھی بدتر سمجھا جائے ؛

پنڈت مالویہ کی تنگدلی جیسا کہ پنڈت مدن موہن مالوی کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے کہ :-

"میں یوروپین اور مسلمانوں پر چماروں کو ترجیح دیتا ہوں۔ اگر مجھے کسی ایسے ملک میں جانے کا اتفاق ہو جہاں اچھوتوں اور مسلمانوں اور یورپینوں کے بغیر اور کوئی نہ ہو تو میں یورپینوں اور مسلمانوں کے ہاتھ کا پانی پینے کی بجائے چماروں اور اچھوتوں کا پانی پینا پسند کرونگا۔ کیونکہ اچھوت میرے دھرم بھائی ہیں"

(پرتاپ ۱۹۔ مارچ ۲۶ء صفحہ ۲)

ہم نہیں سمجھتے کہ جن لوگوں کو اپوترا اور اچھوت سمجھا جائے۔ بلکہ چوہڑوں اور چماروں سے بھی بدتر جانا جائے۔ ان سے ہی یہ توقع بھی رکھی جائے کہ وہ نام نہاد "اونچی جاتی" والوں

کی تحریکوں میں حصہ لیں ٭

چھوت چھات کی موجودگی میں سوراج ناممکن

نہ صرف ہم بلکہ خود انہی کے لیڈر سوامی ستیہ دیو بھی حیران ہیں کہ
"جس دیش کے لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ کا پانی نہ پیتے ہوں۔ جو دوسرے انسانوں سے انسانوں جیسا سلوک نہ کرتے ہوں۔ کیا وہ لوگ سوراجیہ کے قابل ہوسکتے ہیں۔ اور سوراجیہ کی توقع رکھ سکتے ہیں (؟) ہرگز نہیں"۔ ملاپ ۱۴۔ نومبر ۲۵؁ء ص۱)

پس وہ ہندو جو مسلمانوں سے اتحاد قائم کرنے کے متمنی ہوں سب سے پہلے چھوت چھات کو ترک کریں اور اپنے اندر سے براہمنیت کی وہ رُوح نکال ڈالیں جو نہ صرف یہ کہ چھوت چھات کو جائز قرار دیکر دوسرے انسانوں سے نفرت اور بیگانگی سکھلاتی ہے۔ بلکہ ملک کی خوشحالی اور آزادی میں بھی بری طرح روک ثابت ہو رہی ہے ٭

دوسری بات خودغرضی چھوڑ دیں

دوسری بات جو ہندو راج کے خواہشمندوں کے ذہن نشین کرنی چاہیئے یہ ہے کہ وہ اپنے اندر وسعت قلبی پیدا کریں۔ اور ہر قسم کی تنگ نظری و کم ظرفی کو ترک کردیں۔ جنبہ داری اور ناروا طرفداری کو تیاگ دیں۔ اگر وہ مسلمانوں سے اتحاد چاہتے ہیں۔ تو انکے لئے ضروری ہے کہ ملکی معاملات میں ہندو نقطۂ خیال سے نہیں بلکہ ہندوستانی نقطۂ خیال سے غور کیا کریں۔ ہر وقت اپنی ہی قوم اور فرقہ کے مفاد کا خیال نہ رکھیں بلکہ ہندوستان کی سبھی جماعتوں کا مفاد انکے پیش نظر رہنا چاہیئے ٭

لیکن جب تک ان میں یہ بات پیدا نہ ہو۔ اور یہ لوگ بدستور وہی خودغرضی تنگدلی اور کم ظرفی کا ثبوت دیتے رہیں۔ اور انکے عوام نہیں بلکہ خواص بھی اسی قسم

کی فرقہ وارانہ ذہنیت کا اظہار کرتے رہیں۔ جیساکہ پنڈت مدن موہن مالوی اور بھائی پرمانند کے مندرجہ ذیل بیانات سے ظاہر ہے۔ اسوقت تک ہندوستان کی دوسری قوموں کو انکے ساتھ مل بیٹھنے میں پس و پیش ہی رہے گا۔

پنڈت مالوی کی خود غرضی

پنڈت مدن موہن مالوی صاحب نے اپنی ذہنیت جن لفظوں میں بے نقاب کی ہے وہ درج ذیل ہیں۔ پڑھیے اور تعجب سے اپنی انگلیاں چبایئے:۔

"ہمیں کانگرس میں ضرور شامل ہونا چاہیئے۔ مگر رائے اپنی جماعت کی بہتری کو ملحوظ رکھتے ہوئے دینی چاہیئے" (ہمدرد دہلی۔ یکم دسمبر ۲۵ سنہ ۶ صفحہ ۲)

اسی طرح بھائی پرمانند نے بھی کہا ہے کہ

بھائی پرمانند کی تنگ ظرفی

"اس ملک کی سیاسی رہنمائی کا راستہ یہی ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہندو جاتی کی رکھشا کرنا ہی اس ملک کی سچی قوم پرستی ہے۔ اور اس کا علاج ڈاکٹر مونجے نے بتایا ہے۔ جو شدھی اور سنگھٹن میں مضمر ہے" (ملاپ ۲۶۔ اپریل ۲۷ سنہ ۶ صفحہ ۲)

اب ناظرین خود ہی غور فرمالیں۔ جن لوگوں کے نزدیک قوم پرستی، صرف یہی ہو کہ ہر وقت ہندو جاتی کے حق میں ہی رائے دیجائے۔ اور اسی کی رکھشا کے وسائل سوچے جائیں اور اسی کی تعداد اور طاقت بڑھانے کے لئے شدھی اور سنگھٹن کی تحریک کو فروغ دیا جائے کیا اس قسم کے تنگدل اور کم ظرف لوگوں سے مسلمانوں کا مل بیٹھنا ممکن ہے؟

پس اگر وہ ہندو بھائی جو صحیح معنوں میں ملک کے بہی خواہ ہیں ہندو مسلم اتحاد کے متمنی ہیں۔ تو اپنی قوم سے اس قسم کی تنگ نظری کو جلد سے جلد دور کریں کیونکہ جبتک یہ لوگ اس قسم کی غلیظ اور منافی قومیت ذہنیت ظاہر کرینگے۔ اسوقت تک نہ تو ہندو مسلم

اتحاد ہوگا۔ اور نہ ہی سوراج کو نزدیک لایا جا سکے گا۔

تیسری بات۔ دوسروں کے حقوق نہ ہتیائیں

بہی خواہانِ ملک کو چاہیئے کہ ان تنگدلوں کو تیسری بات یہ سمجھائیں۔ کہ وہ حرص۔ لالچ اور دوسروں کے حقوق غصب کرنے کی عادت ترک کر کے اپنے اندر قناعت پیدا کریں خود زندہ رہیں اور دوسروں کو زندہ رہنے دیں۔ کے اصول پر عمل پیرا ہوں۔ اپنے جائز اور واجبی حقوق حاصل کریں اور ضرور حاصل کریں۔ مگر دوسروں کے حقوق پر ناجائز قبضہ جما کر سبھی کچھ اپنے ہاتھ میں رکھنے کی عادت چھوڑ دیں۔ کیونکہ جب تک وہ دوسروں کے حقوق کا پاس اور لحاظ نہ کرینگے۔ اور جسکو جتنا حق پہنچتا ہے وہ اسے نہ لینے دیں گے اسوقت تک ان کے ساتھ دوسروں کا میل ملاپ محال اور قطعی محال ہے ×

اور یہ کبھی ممکن بھی ہے کہ جو قوم کھلے بندوں دیگر اقوام کے جائز اور واجبی حقوق پر ڈاکے ڈالے۔ اور انکی چیخ پکار پر بھی اپنا غاصبانہ قبضہ نہ چھوڑے وہ دوسروں کو اپنا گرویدہ بنا سکتی ہے؟

پس اگر برادرانِ وطن کو ملک کی بہبودی مدنظر ہو۔ اور ملک میں امن اور اتحاد پیدا کرنا چاہیں۔ تو ان پر واجب ہے کہ ہمیشہ عدل اور انصاف سے کام لیں۔ اور دوسری کسی قوم کے جائز حقوق پر ناجائز قبضہ رکھنے کی خواہش نہ کریں ×

چوتھی بات۔ ہندو راج کا خیال ترک کر دیں

چوتھی بات جو ان لوگوں کے دلنشین کرنی چاہیئے یہ ہے کہ وہ براہمن منڈلی کے کہنے میں آ کر ہندو راج کے خواب نہ دیکھا کریں۔ ملک اور قوم کی اسی میں بھلائی ہے کہ اس قسم کے فاسد خیالات دماغ سے نکال دیئے جائیں۔ کیونکہ اس قسم کی منافرت آمیز تحریکیں ایک ایسے ملک میں جہاں مختلف قومیں

اور جماعتیں آباد ہوں۔ سوائے اسکے کہ ملک کو فتنہ و فساد کا آماجگاہ بنا دیں اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتیں۔ ملک کی فلاح اور بہتری اسی میں ہے کہ یہاں ہندوستانی راج قائم کیا جائے اور اس میں ہر فرقہ ہر خیال ہر جماعت اور ہر جاتی کو مکمل آزادی ہو اور کوئی قوم کسی دوسری قوم پر اپنا تفوق اور اقتدار نہ چاہے +

پانچویں بات۔ نیتوں کو پاک کریں

پانچویں بات یہ سمجھانی چاہیئے کہ یہ لوگ منافقت چھوڑ دیں۔ اور اپنے دلوں کو ہر قسم کے تعصبات سے پاک کریں۔ نیتوں کو شدھ اور دماغوں کو صاف کریں۔ مسلمانوں کے ساتھ اگر مل کر کام کرنا چاہتے ہیں تو انکے ساتھ صاف دلی سے ملیں۔ اُن کو اپنا گرویدہ بنانے کی خواہش ہو تو پھر ہر قسم کے دھوکہ مکر۔ فریب اور چالاکیوں سے باز آ جائیں۔ کیونکہ اتحاد کے لئے دلوں کی صفائی اور نیتوں کا پاک ہونا لابدی امر ہے۔ اور اب مسلمان اُسی وقت انکی سیاسی تحریکوں میں حصہ لینگے۔ جبکہ انہیں یقین دلا دیا جائے کہ آئندہ ان کے ساتھ کسی قسم کا دھوکہ۔ مکر۔ فریب یا چالاکی نہ کی جائیگی۔ اور اسکے لئے ضروری ہے کہ ہندو دوست۔ نیک دلی کا ثبوت دیں۔ اور اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیں کہ اب ان کیطرف سے کسی قسم کے داؤ پیچ یا فریب کا امکان نہیں رہا +

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہندوؤں میں ایسے لوگ ہونگے جو چھُوت چھات کو خود غرضی اور تنگ ظرفی کو بُرا سمجھتے ہونگے۔ جنہیں ہندو راج کی تحریک اور منافقانہ زندگی سے بھی دلی نفرت ہوگی۔ مگر ملک کی اندوہ ناک حالت میں خوشگوار تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جبکہ سب کے سب ہندو۔ ان باتوں سے بیزار ہوں۔ چھُوت چھات کو ترک کریں۔ خود غرضی کو چھوڑ دیں۔ تنگ ظرفی۔ اور منافقت کو تیاگ دیں اور ہندو راج کا خیال کبھی دل میں نہ لائیں +

لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ان باتوں پر تبھی عمل ہو سکے گا جبکہ یہ لوگ

براہمنزم[1] کے جوئے کو اُتار پھینکینگے۔ براہمنیت کے اثرات قبول کرنے سے انکار کرینگے براہمن پارٹی کی بہکاوٹ میں آنے سے باز رہیں گے۔ اور انکی خود غرضی و خود مطلبی پر مبنی تحریکوں میں حصہ لینے سے اعراض کرینگے۔ لیکن جب تک ان پر براہمنزم کا بھوت سوار رہے گا۔ جب تک یہ اسکے زیر اثر رہیں گے۔ جب تک براہمنوں کے ہتھے چڑھے رہیں گے۔ اور انکے آلہ کار بن کر اپنا اور اپنی قوم کا ہی مفاد مدِنظر رکھینگے۔ اس وقت تک نہ تو ہندی اقوام میں اتحاد ہوگا۔ اور نہ ہی ملک کو حقیقی آزادی نصیب ہوگی۔

کیونکہ یہی وہ گروہ ہے جس نے ہندوؤں میں غیر اقوام سے چھوت چھات کرنے کی عادت ڈالی۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے ان میں اپنے آپ کو افضل اور دوسروں کو حقیر جاننے کی سپرٹ پیدا کی۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے ان کے اندر تنگدلی و تنگ نظری کی رُوح پیدا کی۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے ان کو صرف اپنے ہی مفاد پر نگاہ رکھنے کی تعلیم دی۔ ہاں یہی وہ گروہ ہے جس نے ان کے اندر ہندو راج کا خیال پیدا کیا۔ اور اسی گروہ کی بدولت ہندو اور دوسری قومیں ایک دوسرے سے دُور ہیں[2]

---

[1] براہمنزم سے ہماری مراد اصلی ہندو دھرم نہیں۔ بلکہ اس سے مراد چھوت چھات کے حامی براہمنوں کی وہ تعلیم ہے جو بھائی کو بھائی سے دُور کرتی اور باہمی نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا کرکے کسی کو اونچ کسی کو نیچ ٹھہراتی ہے۔ احمدی مہاجر

[2] یہ سخت ناانصافی ہوگی۔ اگر ہر ایک برہمن کو ایسا سمجھ لیا جائے۔ ہمارے نزدیک صرف وہی برہمن اس بیان کے تحت میں آتے ہیں جنہوں نے ہندوؤں کو مسلمانوں سے متنفر کرنیکے لئے چھوت چھات کی تحریک کی یا انہیں ہندو راج کے لئے اُبھارا۔ وگرنہ براہمنوں میں بہت سی ایسی ہستیاں بھی ہو گذری ہیں جو واقعی نیک نیت۔ امن و رواداری کی حامی تھیں۔ اور موجودہ زمانہ بھی ایسے شریف رواداراور ملنسار براہمنوں سے خالی نہیں۔ پس ہر ایک ناظر اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ امر مدِنظر رکھے کہ اس میں جہاں جہاں بھی براہمنوں کا ذکر آئے ان سے صرف وہی براہمن مراد لئے جائیں۔ جو واقعی تنگدل تنگ نظر، چھوت چھات کے حامی اور ہندو راج کے دلدادہ ہیں نہ کہ سب کے سب براہمن۔ احمدی مہاجر۔

اسی کی طفیل ان میں مغائرت کی خلیج دن بدن وسیع ہو رہی ہے۔ اسی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ملک اتحاد اور یکجہتی کی نعمت سے محروم ہے۔ اور وہ قوم جو بقول خود کبھی "اہنسا پرمو دھرما" کے اصول پر عامل تھی۔ آج ہندو اقتدار کی خاطر دوسروں کو تباہ و برباد کر دینے پر آمادہ ہے۔ اور نہیں چاہتی کہ دوسری قومیں بھی اپنی آبادی کے لحاظ سے ملکی کاموں میں حصہ لیں۔ اور وہ بھی سوراج میں برابر کی شریک سمجھی جائیں +

ممکن ہے۔ قارئین کرام میں سے بعض مخرذیل سطور پڑھتے ہوئے پوچھ بیٹھیں کہ آخر براہمنوں کو ہندوؤں میں چھوت چھات مسلمانوں سے نفرت ہندو اقتدار کی خواہش۔ اور ہندو راج کے ولولے پیدا کرنیکی ضرورت کیوں پڑی کیا مسلمانوں نے انپر کوئی ظلم کیا جسکی وجہ سے وہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے متنفر و بیزار کرنیکے خواہاں ہیں؟

براہمنوں نے مسلمانوں کے خلاف کیوں نفرت پھیلائی؟

سو اس کے متعلق ہم عرض کر دیں کہ ان کو مسلمانوں سے اس لئے دشمنی نہیں کہ مسلمانوں نے انپر کوئی سختی کی۔ یا انہیں تنگ کیا۔ بلکہ ان کا ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اکسانا اور ابھارنا یا انہیں ہندو راج کے لئے آمادہ کرنا محض اس لئے ہے کہ کسی طرح براہمن دیوتا پھر وہی اگلا سا عروج و اقتدار حاصل کرے جو اُسے اسلامی[1] اور برٹش عہد سے قبل حاصل تھا اور اُسے وہی پہلے کی طرح من مانی کارروائیاں کرنے کی کھلی چھٹی ہو۔ اور اسکی بدعنوانیوں اور خلاف انصاف کارروائیوں پر باز پرس کرنے والا کوئی نہ ہو۔ مگر چونکہ مسلمان اور انگریز اس بات کے روادار نہیں کہ کسی

[1] اسلامی عہد سے قبل براہمنوں کو جس قسم کا اقتدار حاصل تھا اس کے متعلق پنڈت ترتھم دیا سجی نے لکھا ہے کہ:- "ایک زمانہ ایسا آیا تھا جب علم کے ٹھیکیدار براہمنوں کے دماغ میں برتری اور عدم مساوات کا بھوت سما گیا تھا۔ سوسائٹی میں سب سے بلند مرتبہ حاصل ہونے کے باعث ان کے دماغ آسمان سے باتیں کرنے لگے تھے۔ انہوں نے ہندو سوسائٹی میں یہ اصول رائج کر کے دنیا کے اندر عدم مساوات پیدا کر دی تھی کہ سو جرم کرنے پر بھی برہمن قابل سزا نہیں ہے۔ اس اصول نے آہستہ آہستہ بڑی بھیانک

خاص گروہ کو ایسا اقتدار اور اختیار حاصل ہو جو اسے اخلاق اور انسانیت کے خلاف
من مانی کرنے کا حقدار بنا دے اسلئے براہمن دیوتا چاہتا ہے کہ کسی طرح ملک سے اسلامی اور
برٹش عنصر خارج ہو جائے۔ اور یہ ملک خالص ان ہندوؤں کا رہ جائے جو شروع ہی سے
اُسے ایشور کا مُکھ۔ اپنا سردار۔ اور قبلۂ حاجات سمجھتے ہیں۔ اور اسکی من مانی کارروائیوں
کے خلاف لب کشائی نہیں کرتے۔ اگر اس "ایشور کے مُکھ" کے اندر اس قسم کا جذبہ
کارفرما نہ ہوتا۔ اگر اسے من مانی کارروائیاں کرنے کی لت نہ پڑی ہوتی۔ اور یہ ہر قسم کے
دینی و دنیوی اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھنے کا حریص نہ ہوتا۔ تو ہندو قوم میں یقیناً
یقیناً چھُوت چھات۔ دوسروں سے نفرت۔ اور علیحدگی کی عادت نہ پیدا ہوتی ؛

براہمنی اقتدار کے خواہشمندوں نے مسلمانوں سے چھُوت چھات کی تحریک
اسلئے نہیں کی تھی کہ وہ گندے۔ ناپاک اور نجس تھے۔ بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ کیوں براہمنوں
کی غلامی سے نکل کر ایک خدا کے پرستار بن گئے۔ اور کیوں اُنکی بیجا سختیوں اور ناروا
ظلموں کا تختۂ مشق بننے سے انکار کر دیا۔ جو ہر وقت اُنپر ہندو ہونے کی حالت میں توڑے
جاتے تھے۔ جیسا کہ لالہ چیرنداس صاحب بی۔ اے وکیل سیالکوٹ کے مندرجہ ذیل
بیان سے ظاہر ہے :-

براہمنوں کا ہندوؤں پر ظلم و جور

"آریہ سماج کے لیکچرار بتلاتے ہیں کہ وہ براہمن
بڑے پاپی تھے جنہوں نے اپنے عروج کے
وقت طاقت حاصل کرنے کے بعد اس کا سخت ناجائز استعمال کیا۔ اور دوسرے
کمزور بھائیوں پر طرح طرح کی سختیاں کیں۔ یہانتک کہ انکے کانوں میں سکّہ بھر دیا جاتا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۶ شکل اختیار کر لی۔ اگر براہمن لاکھ جرم کرتے مگر سزا سے بالاتر ہونے کے باعث
ہمیشہ من مانی کارروائیاں کرتے تھے۔ انہوں نے دنیا کو کئی نقصان پہنچائے مگر کسی دوسرے کو اختیار
حاصل نہ تھا کہ ان کو بھی کوئی نقصان پہنچا سکتا" (سوانحعمری پرشورام ہندی صگ)

تھا۔ تاکہ وہ وید کا شبد نہ سُن سکیں“۔ (ملاپ ۲۰ نومبر ۲۵ء ص ۶)

یہی نہیں بلکہ انکی نفرت و ناراضگی کا یہ باعث بھی تھا کہ ان ستم رسیدہ لاکھوں اور کروڑوں ہندوؤں نے کیوں حلقہ بگوش اسلام ہوکر انکی روزمرہ کی نذر۔ نیاز بھینٹ دان اور دکھشنا سے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ جسکی وجہ سے انہیں بغیر محنت کئے لاکھوں نہیں کروڑوں کی آمدنی تھی۔ جیسا کہ ایک مدراسی ہندو فاضل کا مندرجہ ذیل بیان پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہندو رہتے کی حالت میں کس طرح بات بات پر براہمن دیوتا کو نذر نیاز دینے کی مصیبت گھیرے رہتی ہے +

براہمنوں کی نذر و نیاز کی کیفیت

”ہندوستان میں ہر ایک ہندو جتنا حکومت کو ادا کرتا ہے۔ اس سے کئی گنا زیادہ وہ برہمن کی نذر کر دیتا ہے اپنی پیدائش کے دن سے لیکر مرتے دم تک کسی انسان کو پرمیشور کے اس اوتار کا ضرور ہی دوزخ بھرنا پڑتا ہے۔ جب کوئی بچہ پیدا ہو تو برہمن کو ضرور دینا پڑتا ہے۔ ورنہ بچہ خوشحال نہیں ہوگا۔ اس کے سولہ دن بعد جب اُسے ”جنم کی آلائشوں“ سے پاک صاف کیا جائے تو برہمن کو ضرور دیجئے۔ چھٹے مہینے ہم بچہ کو دودھ کے علاوہ غذا دینی شروع کر دیتے ہیں۔ اس موقع پر بھی ضرور برہمن کو دیجئے جب بچہ چلنے لگ جائے تو برہمن کو ضرور دیجئے۔ پہلا سال پورا ہونے پر جب سالگرہ کی رسم ہو تو برہمن کو ضرور دیجئے۔ ساتواں سال ختم ہوتے پر بچے کی تعلیم شروع ہوتی ہے اس موقعہ پر بھی برہمن کو دیجئے۔ امیر گھرانوں میں وہ بچے کے ہاتھ میں سونے کی قلمیں پکڑا کر اس رسم کو ادا کرتا ہے۔ اور یہ قلمیں بھی اپنے ساتھ ہی لیجاتا ہے۔ جب کسی لڑکی کی پہلی سالگرہ ہوتی ہے یا وہ سات یا نو سال کی ہو جاتی ہے یا جب کوئی لڑکا ڈیڑھ یا دو سال کا ہو جاتا ہے۔ یا سولہ سال کی عمر تک اسکی منگنی ہوتی ہے تو برہمن کو جھول بھر بھر کے دینا پڑتا ہے۔ پھر بالغ ہونے یا اس سے پہلے اگر شادی جلدی

ہی ہونی قرار پا جائے تو برہمن کو دل کھولکر دیجیئے۔ گہن کے موقعہ پر برہمن کو خوب دیجیئے اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب کوئی آدمی مر جاتا ہے تو اسکی لاش صرف اسوقت اٹھائی جا سکتی ہے جبکہ برہمن کی دعائیں لے لی گئی ہوں اور اس کا عوضانہ بھی اسے دیا جاتا ہے۔ پھر مردے کو جلانے کے وقت برہمنوں کو ایک بھاری رقم دی جانی چاہیئے۔ جلانے کے بعد ایک سال تک متوفی کے بیٹے کو ہر مہینے برہمنوں کی دعوت کرنی چاہیئے۔ وہ دعوت اتنی بڑی ہو جتنی کہ اس سے ہو سکے۔ اور ساتھ ہی اُنہیں کپڑے۔ زیور۔ سامان خوراک اور ہر ایک ایسی چیز دینی چاہیئے جو کہ متوفی کو پیاری ہو۔ کیونکہ برہمن جو کچھ کھاتا پیتا یا پہنتا ہے وہ مردے کے کام آتا ہے۔ اس کے بعد اس متوفی کے بیٹے کو اپنی زندگی بھر ہر سال میں ایک بار اس رسم کو ضرور ادا کرنا چاہیئے۔ یہ اور ان کے ساتھ کئی دوسری رسموں کو برہمن اپنے "مخصوص حقوق" کے نام سے پکارتا ہے۔ جو مذہب کے قانون نے اُسے دے رکھے ہیں۔ جو کوئی ان سے پہلوتہی کرے (وہ بقول انکے) ابدی لعنت میں گرفتار ہو جاتا ہے"

(منقول از اردو ترجمہ "مدر انڈیا" مصنفہ مس میو ص ۱۱۸ - ۱۱۹)

ان تباہ حال اور خستہ جان ہندوؤں نے۔ جو انکو ہر وقت بھینٹ دینے سے تنگ آ گئے تھے۔ صرف یہی نہیں کیا کہ انکی کروڑوں کی آمدنی میں روک ڈال دی بلکہ براہمنی اقتدار کے وسیع حلقہ کو بھی مسلمان ہو جانے کے باعث محدود کر دیا +

اگر وہ براہمنوں کی غلامی سے آزاد نہ ہوتے۔ اگر وہ انکی چیرہ دستیوں کا تختۂ مشق بننے سے انکار نہ کرتے۔ اگر وہ ان کو دان دکھشنا دینے سے ہاتھ نہ کھینچتے۔ اگر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو کر ان کے اقتدار کو محدود نہ کر دیتے تو اغلباً براہمن پارٹی باقیماندہ ہندوؤں کو ان سے چھوت چھات کرنے کی ترغیب نہ دیتی۔ اور جو نفرت اور بیگانگی اس وقت ہندوؤں میں نظر آتی ہے۔ اس کا بھی کہیں وجود نہ ہوتا۔ اور یہ جو کچھ ہم نے

لکھا ہے حقیقت پر مبنی ہے۔ اور خود بھائی پرمانند ایم اے نے بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ مسلمانوں سے چھوت چھات کی ابتدا محض اس لئے ہوئی کہ انہوں نے کیوں براہمنوں کی غلامی سے نکل کر اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی۔ جیسا کہ انکے مندرجہ ذیل الفاظ سے ہویدا ہے:۔

قبول اسلام کی وجہ سے چھوت چھات شروع ہوئی

"چھوت چھات کی ابتدا جہانتک میں سمجھتا ہوں۔ اسلامی حملوں کے بعد ہوئی۔ اور اسکی وجہ غالباً اُن لوگوں کے خلاف نفرت کے جذبہ کا اظہار کرنا تھا۔ جو کہ اپنی جاتی سے نکل کر دشمنوں کے ساتھ جا ملے (یعنی مسلمان بنگئے)" (پرتاپ کا کرشن نمبر ۲۔ اگست ۲۷ء صفحہ ۱)

موجودہ نفرت و بیگانگی کا باعث مسلمانوں کا ظلم نہیں بلکہ براہمن ہیں

پس اس وقت جس قسم کی چھوت چھات نفرت اور بیگانگی ہندوؤں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا باعث مسلمانوں کا ظلم نہیں بلکہ اس کا موجب وہ براہمن ہیں جنہیں کسی دوسرے مذہب کی ترقی اور اقتدار ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اور جو دن رات اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں کہ ہمیں کسی طرح وہی پہلے کا سا اقتدار حاصل ہو جائے، اور ہر قسم کے دینی و دنیوی اختیارات کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں آجائے اور ہم پہلے کی طرح جو چاہیں کریں۔ اور ہمارے کاموں میں دوسرا کوئی دخل دینے والا نہو۔ اور انکی یہ خود غرضی اور ذاتی اقتدار کی تمنا ہی ہندو مسلمانوں میں بیگانگی پیدا کرنے کا سبب بنی۔ اور انہی کی خود غرضانہ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے دُور اور نفور ہو گئے ؛

مسلمانوں سے نفرت اور ہندو راج کی تحریک کا باعث براہمنوں کی خود غرضی ہے

کیونکہ اگر انہیں ذاتی اقتدار کی خواہش نہ ہوتی۔ تو یہ اپنے ہم خیالوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات پیدا نہ کرتے۔ اگر انہیں ذاتی وجاہت اور برتری کا خیال نہ ستاتا تو یہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف کبھی بھی نہ بھڑکاتے۔ اگر انہیں من مانی کارروائیاں کرنے کی بری عادت نہ پڑی ہوتی۔ تو یہ ہندوؤں کو اسلامی سلطنت کے خلاف بھی آمادۂ بغاوت نہ کرتے۔ ان کا ایک خالص ملکی حکومت کے خلاف ہندوؤں کو بھڑکانا اور ملک میں خانہ جنگی اور شورش پیدا کر کے اسکی جڑوں کو کھوکھلا کر دینا محض اسی لئے تھا کہ کسی طرح پھر انہیں پہلے کیطرح لامحدود اختیارات حاصل ہو جائیں۔ اور وہ از سر نو یہاں ذات پات کا سسٹم جاری کر کے ہر ایک کی دماغی اور ذہنی آزادی کو ہتیا لیں۔ اور انکی من مانی کارروائیوں کے خلاف کسی کو بھی پروٹسٹ کرنے کی جرأت نہ پڑے۔ اس گروہ کی خود غرضیوں کا راز طشت از بام کرنے کے بعد ہم اپنے ان شریف

شرفائے ہنود سے ایک عرض

ہندو بھائیوں کیخدمت میں عرض کرینگے جو کہ واقعی حریت پسند۔ آزادی کے دلدادہ۔ اور ملک کے خیر خواہ ہیں۔ کہ وہ اس گروہ کے ہتھکنڈوں سے واقف ہوں اور ان کے داؤ پیچ کو سمجھیں۔ اور اپنے دوسرے بھائی بندوں کو بھی سمجھائیں کہ وہ ایسی طینت اور مزاج کے لوگوں کا اثر قبول کرنے سے پرہیز کریں۔ اور ان کا آلۂ کار بنکر قوم اور ملک کی مصیبتوں میں مزید اضافہ نہ کریں۔ کیونکہ اس گروہ کی اکثر تحریکوں کی غرض اور غایت یہ اور صرف یہ رہی ہے کہ کسی طرح وہی زمانۂ جہالت کے اصول ملک میں رائج کر کے لوگوں کے دل اور دماغ پر تسلط جما لیا جائے۔ اور لوگ آئندہ انکی اسی طرح پوجا کریں جیسی کہ اسلامی عہد سے پہلے ہوتی تھی۔

انتباہ لیکن اگر برادران وطن اس گروہ کے داؤ پیچ سے واقف ہو جانے کے بعد بھی مسلمانوں سے چھوت چھات ترک نہ کرینگے۔ خود غرضی نہ چھوڑینگے۔ دوسروں کے حقوق واپس نہ کرینگے۔ ہندو راج کا خیال دماغ سے نہ نکالینگے۔ اپنے ہمسایوں کے ساتھ نیک نیتی اور صاف باطنی کے ساتھ ملنا پسند نہ کرینگے۔ اور آئندہ بھی حریت و مساوات کے دشمن کا اثر قبول کرتے رہیں گے تو ایسی حالتمیں ان کا مسلمانوں کو اشتراک عمل کی دعوت دینا اور یہ کہنا کہ آؤ ملک کو آزادی دلائیں۔ قطعاً مفید اور نتیجہ خیز نہ ہوگا۔ جس حالت میں کہ وہ براہمن و بنوں کے آلہ کار بنکر ملک میں ایسی حکومت قائم کرنے میں کوشاں ہوں جو ہر قسم کا اختیار اور اقتدار ایک خاص جماعت کے ہاتھ میں سونپ دے۔ اسوقت تک انہیں مسلمانوں کی امداد کی توقع دل سے نکال ڈالنی چاہیے جب اس روشنی۔ حریت اور مساوات کے زمانہ میں ملک کی دوسری قومیں بھی براہمنی اقتدار کی روادار نہیں تو بھلا مسلمان کب اسکے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں؟ اور کسطرح وہ ہندوانہ تحریکوں میں شمولیت اختیار کرکے براہمنی اقتدار کو تقویت پہنچا سکتے ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ مسلمان صلح جو۔ اتفاق کا حامی اور تعاون کا دلدادہ ہے۔ اور وہ اپنے ہمسایہ کے ساتھ پُر امن زندگی بسر کرنے کی دلی خواہش رکھتا ہے۔ اور جہاں وہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے ہمسایہ کے دُکھ درد میں شریک ہو۔ اور ضرورت پڑنے پر اپنی جان تک اُسپر قربان کردے۔ وہاں اسکی یہ بھی اچھا (تمنا) ہے کہ دوسرا فریق بھی اس کے ساتھ دل کو صاف اور نیت کو پاک کرکے ملے۔ اور باہمی معاملات میں کسی قسم کے نفاق سے کام نہ لے۔ سیاسی معاملات میں بھی وہ ابنائے وطن کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنے کے لئے تیار ہے۔ مگر اسی صورت میں جبکہ اس کو اپنی نیک نیتی اور پاکباطنی کا یقین دلایا جائے۔ اُسے کسی سے نفرت نہیں۔ وہ کسی کو اپوتر اور اچھوت نہیں سمجھتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہر وقت دوسروں کیطرف صلح اور اتحاد

کا ہاتھ بڑھانے پر آمادہ رہتا ہے۔ مگر چونکہ یارانِ وطن نے ہمیشہ ہی اسے غیر۔ اجنبی۔ اور بیگانہ سمجھا اور قدم قدم پر اس سے بے وفائی کی۔ اور اسکی محبت اور تعاون سے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ اس لئے اب وہ نری پُری باتوں سے مطمئن ہو کر اپنا آپ دوسروں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اسے بہت سی ٹھوکریں لگ چکی ہیں۔ اور وہ سمجھ گیا ہے کہ دوسروں کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا گویا اپنی قبر آپ کھودنا ہے +

سیاسی معاملات میں وہ اب انہی سے اتحاد اور تعاون[ل] کرے گا جو اس کو اپنی نیک نیتی۔ ایمانداری۔ اور وفاداری کا یقین دلائیں۔ اور اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیں کہ آیندہ اُس سے کسی قسم کی دغابازی۔ فریب۔ چھل۔ کپٹ اور چالاکی نہ کیجائیگی لیکن جبتک اس کو اپنی پاکباطنی اور نیکدلی کا یقین نہ دلایا جائے۔ وہ ہندوؤں کی کسی بھی سیاسی تحریک میں حصہ لینے پر آمادہ نہ ہوگا۔ کیونکہ واقعات اور پھر بار بار کے تجربہ نے اسپر ظاہر کر دیا ہے کہ گذشتہ چند صدیوں میں ہندوؤں کیطرف سے جتنی بھی تحریکوں نے جنم لیا۔ ان سب کی غرض و غایت ہندو راج قائم کرنا ہے۔ اس لئے وہ آزادی۔ سوراج۔ ہوم رول اور ہندوستانی راج کے پُرفریب نعروں سے گمراہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کانگرس کا نام اُسے ہندوؤں کا آلہ کار بننے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بات دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ جس طرح سمرتھہ رام داس۔

تمام ہندوانہ تحریکیں ہندو راج کے لئے جاری ہوئیں

سیوا مرہٹہ۔ مہاراشٹر کے پیشواؤں۔ پرنامیوں اور راجپوتوں کی باغیانہ تحریکوں کا مقصد یہی تھا کہ اس زمانہ کی خالص ملکی

ل یہاں جس قسم کے مشروط تعاون کا ذکر کیا جارہا ہے اس سے مراد سیاسی امور میں تعاون ہے۔ ورنہ دیگر معاملات میں مسلمان ہندوؤں اور دوسری قوموں سے برابر تعاون کر رہا ہے۔ اور حقیقت میں چاہیئے بھی یہی کیونکہ ملک میں امن اور آشتی اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے جبکہ عام معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے۔ احمدی جہاجر۔

حکومت کا تختہ اُلٹ کر ملک میں ہندو راج قائم کیا جائے۔ اسی طرح ۱۸۵۷ء کا غدر۔ تلک صاحب کے ہنگامے۔ بنگالیوں کی شورشیں۔ سوامی دیانند کی آریہ سماج شدھی۔ گئو رکھشا۔ باجہ نوازی۔ ہندی پرچار۔ اچھوت ادہار۔ ہندو سنگٹھن وغیرہ تحریکوں کی بھی یہی غرض و غایت ہے کہ جس طرح بھی ہو برٹش حکومت کی جگہ یہاں سوراج نہیں بلکہ ہندو راج قائم کیا جائے[1]

کانگرس و مہاسبھا کا بھی یہی مقصد ہے

یہی کیوں۔ بلکہ کانگرس اور مہاسبھا کے ہندو ممبروں کی تمام سرگرمیاں۔ ریشہ دوانیاں۔ شورشیں اور ایجی ٹیشن بھی ملک میں ہندو اکثریت کا راج قائم کرنے کے لیے ہی ہیں +

اب ہندو دوست خود ہی بتلائیں۔ کیا ان حالات میں مسلمان کانگرس یا ہندو مہاسبھا کی ہاں میں ہاں ملا سکتے ہیں۔ یا انکے ممبروں کے ہمنوا بن کر گورنمنٹ پر انتقال اختیارات کے لئے زور دے سکتے ہیں؟ اور اُسے کہہ سکتے ہیں کہ حکومت کی باگ ڈور ہندو اکثریت کے ہاتھ میں دیدے؟

یہ کس طرح ممکن ہے کہ جو قوم[2] دوسری تمام جماعتوں کے حقوق نظر انداز کرتی ہوئی صرف اپنا ہی اقتدار چاہے اور دوسروں کو غلام بنا کر خود حکومت کرنے کی متمنی ہو۔ اسکی سیاسی تحریکوں میں حصہ لے کر اپنی ہلاکت و بربادی کے آپ سامان جمع کیے جائیں؟

---

[1] ان تمام اگلی پچھلی تحریکوں کے متعلق رسالہ ہذا کے پہلے حصہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے اور دلائل اور واقعات کی بنا پر بلکہ خود انہی لوگوں کی تحریروں سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہندو آج سے نہیں سینکڑوں سال سے ہندو راج کے لئے ساعی ہیں۔ احمدی مہاجر

[2] قوم سے مراد یہاں سب کے سب ہندو نہیں بلکہ وہ گروہ مراد ہے جو صرف اپنا ہی اقتدار چاہتا ہے۔ احمدی مہاجر

کیا یہ باتیں بے بنیاد ہیں؟

کہا جائے گا کہ یہ تمام باتیں بے بنیاد اور محض بد ظنی پر مبنی ہیں۔ اور اس وقت مسلمانوں کو اس قسم کے اوہام میں مبتلا ہونے کی بجائے اپنی تمام طاقتیں کانگرسی تحریک کو تقویت پہنچانے میں لگا دینی چاہئیں۔ تاکہ ملک کو جلد سے جلد سوراج دلایا جا سکے ٭

مگر ہم نہیں سمجھتے کہ ان روشن اور بین حقائق کو کس طرح "بے بنیاد" "بد ظنی پر مبنی" اور "اوہام" کہہ کر مسلمانوں کو کانگرس کا ہمنوا بنایا جا سکتا ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ اگر مسلمان کانگرس کی امداد پر کھڑے ہو جائیں تو وہ سوراج جس کے لئے مدت سے خواہش کی جا رہی ہے چند مہینوں میں حاصل ہو سکتا ہے مگر مسلمان بے وقوف اور احمق نہیں کہ بغیر سوچے سمجھے۔ اور اپنے حقوق کا تحفظ کئے اندھا دھند ایک ایسی تحریک میں کود پڑینگے۔ جو آخر کار اُنہیں غلاموں کا غلام بنا دے وہ تو کانگرس کی تحریک میں اُسی وقت حصہ لینگے۔ جبکہ اُنہیں اطمینان دلا دیا جائے کہ متذکرہ بالا باتیں واقعی "بے بنیاد" "بد ظنی پر مبنی" اور "اوہام" ہیں۔ اور ہندو قطعاً ہندو راج کے نہ پہلے خواہاں تھے۔ اور نہ اب آرزومند ہیں! اور نہ ہی انہیں دوسری قوموں کے حقوق ہتیا لینے کی تمنا اور خواہش ہے ٭

یہ باتیں حقیقت پر مبنی ہیں

مگر ہمیں یقین ہے کہ ان روشن اور بین حقائق کو "بے بنیاد" اور "اوہام" ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ملک کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ۔ بلکہ خود انہی لوگوں کے اعمال اور افعال اس بات پر گواہ ہیں کہ ہندو راج کی تحریک کوئی نئی تحریک نہیں۔ بلکہ صدیوں سے اسکے لئے کوششیں ہو رہی ہیں ٭

ڈاکٹر مونجے کا بیان کہ ہندوستان سو سال سے ہندو راج کیلئے ساعی ہیں

اگر متذکرہ بالا حقائق اوہام ہوتے تو ڈاکٹر مونجے کو یہ کہہ کر کہ ہماری

تصدیق نہ کرنی پڑتی کہ

"ہندوؤں میں سات سو سال سے سوراجیہ پراپتی (حصول) کی تحریک جاری ہے
اگر ہندوؤں نے سنگٹھن نہ کھودیا ہوتا تو سوراجیہ بھی اُن سے نہ چھینا جاتا" لہ

(بحوالہ اخبار پرتاپ ۲۱ جنوری ۲۷ء منقول از الامان دہلی ۲۳ جنوری ۲۷ء صفحہ ۲)

کیا ڈاکٹر مونجے کے اس فقرہ کا ایک ایک لفظ اس امر کا ثبوت نہیں کہ ہندو صدہا سال سے ہندو راج کے لئے کوششیں کر رہے ہیں؟ کیا اس اقبالی بیان کے ہوتے ہوئے بھی کہا جائے گا کہ ہندوؤں کو قطعاً ہندو راج کی خواہش نہیں؟

ہندو راج کی خواہش نہ تھی تو بودھ اور جین حکومتیں کیوں تباہ کیں؟

ہم نہیں سمجھتے کہ اگر ہندوؤں کو ہندو راج کی خواہش نہ تھی تو بودھ حکومت سے کیوں بغاوت کی؟ اگر ہندو راج کی خواہش نہ تھی تو جینیوں کی سلطنت کیوں تباہ کی؟ اگر ہندو راج کی خواہش نہ تھی تو سندھ اور پنجاب پر کیوں قبضہ کیا اگر ہندو راج کی خواہش نہ تھی تو وہاں کے بودھ راجاؤں کو کس لئے مروایا اور قتل کیا اور کیوں وہاں براہمنی اقتدار قائم کیا؟ اگر ہندو راج کی خواہش نہ تھی تو خسرو خان اور ہیمو بقال وغیرہ بہت سے ہندو راجے کس طرح پیدا ہو گئے؟ یہ ہندو راج کی خواہش ہی تو تھی جس نے سمرتھ رامداس ایسے براہمنوں کے ذریعہ سیوا مرہٹہ کو ہندوستانی راج کے خلاف آمادۂ بغاوت کیا۔ اگر ہندو راج کی خواہش نہ ہوتی تو سیوا مرہٹہ اور اس کے جانشینوں کے دل میں کٹک سے اٹک تک بھگوا جھنڈا گاڑنے کا خیال کیوں چٹکیاں لیتا؟

بودھ اور جینی حکومتیں غیر ملکی نہ تھیں

کیا بودھوں اور جینیوں کی حکومتیں

لہ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک ہندو راج ہی کا نام سوراجیہ ہے۔ احمدی مہاجر

غیر ملکی تھیں جو انکے خلاف بغاوت کی گئی تھی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ہندوؤں کا انکو تباہی کی گھاٹ اُتارنا محض اسی لئے نہ تھا کہ ہندو راج قائم کرکے براہمن دیوتا کی خوشنودی حاصل کیجائے؟ ان خالص ملکی حکومتوں کے بعد اسلامی سلطنت کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنا اور اُسے تباہ و برباد کرنے کیلئے اپنی تمام طاقتیں لگا دینا کس لئے تھا؟

اسلامی حکومت بھی خالص ملکی حکومت تھی

کیا اس لئے کہ وہ بھی غیر ملکی حکومت تھی؟ اور اس کے خلاف بھی اسی لئے منصوبے باندھے گئے کہ وہ ہندو راج کے مترادف تھی؟ لیکن اگر یہی بات ہوتی تو پنڈت مالوی - لالہ لاجپت رائے - مہاشہ سکھ سمپتی رائے وغیرہ متعدد ہندو لیڈر یہ کبھی نہ کہتے کہ مغل حکومت خالص ہندوستانی حکومت تھی۔ جب وہ بھی بودھ اور جین حکومتوں کی طرح خالص ملکی اور ہندوستانی حکومت تھی۔ تو ایسی حالت میں ہندوؤں کا اس کو برباد کرنے کا تہیہ کر لینا محض ہندو راج کے لئے نہ تھا؟ اور اس کے زوال اور بربادی کی ذمہ داری انہی لوگوں کے سر نہیں جو براہمنوں کے زیر اثر ہونے کے باعث صدیوں سے ہندو راج کے خواب دیکھا کرتے تھے؟

ہندو راجیوں کے چند بیہودہ عذرات اور ان کا جواب

ان ناقابل تردید حقائق سے واقف ہوتے ہوئے بھی ہندو راج کے حامی پھیلے

کہ اسلامی حکومت ہندوستانی تو ضرور تھی مگر چونکہ اُس نے یہاں کی قومیت کو برباد کر دیا تھا۔ ملک میں پھوٹ اور انتشار پیدا کر دیا تھا۔ ہندوؤنکی مذہبی آزادی سلب کر لی تھی۔ یہاں کی تہذیب اور تمدن کو کچل دینا چاہا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں فرق کیا جاتا تھا۔ اور ہندوؤں کو امور سلطنت میں بھی شرکت کا بہت کم موقعہ دیا جاتا تھا۔ اس لئے ہندو اسکو تباہ کر دینے کے لئے مجبور تھے +

مگر قارئین کرام یقین کریں کہ ان احسان فراموشونکی اسلامی حکومت کے خلاف اس قسم کی ژولیدہ بیانی اپنے اندر شمہ بھر بھی صداقت نہیں رکھتی۔ اور ان کا اس قسم کی باتیں زبان پر لانا محض اس لئے ہے تاکہ اُنپر ایک عدیم النظیر۔ رواداراور خالص ملکی حکومت کو برباد کرنے کا الزام عائد نہ ہو۔ کیونکہ نہ صرف اُس زمانہ کی تاریخ اس قسم کی ہفوات کی تکذیب کرتی ہے بلکہ اس زمانہ کے ہندو محققین کی تحقیق بھی مذکورہ بالا عذرات کو غلط اور بیہودہ۔ قرار دیتی ہے۔ چونکہ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ اس لئے بعض ہندو فاضلوں کی تحریروں میں سے چند مختصر سے اقتباس ذیل میں درج کئے دیتے ہیں جو ان لوگونکی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کر دینگے +

مسلمانوں نے یہاں کی قومیت برباد نہیں کی بلکہ اسکو مضبوط کیا۔

پروفیسر ایشوری پرشاد فرماتے ہیں کہ:۔

”اسلامی فتوحات نے مختلف ریاستوں اور سلطنتوں کی بجائے جو ہمیشہ باہم دست و گریبان رہتی تھیں۔ ایک شہنشاہی اتحاد قائم کر دیا ۔۔۔۔ جس سے ہماری قومیت کے ذخیرے میں روح اور سرگرمی کے اجزاء کا اضافہ ہوا“ (تاریخ ہند و قرون وسطیٰ)

کیا مسلمانوں نے ملک میں پھوٹ اور انتشار پیدا کیا یا اسے متحد کر دیا؟

بابو بپن چندر پال لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں نے انگریزوں کی آمد سے ایک مدت پیشتر ہی ہندوستان کی سلطنت کو منظم اور قوم کو متحد کرنے کا فخر و شرف حاصل کر لیا تھا" (پیام امن)

کیا مسلمانوں نے ہندوؤں کی مذہبی آزادی سلب کی یا عطا کی؟

مسٹر چونی لال ایم اے فرماتے ہیں کہ اسلامی عہد میں "ہندوؤں کو قانون کی ویسی ہی پناہ حاصل تھی جیسی کہ مسلمانوں کو تھی۔ ہندوؤں کی سوشل اور مذہبی رسوم میں کوئی مداخلت نہیں کی جاتی تھی۔ وہ اپنے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کے ایماء پر ان کے ذات پات کے قواعد کو بھی قواعد کا درجہ دیا گیا تھا"

(مسلم راجپوت امرتسر ۲۳ مئی ۱۹۲۳ء ص ۵)

کیا مسلمانوں نے ہندو تہذیب کو کچل دینا چاہا یا اسے زندہ کر دیا؟

مسٹر بی آر کمار ایم اے آکسفورڈ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے "ہندوستان کی تہذیب کو مارنے کی کبھی کوشش نہیں کی اور یہی وجہ ہے کہ آج تک ہندوستان کی تہذیب زندہ چلی آتی ہے" (ملاپ ۱/۹۹ ص)

نہ صرف یہی بلکہ شریمتی سروجنی نیڈو تو یہ بھی فرماتی ہیں کہ "ہندوستان کی تہذیب و تمدن کو مسلمانوں نے مالا مال کر دیا۔ اور وہ چیزیں دیں جو کہ اسے زندہ بنانے کے لئے ضروری تھیں" (ہمت لکھنؤ ۲ جولائی ۱۹۲۹ء ص ۷)

کیا اُسوقت ہندو مسلمانوں میں کوئی فرق رکھا جاتا تھا؟

مہاشہ سُکھ سمپتی رائے رقمطراز ہیں کہ عہد اسلامیہ میں

"ہندو اور مسلمانوں میں کوئی پولٹیکل فرق نہیں تھا۔ پولٹیکل اور مالی نقطہ نگاہ سے مسلمانوں کی حکومت اتنی ہی ویسی تھی جتنی کہ ہندوؤں کی" (بھارت ورشن صفحہ ۱۹۱)

کیا ہندوؤں کو عہدے نہ ملتے تھے؟

لالہ لاجپت رائے اخبار بندے ماترم میں شائع کر چکے ہیں کہ مسلمانوں نے "اپنے دوران حکومت میں ہندوؤں کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے دیئے ... جہاں کہیں بھی مسلمانوں نے سلطنت کی۔ انہوں نے اپنے ہندو بھائیوں کو بھی گلے لگایا۔ انہوں نے یہ کبھی نہیں کیا کہ مسلمانوں سے ہی سب جگہیں پُر کر کے ہندوؤں کے حقوق پامال کر دیئے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ ملک میں کسی قسم کی بے چینی دُکھ اور قحط وغیرہ نہ تھے" (بندے ماترم ۱۸ مئی ۱۹۲۱ء صفحہ ۲)

اسلامی حکومت ظالم نہیں بلکہ کمال درجہ کی روادار تھی۔

پس ہندو راجیوں کا یہ کہنا کہ اسلامی حکومت ظالم تھی۔ غاصب تھی۔ اور ہندوؤں سے مساوی سلوک نہ کرتی تھی۔ اس لئے اُکو ضعف پہنچایا گیا۔ قطعاً قابل قبول نہیں۔ کیونکہ جو عذرات پیش کئے جاتے ہیں نہ صرف وہی بے بنیاد ہیں۔ بلکہ خود ہندو محققین کی تحقیق انکے عین اُلٹ فیصلہ دیتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ صحیح معنوں میں وہی ملک کی خیر خواہ ہندوؤں کی دوست ہمدرد اور انتہا درجہ کی عادل۔ فیاض۔ وسیع قلب اور روادار حکومت تھی ✤

اسلامی حکومت کے ضعف کا باعث برا ہمن

اب سوال ہوگا کہ ایسی منصف۔ عادل۔ روادار فیاض۔ اور خالص ہندوستانی حکومت کے خلاف کیوں علم بغاوت بلند کیا گیا؟ سو اسکے جواب میں صرف یہی کہنا کافی ہوگا کہ محض براہمن دیوتا کی تحریک اور اس کے اشتعال

دلانے سے۔ کیونکہ اسلامی حکومت باوجود روادار۔ عادل اور انصاف پرور ہونیکے براہمنوں کو یہ حق نہ دیتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو قانون سے بالا سمجھیں۔ اور جو دل میں آئے وہی کریں اور ان سے باز پرس کرنے والا کوئی نہ ہو۔ اس لئے براہمن حکومت کی ایسی پالیسی کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرز کی حکومت ہمارے پرانے اقتدار کو ناقابل تلافی ضعف پہنچا رہی ہے۔ اس لئے وہ وقتاً فوقتاً اپنے زیر اثر ہندوؤں کے دلوں میں بغاوت و سرکشی کے جراثیم پیدا کرتے رہے۔ اور آخرکار انہیں سیوا مرہٹہ سا منچلا آلہ کار بننے کے لئے مل ہی گیا۔ اور باوجودیکہ انکو اور اسکی قوم کو حکمران خاندان کی طرف سے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی۔ اسے کسی نے تنگ نہیں کیا۔ اسپر کوئی ظلم یا ستم نہیں ڈھایا۔ اسکی یا اسکی قوم کی مذھبی آزادی میں روک پیدا نہیں کی۔ بلکہ اسپر اس کے باپ پر اور اس کے ہمقوموں پر اتنی نوازشیں کیں مہربانیاں کیں۔ اور لطف و احسان کی بارشیں برسائیں کہ اسکی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔ مگر چونکہ وہ بہت بری طرح براہمنوں کے پھندے میں پھنسا ہوا تھا اس لئے حکمران خاندان کی تمام رعائتوں مہربانیوں اور احسانوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس نے سمرتھ رامداس وغیرہ کی بہکاوٹ میں آکر اپنی محسن اور مربی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔ اور رہی سہی کسر اسکے براہمن جانشینوں اور دوسرے ہم مذہبوں نے پوری کردی تھی۔[۱] اور بقول کنور ہربلاس صاحب شاردا ان بغاوتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ اسلامی سلطنت

در مغرب میں راجپوتوں۔ اور جنوب میں مرہٹوں۔ شمال میں سکھوں کے زور سے یعنی ہندوؤں کے دباؤ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔" (تیج ۱۱۔ فروری ۲۵ سنہ ۲۶ء)

---

[۱] رسالہ ہذا کے پہلے حصہ میں اسے تفصیل سے دیکھئے۔ احمدی مہاجر

کیا اسلامی حکومت اس لیئے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی کہ مسلمان کمزور اور ہندو طاقتور تھے؟

قارئین کرام پوچھینگے کہ وہ مسلمان جو تعداد میں قلیل ہونے ہوئے بھی۔ بڑے بڑے ہندو علاقوں کو چٹکی بجاتے میں فتح کر لیتے تھے۔ وہ مسلمان جنکے سامنے ہندوستان کی کوئی قوم بھی جم کر لڑنا موت کے منہ میں جانیکے برابر سمجھتی تھی۔ ہاں وہ مسلمان جو طاقت قوت شجاعت اور دلاوری میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ کیا وہ اتنے بزدل۔ ڈرپوک۔ کمزور اور ناطاقت ہو گئے تھے کہ انکی سلطنت "ہندوؤں کے دباؤ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی"؟

شاہانِ اسلام کی طاقت و شجاعت

سو اسکے جواب میں ہمی عرض کرنا کافی ہوگا کہ شاہانِ اسلام باوجود اسکے کہ آخری زمانہ میں۔ کاہلی۔ آرام طلبی اور رخانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ مگر پھر بھی ان میں اتنا کس بل ضرور تھا کہ بڑی سے بڑی طاقت کو بھی کچل کے رکھ دیں۔ جس کے ثبوت میں پانی پت کی آخری جنگ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس جنگ میں باوجودیکہ مرہٹے راجپوت۔ اور دوسری بہت سی جنگجو ہندو قومیں مٹھی بھر مسلمانوں کے مدمقابل صف آرا تھیں۔ مگر مسلمانوں نے ایک ہی حملہ میں ان لاکھوں سورماؤں کو گاجر مولی کیطرح کاٹ کے رکھ دیا تھا۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ برسراقتدار لوگ کاہل۔ سست اور عیش و آرام کے دلدادہ ہو چکے تھے۔ مگر انہوں نے ایسی حالت میں بھی دنیا پر ظاہر کر دیا کہ مسلمان کتنا ہی گیا گذرا کیوں نہ ہو وہ بڑی سے بڑی طاقت کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ اور جس وقت بھی وہ منظم ہو کر دشمن کے مقابل صف آرا ہوگا۔ اس وقت اسکے بے پناہ حملوں سے دوسروں کا بچ نکلنا ناممکن اور محال ہے۔ پس یہ سنکر کہ اسلامی حکومت "ہندوؤں کے دباؤ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔" یہ نتیجہ نکالنا قطعاً درست نہیں

اسلامی سلطنت مسلمانوں کی کمزوری سے تباہ نہیں ہوئی

کہ ہندوؤں نے اسلامی

حکومت کو طاقت اور زور کے بل پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

نہیں نہیں۔ بلکہ اسکی وجہ یہ اور صرف یہ تھی کہ مسلمان بادشاہوں نے اپنے محکوموں سے ضرورت سے بہت زیادہ رواداری برتی۔ اور مآل اندیشی سے کام نہ لیتے ہوئے ہر قسم کا اختیار اور اقتدار دوسروں کے ہاتھ میں سونپ دیا۔ اور اس بات کا قطعاً خیال نہ کیا کہ سلطنت کی مدار المہامی۔ مال کا محکمہ۔ اور فوج کا محکمہ دوسروں کے اقتدار میں دیدینے کا یہ مطلب ہے کہ برسر اقتدار لوگ جس وقت بھی چاہیں حکمران خاندان کو تخت سے اُتار کر خود حاکم بن بیٹھیں +

اسلامی سلطنت کا زوال ہندو عہدداروں کی بیوفائی کے باعث ہوا

اور جو لوگ بھی تاریخ کا باریک بینی سے مطالعہ کرینگے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اسلامی حکومت کبھی بھی زوال کا منہ نہ دیکھتی۔ اگر اُس نے اپنے محکوموں اور ماتحتوں کی ظاہرا چاپلوسی اور چکنی چپڑی باتوں میں آ کر انپر حد سے زیادہ اعتماد اور اعتبار نہ کیا ہوتا۔ اسکی دوسروں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ رواداری اور فیاضانہ سلوک نے ہی اس کو لے ڈوبا۔ اور وہ لوگ جو اسلامی شجاعت کا تصور کرتے ہی لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ اسکو ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر ہر گز قادر نہ ہوتے + جہانتک ہمارا خیال ہے اگر شاہانِ اسلام کو بودھ اور جین حکومتوں کے حالات سے واقفیت ہوتی اور ان کے اختلال و زوال کے اسباب کا علم ہوتا۔ اور کسی طرح پتہ لگجاتا کہ اشوک وغیرہ کی وسیع اور با جبروت حکومتیں ہندو سورماؤں کے زور اور قوت سے نہیں بلکہ انکی ظاہرا وفاداری چاپلوسی او منافقانہ پالیسی کی بدولت تباہی کے گھاٹ اتریں۔ تو وہ اس طرح اندھا دھند ہر ایک پر اعتماد کر کے اپنی تباہی کے آپ ہی باعث نہ بنتے +

افسوس ہے کہ ان نیکدل اور پاکباطن حکمرانوں کو علم نہ ہو سکا کہ بودھ حکومت

اتنی قوی - طاقتور اور مضبوط تھی کہ ہندو راج کے متمنی اگر صدیوں تک بھی اسکے خلاف زور آزمائی کرتے - تو وہ انکے ہاتھوں تباہ نہ ہوتی - اسی طرح جہاں جہاں جینیوں کی حکومتیں بھی قائم ہوئیں وہ بھی اتنی مضبوط اور طاقتور تھیں کہ ہندو ان کو اپنے باہو بل سے کمزور یا فتح نہ کرسکتے تھے - اور یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے بودھ اور جین حکومتوں کی طاقت اور قوت کو محسوس کرتے ہوئے ردّ و بدّ و مقابلہ کا خیال ترک کردیا -

بودھ حکومت کے خلاف ہندوؤں کے داؤ پیچ

اور بودھ و جین راجاؤں سے ظاہرا وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرنے لگے - اور ان کا دل ہاتھ میں لے کر اور اپنا اعتماد قائم کرکے جتنے بھی زیادہ عہدے حاصل کیے جاسکتے تھے انہوں نے اپنے قبضہ میں کیے اور جب دیکھا کہ حکومت کے اہم سے اہم عہدے ہمارے ہاتھ میں آگئے ہیں - فوج اور محکمۂ مال پر بھی ہمارا ہی تسلّط قائم ہوچکا ہے اور خود حکمران بھی ہماری طرف سے بالکل مطمئن اور غافل ہیں - انہوں نے یکدم شورش کرکے ان کو حکومت سے بیدخل کردیا - اور خود ملک کے والی و حکمران بن بیٹھے - ہمیں یقین اور کامل یقین ہے کہ اگر ان فیاضی اور رواداری کے مجسموں کو معلوم ہو جاتا کہ بودھ حکومت کی جگہ ہندو راج قائم کرنے کے لئے کوئی طول طویل جنگ نہیں ہوئی . . . .

بودھ حکومت کی تباہی ہندو عہدہ داروں کے ہاتھوں

بلکہ بودھ حکومت کے ہندو سپہ سالار نے دوسرے ہندو عہدیداروں کی سازش سے یکدم ہلہ بولدیا[ا] - اور اشوک کے جانشین کو موت کی گھاٹ اتار کر ملک میں ہندو راج قائم کردیا - تو وہ دوسروں کو مراتب و مناصب عطا کرتے ہوئے احتیاط سے کام لیتے - تاکہ انکو بھی خسرو خان جیسے غدار - بدطینت اور نمکحرام

[ا] اسکی تفصیل اور حوالہ دیکھنا ہو تو رسالہ ہذا کا پہلا حصہ دیکھیے - احمدی مہاجر

سے واسطہ نہ پڑتا۔

سندھ کی بودھ حکومت کی بربادی ہندو اہلکاروں کے ہاتھوں

اگر انہیں معلوم ہوتا کہ سندھ کے بودھ راجہ اور اسکی سلطنت کی ہلاکت وبربادی کا باعث اس کا ہندو وزیر اور دوسرے ہندو اہلکار ہی تھے[1] تو وہ بھی محتاظ رہتے اور انہیں ہیمو بقال جیسے بدسرشت اور غدار کے ہاتھوں تکلیف نہ پہنچتی۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ پنجاب سرحد اور کابل کے بودھ راجہ کی وسیع حکومت کا تیا پانچا بھی اسکے ہندو وزیر اور دوسرے ہندو عہدیداروں کی وجہ سے ہوا[2] تو وہ بھی سوچ سمجھ کر قدم اُٹھاتے۔ تاکہ ان کو بھی سیوا مرہٹہ جیسے احسان فراموش سے پالا نہ پڑتا۔

مسلمان بادشاہ ہندو سیاست کے اس پرانے داؤپیچ سے ناواقف تھے

مگر چونکہ ان پاک نفس چھل کپٹ سے خالی۔ اور نیک نیت بزرگوں کو ہندو سیاست کے اس پُرانے داؤپیچ کا علم نہ تھا۔ اور نہیں جانتے تھے کہ یہ لوگ جس حکومت کو اپنے زور اور بل سے فتح نہ کرسکیں اُسے مغلوب وماتحت کرنے کے لئے اس کا اعتماد حاصل کرتے ہیں اور جب اعلٰے عہدے اور اہم مناصب پر فائز ہوجائیں تو اسوقت بغیر کسی تکلیف کے اپنا تسلط قائم کرلیا کرتے ہیں تو وہ دھوکہ نہ کھاتے۔ مگر چونکہ وہ ہندو سیاست کے اس داؤپیچ سے قطعی ناواقف تھے۔

[1] تفصیل اور حوالہ پہلے حصہ میں ملاحظہ ہو۔ احمدی مہاجر

[2] کابل اور صوبہ سرحد کے "ترکش خاندان کے آخری حکمران کو (جو بودھ تھا) اسکے براہمن وزیر نے گدی سے آتار دیا تھا۔ اسکے بعد بیہار کے (اس براہمن وزیر کی اولاد) راجہ جے پال اور انند پال نے سبکتگین سے جنگ کیا" (تیج ۲۱ نومبر ۲۷ء ص ۶ م ۱۳)

اس ناواقفی کے باعث مات کھا گئے

اس لئے باوجود جری - طاقتور اور صاحب قوت ہونیکے بھی مات کھا گئے - اور لوگوں کو شیخی بگھارنے کا موقعہ دیا کہ اسلامی سلطنت ہندوؤں کے دباؤ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی"

اگر شاہانِ اسلام اپنے ماتحتوں پر حد سے زیادہ اعتبار نہ کرتے - اگر وہ اُن[۱] کی ظاہر او وفاداری سے متاثر ہو کر ہر قسم کا اقتدار انکے ہاتھ میں نہ دیدیتے تو ایک سیوا مرہٹہ نہیں لاکھوں سیوا مرہٹہ بھی انکی حکومت کا بال بینکا نہ کر سکتے - سیوا مرہٹہ کو ان کی حکومت تباہ کر کے ہندو راج قائم کرنے کی اسی لئے جرأت ہوئی کہ ملک کا تمام انتظام اور انصرام ہندوؤں کے ہاتھ میں دیا جا چکا تھا - فوج اور مال پر بھی ہندو اہلکار ہی متعین کر دیئے گئے تھے - جیسا کہ لالہ لاجپت رائے نے بھی تسلیم کیا ہے کہ

دکن کی اسلامی ریاستوں کا انتظام ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا

"بیجاپور اور احمد نگر دونوں ریاستوں نے بھی عموماً اکبر کی پالیسی کی پیروی کی - دونوں ریاستوں کا مالی انتظام ہندوؤں کے ہاتھ میں رہا - پہاڑی قلعے ہندوؤں کے ہاتھ میں رہے - اور ویسے بھی ہندوؤں کو بہت اعتبار اور ذمہ واری کے عہدے ملتے رہے ہیں"

(سیواجی صفحہ ۳۰-۳۱)

پس جب مال اور فوج پر ہندوؤں کو مسلط کر دیا تو ایسی حالت میں انکو مسلمانوں

---

[۱] ناظرین یہ نہ سمجھ لیں کہ اسلامی عہد میں ہر ایک ہندو کی یہی ذہنیت تھی - نہیں - ان میں بہت سے واقعی مخلص - اطاعت شعار اور وفادار تھے - ہمارے نزدیک صرف وہی لوگ قابل مذمت ہیں جنہوں نے اپنے ولی نعمت آقاؤں کے اعتماد سے ناجائز فائدہ اُٹھایا - اور دھوکہ دیکر ان کو تاج و تخت سے محروم کیا نہ کہ سب کے سب ہندو۔ احمدی مہاجر

سے ٹکر لینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس کے لئے تو اتنا کرنا ہی کافی تھا کہ ہندوں اہلکاروں کو گائے اور براہمن کا واسطہ دے دیکر آمادۂ بغاوت کر دیا جاتا۔ چنانچہ سیوا مرہٹہ نے ایسا ہی کیا۔ اور کامیاب ہوا۔

ہم کہتے ہیں اگر نظام شاہی ہندو سیاست کے پرانے داؤ پیچ سے واقف ہوتی اور سیوا مرہٹہ۔ اسکے باپ اور اسکی قوم کو حد سے زیادہ نہ نوازتی۔ حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدے انکو عطا نہ کرتی۔ فوج اور مال کا صیغہ بھی ان کے اختیار میں نہ دیتی مدار المہامی پر سیوا مرہٹہ کے باپ کو فائز نہ کرتی تو سیوا مرہٹہ کیا کسی بڑے سے بڑے جری اور بہادر ہندو کو بھی ان سے بغاوت کر کے ہندو راج قائم کرنے کی جرأت نہ ہوتی ہندو راج کا خیال تک بھی پیدا ہوتا جبکہ مسلمان بادشاہ انکی مخفی پالیسی سے غافل رہے اور انکی چاپلوسی اور ظاہرا وفاداری سے متاثر ہو کر ہر قسم کا اقتدار اور اختیار ان کو سونپ دیا۔ جیسا کہ پنڈت نند کمار دیو شرما کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بھی ظاہر ہے

نظام شاہی کا تمام انتظام سیوا مرہٹہ کے باپ کے ہاتھ میں تھا

"دکن میں اسلامی اقتدار قائم ہو جانے پر بھی دشاہانِ اسلام کی طفیل، حکومت کی باگ ڈور مرہٹوں کے ہاتھ میں ہی تھی۔ نظام شاہی کے آخری دنوں میں دحکمران خاندان کی عدیم النظیر فیاضی کی بدولت) سیواجی کا باپ شاہ جی ہی نظام شاہی کے کرتا۔ دھرتا۔ اور وِدھاتا تھے۔ کیونکہ دمسلمان حکمرانوں نے اپنی فقید المثال فراخدلی کے باعث) ساری سلطنت کا اختیار انہی کے ہاتھ میں دے رکھا، تھا۔ مہاراشٹر میں اسلامی سلطنت قائم ہونے پر بھی دشاہانِ اسلام کی مہربانیوں سے) پربھوناد اثر و اقتدار، ہندوؤں کی ہی رہی تھی"

(شِواجی صت۸)

اسلامی حکومت ہندوؤں کے دباؤ سے نہیں داؤ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوئی۔

پس وہ لوگ جو اسلامی سلطنت کے زوال کا باعث ہندوؤں کی قوت اور طاقت اور مسلمانوں کی کمزوری اور ناطاقتی بتلاتے ہیں غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اس کے زوال کا باعث ہندوؤں کا دباؤ نہیں۔ بلکہ داؤ تھا۔ اور اسی داؤ نے یہاں ہندو راج کے مواقع پیدا کئے۔ اور مرہٹوں کو بعض علاقوں میں ہندو راج قائم کرنے کی جرأت دلائی۔ اگر ہندو راج کے متمنی داؤ پیچ سے کام نہ لیتے۔ شاہان اسلام کے اخلاص۔ محبت اور اعتماد سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاتے تو کبھی ممکن ہی نہ تھا کہ مسلمان اپنی سلطنت یونہی کھو بیٹھتے اور ہندوؤں کی موجودہ نسل کو یہ کہنے کا موقعہ ملتا کہ اسلامی سلطنت ہندوؤں کے دباؤ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔“

حالانکہ بات یہ نہیں۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلامی سلطنت ”ہندوؤں کے داؤ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی“[۱] اور یہ فعل ایسا نہیں کہ ہندو اس پر فخر اور ناز کر سکیں۔ خیر۔ جب مرکزی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ صوبجاتی حکومتیں آزاد ہو گئیں۔ اور ایک کو دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہ رہا۔

مرہٹوں کو سارے ملک میں ہندو راج قائم کرنے کا شوق

تو اس وقت براہمن پیشواؤں کو صرف مہاراشٹر میں ہی نہیں۔ سارے ملک میں ہی ہندو راج قائم کرنے کا شوق چرایا۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے پاؤں پھیلانے شروع کر دیئے۔ اور بقول ایڈیٹر پرتاپ اس کا یہ نتیجہ

[۱] ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بھی صرف یہی مطلب ہے کہ مرکزی حکومت کے کمزور ہو جانے سے مختلف صوبوں میں مسلمانوں نے اپنی الگ الگ ریاست قائم کر لی۔ احمدی مہاجر

ہُوا کہ مرہٹے سارے ملک کے اوپر چھا گئے۔ اور پانی پت تک آن پہنچے" لیکن ابھی انکے پاؤں اچھی طرح جمنے بھی نہ پائے تھے کہ عین اُسی وقت ان کے صدیوں کے منصوبے خاک میں ملانے کے لئے ایک تیسری طاقت بیچ میں آن حائل ہوئی (اور) یہ انگریز تھے۔ اگر اسوقت انگریز نہ آجاتے۔ تو اس میں

انگریزوں نے آ کر ہندو راج کی سکیم برباد کردی

شک نہیں کہ ایک بار پھر ہندوستان میں ہندو راجیہ قائم ہو جاتا"

(پرتاپ ۳۰ جون ۲۶ء صہ)

پس انگریزوں کا آنا تھا کہ ان لوگوں کے وہ تمام خواب۔ خواب پریشان ہو کر رہ گئے جو صدیوں سے دیکھے جا رہے تھے۔ اور وہ تمام ولولے۔ جوش اور اُمنگیں مٹی میں مل گئیں جو صدیوں سے ان کے دلوں میں اُٹھتیں اور اپنے محسنوں سے غداری کرنے پر آمادہ کرتی تھیں +

اور یہ جو کچھ ہُوا قدرت کی طرف سے ہُوا کیونکہ اگر اسوقت انگریز نہ آجاتے تو براہمنوں کی مراد بر آتی۔ اور وہ پھر اگلا سا عروج و اقتدار حاصل کر لیتے۔ اور ہر ایک قوم اور جاتی سے گِن گِن کے بدلے لیتے۔ اور جو لوگ حریت اور آزادی کی فضا میں پلے تھے۔ ان کو کچل کر رکھ دیا جاتا۔ یا از سر نو اُنہیں ذات پات کے سسٹم میں جکڑ کر اپنا مطیع و منقاد بنا لیا جاتا۔ مگر چونکہ خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ اس ملک میں جہاں ہزار سال تک مساوات کا علم لہرایا۔ براہمنوں کی جہالت کے اصولوں پر مبنی حکومت قائم ہو۔ اس لئے اس نے ایک ایسی قوم کو مسلط کر دیا جو خود بھی حریت اور مساوات کے اصولوں کی حامل۔ اور کسی دوسری قوم یا جاتی کی مذہبی آزادی میں مخل ہونا پسند نہ کرتی تھی +

اور یہی وجہ تھی کہ اسلام اور اہل اسلام۔ اس تباہی اور بربادی سے بچ گئے جو براہمنی سلطنت کے قائم ہو جانے سے لازماً اُن پر وارد ہونی تھی +

اس میں شک نہیں کہ انگریزوں کے آنے سے مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچا۔ انکی رہی سہی سیاسی قوت ہاتھ سے نکل گئی۔ اور جو علاقے ابھی براہمنوں کی دست برد سے محفوظ تھے۔ وہ انگریزوں کے قبضہ میں آ گئے۔ مگر چونکہ انگریزوں نے یہاں قدم جماتے ہی

انگریزوں کیطرف سے مذہبی آزادی کا اعلان

مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ اور ہر ایک کو اطمینان دلا دیا کہ ہماری طرف سے کسی قوم یا جماعت کو بھی مذہبی اصولوں پر عامل ہونے یا ان کی اشاعت کرنے سے نہ روکا جائے گا۔

انگریزوں اور مسلمانوں کا تعاون

اس لیئے مسلمانوں نے۔ ہاں ان مسلمانوں نے جو اپنے مذہب کو دنیا کی ہر ایک چیز سے عزیز جانتے ہیں۔ اور اسکی اشاعت کو اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں۔ اسی کو غنیمت سمجھا اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ مذہب ہے تو سب کچھ ہے، اپنے تمام سیاسی نقصانوں کو بھولکر راضی برضا ہو گئے۔ اور ملک کو مزید فتنہ و فساد سے بچانے اور اُسے ترقی و خوشحالی کیطرف لیجانے کے لئے انگریزوں سے تعاون کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں نے بھی مسلمانوں کو انکے عہدوں پر قائم رہنے دیا۔ اور اُنکی امداد سے حکومت کی مشینری چلانے لگے۔

یہ تعاون ہندو راجیوں کو نہ بھایا

مگر مسلمانوں کا انگریزوں سے تعاون اور میل جول ان لوگوں کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ جو بظاہر تو انگریزوں کے مطیع مگر دل میں وہی ہندو راج کا خیال جمائے بیٹھے تھے۔ چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا انگریزوں سے تعاون اور حکومت کے کاموں میں عمل دخل آگے چل کر ہمارے لیئے سخت مضر اور نقصان دہ ہوگا۔ اور جس پالیسی پر کاربند ہوتے ہوئے ہم نے بودھوں۔ جینیوں اور مسلمانوں کی قوی سے قوی اور مضبوط سے مضبوط

حکومت کو بھی تباہ کر دیا۔ وہ مسلمان اور فرنگی کے اتحاد کی موجودگی میں کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔

انگریز اور مسلمان کا تعاون توڑنے کیلئے منصوبہ بازی

اس لئے انہوں نے انگریزوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے پھاڑ دینے کا منصوبہ گانٹھا۔

برٹش راج کی جگہ ہندو راج قائم کرنیکیلئے پھر وہی داؤ پیچ

اور باوجودیکہ ہندو راج کے خواہشمندوں کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ انہیں بہت بری نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ اور یہ سمجھ کر کہ انہی کی بدولت ہمارے صدیوں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ان کو اپنا دشمن جانتے تھے۔ مگر چونکہ اپنی اس نفرت اور دشمنی کا برملا اظہار۔ ان کے مشن کیلئے سخت مضر تھا۔ اس لئے ہر قسم کی نفرت۔ حقارت اور دشمنانہ جذبات کو دلوں میں دباتے ہوئے۔ انگریزوں سے ملی بھگت کی ٹھانی۔ اور

ہندو راجیوں کا انگریز سے میل ملاپ ہندو راج کے لئے

اس ارادہ سے ٹھانی۔ کہ انگریزوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے متنفر و بیزار کر کے ہندو اقتدار کے لئے راہ صاف کی جائے۔ اور جس طرح بھی ہو انگریزوں پر اپنا اعتماد اور اعتبار جما کر چھوٹے بڑے تمام عہدوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور بصورت کامیابی۔ پرانے داؤ پیچ کو کام میں لاتے ہوئے برٹش راج کا تختہ الٹ کر یہاں از سر نو ہندو راج قائم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے انگریزوں سے راہ و ربط بڑھا کر وفاداری کے گیت گائے جا رہے ہیں

انگریز اور مسلمان میں کشیدگی پیدا کر ہی دی

تھے۔ اب مسلمانوں کے خلاف انکے کان بھرنے کا بھی موقعہ ہاتھ آگیا۔ اور وہ موقعہ لارڈ النبرا وائسرائے ہند کے عہد حکومت میں حاصل ہوا

ہندوستان کے اس حاکم کو اوّل تو مسلمانوں کے حال وقال سے واقفیت نہ تھی۔ دوسرے کسی خانگی معاملہ میں بھی ان سے رنجیدہ ہو چکا تھا لہ پھر تیسری بات یہ ہوئی۔ کہ اندنوں انگریزوں کی افغانستان سے جنگ چھڑ گئی اور ہندو راجیوں نے اس زریں موقعہ سے فائدہ اُٹھانے کے لئے حکام سے مل مل کر یہ کہنا شروع کیا کہ مسلمان انگریزوں کے اس اقدام کو بُری نظروں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس جنگ میں پٹھانوں کی فتح اور انگریزوں کی شکست ہو تا کہ ہندوستان میں پھر پٹھانوں کی حکومت قائم ہو جائے؟ انگریز بھی آخر انسان تھے ان میں سے بعض اس قسم کی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور ہندو راجیوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر یقین کر بیٹھے کہ واقعی مسلمان ہمارے خیر خواہ نہیں۔ یہی نہیں بلکہ بقول میجر بی۔ ڈی باسو۔ ہندو راجیوں کے اس پروپیگنڈے کا یہ نتیجہ نکلا کہ معمولی آفیسر ہی نہیں خود نائب السلطنت (وائسرائے) بھی ان کے داؤ میں آکر یقین کر بیٹھا کہ برٹش حکومت کی خیر خواہ اگر کوئی قوم ہے تو وہ ہندو قوم ہے نہ کہ مسلمان۔ جو دن رات ہماری شکست کے لئے دُعائیں مانگتے تھے۔ بس پھر کیا تھا۔ یہی بات وائسرائے نے انگلینڈ کے ذمہ دار کارکنوں کو بھی یاد کرانی چاہی۔ جیسا کہ ہندو فاضل میجر بی ڈی باسو آئی ایم ایس کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے

"۱۴۔ اکتوبر سنہ ۱۸۴۲ء کو گورنر جنرل مذکور نے ڈیوک آف ویلنگٹن کو شملہ سے فتح کابل و غزنی (کے موقعہ) پر لکھا تھا کہ

لہ یہی ہندو فاضل بتلاتا ہے کہ "لارڈ النبرا کی مسلمانوں سے ذاتی دشمنی تھی الخ" کیا تھی؟ یہ پھر کبھی بتلائینگے۔ احمدی مہاجر

"مسلمان رات دن یہی دعا مانگ رہے تھے کہ افغانستان میں انگریزوں کو شکست ہو۔ مجھے اچھی طرح ثابت ہوگیا ہے کہ وہ خاص لوگ جنکی گذر ہماری روٹی کے ٹکڑوں پر ہے وہ دل سے ہمارے بدخواہ تھے۔ بخلاف اسکے ہندو ہماری فتح پر اظہار شادمانی کر رہے ہیں۔ جب ہمیں مسلمانوں کی دشمنی کا یقین کامل ہے جنکی تعداد ۱/۱۰ ہے تو پھر کیوں نہیں ہم اس قوم کا ساتھ دیں جنکی تعداد ۹/۱۰ ہے اور جو ہماری وفادار ہے"

اس کے بعد پھر مسلمانوں کی مذمت کرنے کے بعد لکھا کہ

ہندو منظور نظر بنگئے

"ہماری سچی پالیسی یہ ہونی چاہیئے کہ ہندوؤں کے ساتھ مہربانی ہونی چاہیئے"

(بحوالہ ماڈرن ریویو کلکتہ از اخبار تیج دہلی، ستمبر ۲۵ء ص۲)

چونکہ مسلمان اس قسم کے مخفی داؤ پیچ اور اندرونی ریشہ دوانیوں سے قطعی ناواقف تھے۔ اس لئے وہ حکام پر اس بے بنیاد اور ناپاک پروپیگنڈے کی لغویت ظاہر نہ کرسکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حکام مسلمانوں سے بدظن ہو کر ہندو راجیوں کو لطف و مہر کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ اور مسلمان بھی بعض حکام کا تغیر پذیر سلوک دیکھ کر ملکی کاموں سے کنارہ کشی کر گئے ✦

غدر میں مسلمانوں کی پامالی

اسکے چند سال بعد ۱۸۵۷ء میں غدر ہوگیا۔ اسکے بانی مبانی براہمن اور دوسرے ہندو راجے ہی تھے اور یہ انہی کا منصوبہ تھا کہ انگریزوں کو ملک سے نکال کر یہاں از سر نو مرہٹہ حکومت قائم کی جائے۔[1] مگر چونکہ کچھ مسلمان بھی انکی چکنی چپڑی باتوں میں آکر انکے آلہ کار بنگئے تھے۔ اس لئے ہندو راجیوں نے اپنے منصوبے میں ناکام رہنے کے بعد معاملہ کو مشتبہ بنادیا۔ ہنیں نہیں بلکہ انگریزوں کو یقین دلادیا کہ یہ تمام فتنہ و فساد مسلمانوں کا

[1] اسکے متعلق رسالہ ہذا کا حصہ اول ملاحظہ ہو۔ احمدی حاجی

پیدا کیا ہوا تھا۔ اور اس طرح خود جھوٹ بولکر حاکموں کی نظروں میں سرخرو ہو گئے اور مسلمانوں کو اس کے نتائج بھگتنے کے لئے اکیلا چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو راجے تو گورنمنٹ کی نگاہوں میں پہلے سے زیادہ معزز اور مقرب قرار پائے۔ اور مسلمان جو پہلے ہی یاران وطن کی طفیل انگریزوں کی نظر سے گر چکے تھے۔ اور بھی مقہور و معتوب ٹھہرے

ہندوؤں کی خوشحالی و ترقی

چونکہ یہ لوگ اپنے داؤ میں پوری طرح کامیاب ہوئے تھے۔ اس لئے ہر جگہ انکی آؤ بھگت اور حوصلہ افزائی ہونے لگی۔ اور حکومت کے محکموں سے مسلمانوں کو نکال نکال کر انہی کو بھرتی کیا جانے لگا۔ آخر نوبت یہانتک پہنچی کہ وہ مسلمان جو اپنی علمی اور انتظامی قابلیت کے باعث حکومت کے ۸۰-۹۰ فیصدی عہدوں پر فائز تھے کچھ غلط فہمیوں کا شکار ہونے اور کچھ دفاتر کی زبان فارسی کی بجائے انگریزی ہو جانے کے باعث ہر جگہ سے خارج کئے گئے اور انکی جگہ انہی لوگوں کو متعین کیا گیا جو اتنی نوازشوں کے بعد بھی دل سے انگریزوں کو ناپاک اور قابل نفرت سمجھتے تھے جیسا کہ ایڈیٹر ملاپ کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے لکھا ہے کہ

باوجود مقرب ہونے کے انگریزوں سے دلی نفرت

"ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ (اس زمانہ میں) ہندو اہلکار انگریزوں سے ملنے کے بعد نہاتے اور کپڑے بدلتے تھے"

(ملاپ ۱۱۔ اکتوبر ۲۷ء)

ملک کا اکثر و بیشتر اختیار ہندوؤں کے ہاتھ میں

مگر باوجود اس قسم کی دلی نفرت کے پھر بھی انکی ہی خاطرداریاں ہوتی تھیں اور رفتہ رفتہ انہوں نے اتنا اختیار اور اقتدار حاصل کر لیا تھا کہ بقول ایڈیٹر تیج خود ہندو ہی برٹش راج کو ہندوؤں کی حکومت سمجھنے لگ

لگ گئے تھے[۵] لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ہندو راجے مطمئن نہ تھے۔ وہ یہ تو سمجھتے تھے کہ اسوقت تک جتنی کامیابی ہوئی ہے یہ بھی بہت بڑی کامیابی ہے اور بہت حد تک ملک کا انتظام ہمارے ہاتھ میں آگیا ہے۔ مگر یہ کامیابی اتنی نہیں کہ اسکے ذریعہ ہم حکومت کا تختہ اُلٹ کر اپنا راج قائم کردیں۔ کیونکہ ابھی بعض نہایت ہی اہم اور ذمہ واری کے عہدے خود انگریزوں کے قبضہ میں تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ہندو راجے اتنی بڑی کامیابی حاصل کرنے پر بھی قانع نظر نہ آتے تھے۔ جیساکہ اسوقت کے حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے مشہور فرانیسی فاضل ڈاکٹر گستاولی بان نے بھی لکھا تھا کہ

ہندو راج کے لئے مزید اختیارات کی آرزو

"ہندوستان کا انتظام کرنے والے درحقیقت بابو لوگ ہیں (مدراسی۔ بنگالی۔ ہندو) کیونکہ یہی وہ دیسی کارندے ہیں جو انگریزی انتظام کو چلاتے ہیں لیکن یہ اسپر قانع نہیں۔ ان کا خیال تو یہ ہے کہ ہندوستان کی سلطنت پورے طور سے بابوؤں کے ہاتھ میں رہے اور بابوؤں کے فائدہ کے لیے ہو۔ بابو اس آرزو کا خواب شیریں دن رات دیکھا کرتے ہیں۔ جب کبھی تین یا چار بابو اکٹھے ہوتے ہیں تو ان میں اسی قسم کی گفتگو ہوا کرتی ہے۔ کبھی کبھی وہ اس مضمون پر بحث کرتے کرتے جوش میں آجاتے ہیں اُسوقت ایک طوفان۔ بے تمیزی برپا ہو جاتا ہے۔ اور کوئی کسی کی بات نہیں سنتا۔ اگراس انتشار میں ایک آدھ لمحہ خاموشی ہو جاتی ہے تو اسکا سبب یہ ہے کہ شائد کسی یوروپی کے آنے کی آہٹ انکو ہوتی۔ جونہی یوروپی انکے سامنے آتا ہے تو یہ خوفزدہ جماعت افسوس کی آہیں بھرتی ہوئی ادھر اُدھر منتشر

[۵] اصل حوالہ رسالہ ہذا کے صـ پر نقل ہو چکا ہے۔ وہاں دیکھئے۔

ہو جاتی ہے۔ (تمدن ہند صفحہ ۵۱)

لیکن چونکہ انگریز اتنے غیر مآل اندیش نہ تھے کہ انکی ظاہرا وفاداری کو دیکھتے ہوئے ذمہ داری کے عہدے بھی اتنی جلدی انہی کو سونپ دیتے۔ اس لئے یہ اندر ہی اندر تلملاتے اور سٹ پٹاتے تھے۔

اعلیٰ عہدوں کی خواہش

اور دن رات اسی کوشش میں تھے کہ جس طرح بھی ہو۔ اعلیٰ درجہ کے عہدوں پر بھی قبضہ ہو جائے مگر باوجود پوری پوری تگ ودو اور کوشش کے انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا جاتا۔ انکی حرص وآز میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اور جب دیکھا کہ خاموش رہنے سے کامیابی نہ ہوگی تو اس مہم کو سر کرنے کے لئے انکی دو جماعتیں بن گئیں۔ ایک نے تو چاپلوسی۔ خوشامد اور وفاداری کے گیت گا گا کر گورنمنٹ سے کچھ مزید اینٹھنے کی ٹھانی۔

کانگریس کی تحریک کی غرض وغایت

اور دوسری جماعت نے انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم پر قبضہ کر کے گورنمنٹ پر اپنی بے چینی کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ اور دھواں دھار تقریروں اور غضب آلود تحریروں کے ذریعہ اُسپر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ ہندوستانیوں کو اعلیٰ آسامیوں پر بھی فائز کرے۔ لیکن چونکہ کانگریس کی آواز اُسی حالت میں گورنمنٹ کو متاثر کر سکتی تھی جبکہ اس کو ملک کی نمائندہ انجمن ہونے کی پوزیشن حاصل ہوتی۔

مسلمانوں کو آلۂ کار بنایا

اس لئے ہندو راجیوں نے مسلمانوں پر ڈورے

ڈالنے شروع کئے۔ اور انہیں ملک اور قوم کا واسطہ دے دے کر۔ اور آزادی کے نام پر اپیلیں کرکرکے اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ اور ساتھ ہی یقین دلایا کہ تم اگر ہمارے دوش بدوش کھڑے ہوکر گورنمنٹ پر دباؤ ڈالوگے تو کچھ نہ کچھ تمہیں بھی مل جائے گا۔ لیکن باوجودیکہ مسلمان غدر کے بعد انکے بڑھاؤوں۔ اپیلوں اور چکنی چپڑی باتوں کے تلخ نتائج بھگت چکے تھے اور دیکھ چکے تھے کہ ان لوگوں نے ہمیں آلۂ کار بناکر کس طرح اپنا مطلب سِدھ کیا۔ مگر چونکہ وہ دل کے صاف۔ اور ملک کی عزت۔ و آزادی کے خواہاں تھے۔ اس دفعہ بھی انکی باتوں میں آکر کانگرس کے پلیٹ فارم پر ہندوؤں کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ اور تو اور سرسید احمد خاں ایسا دور اندیش۔ زیرک اور دانا شخص بھی ان کی اپیلوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اور حب الوطنی کے جوش میں آکر نہ صرف انکی حمایت میں آواز بلند کی۔ بلکہ کانگرس کی امداد کے لئے انہیں چندہ بھی جمع کرکے دیا۔ مگر وہ مسلمان جو اپنی سادہ لوحی اور بے لوث طبیعت کی وجہ سے انکے پولٹیکل ہتھکنڈوں کا شکار ہوکر کانگرس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے تھے جلد ہی ہوش میں آگئے۔ اور انہیں

مسلمانوں کو جلدی ہوش آگئی

دو چار سال کے اندر ہی اندر معلوم ہوگیا کہ ہمیں اس دفعہ بھی آلۂ کار ہی بنایا گیا ہے۔ اور ہماری ہمدردی اور اعانت محض اس لئے حاصل کیگئی تھی کہ اس کے ذریعہ ہندوانہ مقاصد کو تقویت پہنچائی جائے۔ اور ہندوستانیوں کے نام سے صرف ہندوؤں کو عہدے دلائے جائیں۔ کیونکہ جب انہوں نے دیکھا کہ جو اعلےٰ عہدے ہندو اور مسلمان دونوں کو ملنے تھے وہ سب کے سب ہندو لے گئے تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور سمجھ لیا کہ کانگرس نام کے لحاظ سے تو بیشک نیشنل ہے مگر حقیقت میں وہ ہندوؤں ہی کی انجمن ہے۔ جسے مسلمانوں کے حقوق۔ آزادی

سوراج، یا ہوم رول سے قطعاً کوئی سروکار نہیں۔ اور اس دفعہ مسلمانوں کو ایسا سبق

مسلمان کانگرس سے الگ ہو گئے

ملا تھا کہ پھر انہوں نے بحیثیت جماعت مدت مدید تک کانگرس کا نام نہیں لیا۔ اور نہ ہی اسکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا۔ اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے واقعات کی بنا پر کہا ہے۔ اور خود ان لوگوں کو بھی دبی زبان سے اس بات کا اقرار ہے کہ کانگرس کے ابتدائی ایام میں ہندو مسلمانوں کی متحدہ کوششوں سے جو کچھ بھی گورنمنٹ نے دیا وہ سب کا سب ہندوؤں کے حصہ میں آیا۔ اور مسلمان مُنہ دیکھنے کے دیکھتے ہی رہ گئے ۔

تمام عہدے ہندو لے گئے اور مسلمان مُنہ دیکھتے رہ گئے

ایڈیٹر ملاپ لکھتا ہے کہ

"جب کانگرس پہلی دفعہ پنجاب میں آئی تو یہاں اسکی صورت کچھ بدل دی گئی۔ جس سے مسٹر ہیوم کچھ ناراض ہوئے اور وہ پھر کانگرس میں جو زیادہ جوشیلی طبیعت کے ہندو تھے۔ انکو ہائی کورٹ وغیرہ کی اعلیٰ اسامیوں پر متعین کر دیا گیا۔ اس کا فائدہ گورنمنٹ کو یہ پہنچا کہ مسلمان پہلے الگ تو تھے ہی دو اب انمیں یہ ناراضگی پیدا ہوئی کہ ہندو خود اعلیٰ عہدے لے رہے ہیں اور مسلمانوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اور پھر بھی کہا جاتا ہے کہ کانگرس سب کی مشترکہ ہے" ملاپ ۱۵۔ اگست ۱۹۲۳ء

لیکن مسلمانوں کے بحیثیت جماعت الگ ہو جانے پر بھی کانگرس کے اجلاس ہوتے رہے اور ملک کو آزادی دلانیکی بجائے اسکے ہندو ممبروں کی صرف یہی کوشش رہی کہ جتنی بھی زیادہ سے زیادہ اسامیاں حاصل ہو سکیں وہ قبضہ میں کی جائیں ۔

کانگرس کے مطالبات کو مؤثر بنانے کے لئے کرایہ کے مسلمان

لیکن چونکہ اس کیلئے پھر بھی انہیں مسلمانوں کی ہمنوائی کی ضرورت تھی کیونکہ جبتک وہ یہ ظاہر نہ کریں کہ ہمارے مطالبات میں مسلمان بھی شریک ہیں اسوقت تک انکی آواز گورنمنٹ کے ہاں قابل پذیرائی نہ ہو سکتی تھی اس لئے کانگرسی ہندوؤں نے یہ طریقہ

اختیار کیا کہ کانگریس کے سالانہ اجلاس پر بعض کرایہ کے مسلمانوں کو مختلف قسم کے لالچ دیکر اور سبز باغ دکھا کر ساتھ لیجاتے اور گورنمنٹ و پبلک پر یہی ظاہر کرتے کہ ہمارے اجلاس ملک کے نمائندہ اجلاس ہیں اور ہماری آواز سارے ہندوستان کی متفقہ آواز ہے جس میں ہندو مسلمان سکھ عیسائی پارسی سبھی شامل ہیں۔ اور غرض محض یہ ہوتی کہ کانگریس کو ملک کی نمائندہ انجمن بنا کر سرکاری ملازمتوں پر ہندوؤں کا تقرر کروا دیا جائے اور ہندو راج کیلئے راستہ صاف کیا جائے۔ اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے خود انہیں بھی مسلّم ہے۔

لالہ لاجپت رائے نے۔ لائلپور میں تقریر کرتے ہوئے اقبال کیا تھا کہ

"وہ دن کسی کو بھولے نہیں ہیں جب کانگریس میں کرایہ کے مسلمان لائے جایا کرتے تھے۔ محض یہ ثابت کرنیکے لئے کہ مسلمان بھی کانگریس میں شریک ہیں اور کانگریس صحیح معنوں میں نیشنل پارٹی ہے"

(تیج ۲۴۔ نومبر ۲۶ء)

اور ساتھ ہی اسکی اصل غرض یہ ہوتی تھی کہ اپنے آپ کو ملک کے نمائندے جتا کر بڑے بڑے عہدے قبضہ میں کئے جائیں جیسا کہ لالہ دُنی چند چیئرمین استقبالیہ کمیٹی پنجاب پراونشل کانگریس امرتسر نے اپنے استقبالیہ خطبہ میں تسلیم کیا ہے کہ

"کانگریس کی تمام کوششیں ہندوؤں کو عہدے دلانے کیلئے تھیں نہ کہ ملک کو آزاد کروانے کے لئے"

اسوقت اکثر لوگ بھی کانگریس کو ایک فیشن ایبل جلسہ سمجھتے تھے۔ اس زمانہ میں مختلف صوبوں کے سال بھر کے تھکے ماندے بیرسٹر وکیل۔ اور چند دوسرے آزاد پیشے والے آدمی سال میں ایک دفعہ باری باری ہندوستان کے مختلف شہروں میں جمع ہوتے تھے۔ اور اپنے اپنے خیال کے مطابق کانگریس میں رزولیوشن پاس کرتے اور جہاں کانگریس ہو۔ وہاں کی سیر کرکے گھروں کو واپس آجاتے تھے اور عام غلاموں کیطرح کانگریس کے ڈیلیگیٹوں کی زیادہ تر توجہ سرکاری ملازمت

کے ٹکڑوں کیطرف ہوتی تھی۔ مثلاً ہندوستانیوں کا ہائیکورٹ کی ججی۔ کمشنر۔ ڈپٹی کمشنر اور فوج کے لفٹنٹ۔ سکولوں کے انسپکٹر۔ پولیس کا سپرنٹنڈنٹ بننا۔ اور سول سروس کا انگلستان۔ اور ہندوستان میں امتحان ہونا وغیرہ وغیرہ" (پرتاپ ۹ دسمبر ۲۴ء)

ان حوالجات کے پڑھنے سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ کانگریس پر ہندوؤں کا قابض ہوکر گورنمنٹ پر دباؤ ڈالنا اس لئے نہ تھا کہ اس کے ذریعہ ملک کو آزادی دلائی جائے۔ مسلمانوں کی جو حق تلفیاں ہوئیں ان کا ازالہ کروایا جائے۔ اور سرکار سے جتنے عہدے ملیں وہ حصہ رسدی ہر ایک قوم کو دلائے جائیں بلکہ اسکی غرض یہ اور صرف یہ تھی کہ مسلمانوں کو آلۂ کار بنا کر ہر قسم کے عہدے اور مناصب ہندوؤں کو دلائے جائیں۔ تاکہ ہر قسم کا اختیار اور اقتدار ہندوؤں کے ہاتھ میں آجائے۔ اور بعد ازاں پرانے داؤ کو کام میں لاتے ہوئے ہندو راج قائم کر دیا جائے +

قریب تھا کہ یہ لوگ اپنی مسلسل اور لگاتار کوششوں میں کامیاب ہو جاتے کہ حالات نے جلد جلد بدلنا شروع کیا یعنی ایک طرف تو مسلمان کانگرس سے ہٹ کر اپنی تعلیمی حالت کو درست کرنیکی فکر میں لگ گئے۔ اور دوسری طرف بعض دردمند مسلمانوں اور شریف النفس انگریزوں کی مبارک کوششوں سے وہ بدظنیاں اور غلط فہمیاں بھی دُور ہونی شروع ہوگئیں۔ جو بعض غرضمند لوگوں کی طرف سے پیدا کی گئی تھیں +

ہندؤنکی ذہنیت کو دیکھ کر گورنمنٹ بھی چونکی

اس قسم کی مخلصانہ کوششوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ گورنمنٹ بھی ہندو راجیوں کے نہ ختم ہونیوالے مطالبات کو دیکھتے ہوئے چونکی۔ اور بھانپ لیا کہ ان کا ہر وقت۔ ھَلْ مِنْ مَّزِیْد۔ کے نعرے لگانا اور اپنی تعدادی نسبت سے کہیں زیادہ حقوق حاصل کر لینے پر بھی مزید کی خواہش کرنا کس مقصد اور مدعا کے لئے ہے۔ اور جب اس نے دیکھ لیا کہ سرکاری دفاتر میں

ایک ہی قوم کی اجارہ داری اور غلبہ نہ صرف امن اور انصاف کے خلاف ہے بلکہ اس سے حکومت کا قیام بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ تو اس نے اپنی پالیسی کو بدلنا ضروری سمجھا۔ اور وہ انگریز حاکم۔ جو عدل وانصاف کو پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اب دوسری قوموں کو بھی حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کا موقع دیا۔ اور جو جماعتیں بہت ہی پسماندہ تھیں انہیں اُٹھانے۔ ترقی دینے اور حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کے قابل بنانے کی بھی مقدور بھر کوشش کی +

لیکن چونکہ ابھی مسلمان پراگندہ۔ منتشر اور غیر منظم تھے۔ اس لئے وہ گورنمنٹ کی اس منصفانہ وخیر خواہانہ پالیسی سے خاطر خواہ فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اور ہر جگہ ہندوؤں کا ہی تسلط اور غلبہ رہا۔ مگر چونکہ یہ حالت زیادہ دیر تک قائم رہنے والی نہ تھی اس لئے جلد ہی مسلمان بھی اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کے پردے چاک کرتے ہوئے میدانِ عمل میں آکودے +

لیکن جب تک ان میں تنظیم، آواز میں قوت اور مطالبات میں ہم آہنگی نہ پیدا ہوتی۔ اُسوقت تک ان کا ترقی کی دوڑ میں حصہ لینا نتیجہ خیز نہ ہو سکتا تھا +

مسلمانونکی بیداری اور مسلم لیگ کا قیام

اس لئے انہوں نے بھی کانگریس کیطرح ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کا نام مسلم لیگ قرار پایا۔ اس لیگ کا معرض وجود میں آنا تھا کہ ان میں ایک نئی زندگی، جوش۔ ترقی کی خواہش اور حقوق کا احساس پیدا ہوئے بغیر نہ رہا۔ اور یہ متحد اور منظم ہونے کی برکت تھی کہ لیگ کی آواز پہ گورنمنٹ کو بھی جلد ہی متوجہ ہونا پڑا۔ اور یہ اسی لیگ کی باضابطہ

کوششوں کا نتیجہ تھا کہ حکومت کے کاموں میں مسلمان بھی نظر آنے لگے۔ ہاں یہ اسکی
پیہم کوششیں تھیں کہ جنکی بدولت مسلمانوں کی سیاسی اہمیت تسلیم کی گئی۔ اور اُس
وقت کے وائسرائے لارڈ منٹو کو اسلامی وفد کے جواب میں ماننا پڑا کہ

"آپ لوگ بالکل جائز طور پر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ کے حقوق کا فیصلہ
صرف آپکی قوم کی تعداد کو مدِ نظر رکھکر نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس فیصلہ کے وقت
آپ کی قوم کی سیاسی اہمیت کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیئے جو اس نے حکومت برطانیہ
کی تائید میں کی ہیں۔ میں بالکل آپ کے اس خیال سے متفق ہوں"۔

اور یہ مسلمانوں کی بیداری اور زندہ رہنے کی خواہش کا ہی پھل ہے کہ بعدازاں اسی
لارڈ منٹو کی سفارش پر گورنمنٹ نے منٹو مارلے سکیم میں مسلمانوں کو کسی حد تک جداگانہ
انتخاب کے ذریعہ اپنے صحیح ترجمان منتخب کرنے کا بھی حق دیا تاکہ وہ کونسلوں میں جاکر
انکی صحیح نمائندگی کر سکیں۔ اور گورنمنٹ کے سامنے اپنی ضرورتوں اور خواہشوں کا
اظہار کر سکیں۔ ورنہ اس سے قبل مشترکہ انتخاب کے باعث کونسلوں اور دوسرے
انتخابی اداروں میں خال خال ہی کوئی مسلمان جا سکتا تھا۔ اور جو وہاں جاتا بھی تھا وہ بھی
مسلمانوں کا صحیح نمائندہ نہ ہوتا تھا۔ اور اُسے ہمیشہ ہندو اکثریت کے اشاروں پر
ہی کام کرنا پڑتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی ضروریات اور انکی خواہشات سے
ناواقف رہتی۔ اور ہندو ممبر جو چاہتے منواتے اور اپنی قوم کو فائدہ پہنچاتے۔ اور مسلمان
ہمیشہ ہی جی مسوس کے رہ جاتے۔ مسلمانوں کی اس بیداری۔ اور گورنمنٹ کی منصفانہ
روش کو دیکھتے ہوئے چاہیئے تو یہ تھا کہ برادرانِ وطن خوش ہوتے کہ اب مسلمان بھی ترقی
کی دوڑ میں ہمارا ساتھ دینگے۔ اور انکی امداد سے ملک کو جلد سے جلد خوشحال بنایا جا سکیگا
مگر یہ تو تب ہوتا۔ جبکہ انکے اندر ہندو راج کی خواہش چٹکیاں نہ لیتی۔ اور ہر وقت اُن پر
اپنے ہی اقتدار کا خیال مسلط نہ ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ خوش ہونے کی بجائے مُنہ

بسورنے لگے ؛

تشدد پسندوں کا ظہور

یہی نہیں بلکہ ان میں ایک اور جماعت کا اضافہ ہوگیا جو تشدد پر اُتر آئی اور گورنمنٹ کی اس پالیسی کو دیکھتے ہوئے ملک کے امن و امان کو اپنے متشددانہ افعال سے دھمکیاں دینے لگی۔ اور یہ اسی جماعت کی کوشش اور پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ ملک میں جابجا بم فیکٹریاں قائم ہوئیں۔ فساد ہوئے۔ ڈاکے پڑے۔ اور بیسیوں سرکاری افسر اور کارکن بھی مارے گئے۔ جیسا کہ رسالہ ہذا کے پہلے حصہ میں ان کے متعلق لکھا جا چکا ہے ؛

مسلمانوں کی مخالفت کیلئے ہندو مہا سبھا کا قیام

مگر چونکہ اکثر ہندو راجے اس قسم کے افعال کو اُسوقت کے حالات کے ماتحت چنداں مفید نہ سمجھتے تھے۔ اور نہ ہی کانگریس کے پلیٹ فارم پر مسلم لیگ کے خلاف کوئی مظاہرہ کیا جا سکتا تھا کیونکہ کانگریس خالص ہندو انجمن ہونے پر بھی اپنے آپ کو سارے ملک کی مشترکہ انجمن جتلا کر ہی کرایہ کے مسلمانوں کو جمع کرتی اور اس طرح ہندوانہ مقاصد

لہ "مسلمانوں کے کانگرس سے علیحدہ ہو جانے اور مسلم لیگ قائم ہو جانے سے کانگرس صرف ہندوؤں کا انسٹی ٹیوشن بن کر رہ گیا"۔ (بندے ماترم ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء صہ ۲)

کو تقویت پہنچانی تھی۔ اسلئے وہ مسلم لیگ کی جائز کارروائیوں کے خلاف کھلم کھلا کوئی کارروائی نہ کرسکتی تھی۔ لیکن چونکہ مسلم لیگ کا وجود اس کے حقیقی مقاصد کے خلاف تھا۔ اس لئے کانگرس کے ہندو ممبروں نے سرکار کے بعض ہندو ملازموں کے ساتھ ملکر مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکانے کے لئے ایک اور سبھا قائم کی۔ جس کا نام ہندو مہا سبھا رکھا گیا۔ اور اس میں عموماً وہی لوگ شامل ہوئے جو گورنمنٹ سے تعلقات بڑھانے میں ہی اپنی قوم کا فائدہ سمجھتے تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ گورنمنٹ سے محبت کی پینگیں بڑھا کر ہی مسلمانوں کو پیچھے دھکیلا جاسکتا ہے۔ اور گورنمنٹ کے محبوب اور مقرب بنکر ہی ملک کا تمام انتظام اپنے قبضہ میں کیا جاسکتا ہے[۱]

یہ سبھا قائم ہوئی اور بڑے جوش اور خروش کے ساتھ قائم ہوئی کہ جس طرح بھی ہو مسلم لیگ اور اس کے ممبران کی راہ میں قدم قدم پر روک ڈالی جائے۔ اور وہ گورنمنٹ سے تعلقات بڑھا کر۔ کونسلوں میں جاکر۔ اور حکام سے مل ملا کر اپنے غصب شدہ حقوق واپس نہ لے سکیں۔ اور یہ صرف قیاس ہی نہیں حقیقت ہے۔ اور ہندو کانفرنس کانگڑہ کے صدر استقبالیہ پنڈت دین دیالو صاحب نے بھی دبی زبان سے اقرار کیا ہے کہ مسلم لیگ کی جائز کوششوں کو دیکھ کر ہی

ہندو سبھا کیوں اور کہاں بنی؟

"ہندوؤں کے ایک فریق نے بھی ہندوؤں کی خالص حفاظت کے لئے مسلم لیگ کے ڈھنگ پر ہندو سبھا بنانے کی ٹھانی (اور) پہلے پنجاب میں ہندو سبھائیں بنیں"

اسکے بانی کون لوگ تھے

"سر پی۔ سی چیٹر جی۔ لالہ لال چند۔ لالہ لاجپت رائے رائے بہادر رام شرن داس۔ ٹھاکر میاں چند وغیرہ سرکاری اور غیر سرکاری (یعنی کانگرسی۔ ز ناقل) آریہ سماجی اور سناتن دھرمی سبھی وچار

[۱] اسکے متعلق خود انہی لوگوں کے اقبالی بیان ص۱۹۲ پر نقل کئے جاچکے ہیں جنسے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ گورنمنٹ سے مل کر اور اسکی خوشامد کرکے مسلمانوں کو ضعف پہنچانا چاہتے تھے۔ احمدی مہاجر

(خیال)، کے ہندو اس میں شامل ہیں"۔

سب سے پہلا سکرٹری

"جسٹس سر شادی لال اس ہندو مہا سبھا کے منتری (سکرٹری) تھے۔ لاہور۔ امرتسر۔ دہلی وغیرہ میں کئی زبردست ہندو کانفرنسیں ہوئیں"۔

بعد کے لیڈر

"گذشتہ کنبھ کے میلہ پر ہریدوار میں ایک بھارت ورشیہ ہندو سبھا کی بنیاد ڈالی گئی۔ اسکے مہتمم قاسم بازار کے مہاراجہ بابو سکھبیر سنگھ وغیرہ اصحاب تھے۔ مہاتما گاندھی جی نے بھی اس جلسہ میں درشن دئے تھے۔ اس سبھا کے دو ادھیویشنوں (اجلاس)، کے سبھا پتی (صدر) شری مدن موہن مالویہ ہوئے۔" (ملاپ ۵۔ اگست ۲۵ء صہ)

پنڈت صاحب کے محولہ بالا بیان کو پڑھتے ہوئے کسی کو یہ مغالطہ نہ لگے کہ ہندو مہا سبھا کی غرض صرف "ہندوؤں کی خالص حفاظت" تھی۔ کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو بھی پنڈت صاحب اپنی اس تقریر میں یہ نہ بتلاتے کہ

"لکھنؤ میں جو ہندو مسلم پیکٹ تیار ہوا تھا (جس میں مسلمانوں کے بعض حقوق تسلیم کئے گئے تھے) اس سبھا نے بڑے زور سے اسپر پروٹسٹ کیا" (صہ)

اگر اسکے قیام کا مقصد اور مدعا مسلمانوں کی مخالفت کرنا نہ ہوتا۔ تو خود اسکے بعض حامیوں کو ہمارے بیان کی تائید نہ کرنی پڑتی۔ جیسا کہ ذیل کے حوالجات سے ظاہر ہے:۔

ہندو سبھا کا مقصد مسلمانوں کی مخالفت ہے

ایڈیٹر پرتاپ نے تسلیم کیا ہے کہ

"ہندو سبھا ہے کیا؟ اس کے اُدیشوں (مقاصد) کے متعلق اس لئے جھگڑا ہے، کہ شروع میں اسکی باگ ڈور ایسے ہندوؤں کے ہاتھ میں رہی ہے جو سرکار پرست تھے۔ وہ پالٹیکس کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے۔ انہوں نے پالٹیکس

کا تو اس سبھا میں پرویش (دخل) نہ ہونے دیا۔ اگر کچھ کیا بھی تو صرف اس قدر کہ گورنمنٹ کے پاس مسلمانوں کے خلاف چند شکایات کر دی گئیں"

(پرتاپ ۱۰۔ اگست ۲۵ء ص ۲)

"ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ ہندو سبھا کی ضرورت ہے مستقل طور پر نہیں۔ بلکہ عارضی طور پر۔ اور صرف اس وقت تک جب تک کہ مسلمان سیدھے راستہ پر نہیں آتے" [۱] (ص ۹)

ان حوالجات سے صاف ظاہر ہے کہ ہندو مہا سبھا کا جنم صرف مسلمانوں ہی کی مخالفت کے لئے ہوا۔ اور وہ بھی سر بی۔ سی چٹرجی۔ لالہ لاجپت رائے۔ پنڈت مالویہ۔ اور پنڈت موتی لال نہرو [۲] وغیرہ پرانے کانگریسیوں کے ہاتھوں۔

اب ناظرین خود ہی قیاس فرمالیں۔ کیا آج تک جن لوگوں کے ہاتھ میں کانگریس کی باگ ڈور رہی۔ مسلمانوں کو ان سے کسی خیر کی توقع ہو سکتی ہے؟ اور یہ لوگ مسلمانوں کے وہ حقوق تسلیم کر سکتے ہیں جن سے ہندو اقتدار کو صدمہ پہنچے۔ خواہ وہ کتنے ہی حق اور انصاف پر کیوں نہ مبنی ہوں؟

کانگریس اور مہا سبھا کے مقاصد یکساں ہیں

ہم نہیں سمجھتے کہ کانگریسی مسلمان ان حالات سے باخبر ہوتے ہوئے بھی کیوں کانگریس ہی کی بغل میں گھسنا ملک اور ملت کی سب سے بڑی خدمت سمجھے بیٹھے ہیں؟ اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ کانگریس اور ہندو مہا سبھا۔ بظاہر دو الگ الگ انجمنیں

---

[۱] اس کا یہی مطلب ہو کہ جبتک مسلمان اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے رہیں۔ اسوقت تک ہندو سبھا کی بھی ضرورت ہے اور جب مسلمان اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائیں تو یہ سبھا بھی توڑ دی جائے

[۲] پنڈت موتی لال صاحب نہرو نے علیگڈھ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "۲۰ سال پیشتر پنڈت (مالویہ) جی نے الہ آباد میں جو ہندو دھرم مہا سبھا قائم کی۔ میں اسکے متعلق سرگرم کارکنوں میں سے تھا" (پرتاپ ۱۷۔ نومبر ۲۶ء ص ۵)

ہیں۔ انکے نام الگ الگ ہیں۔ ان کے طریق کار میں فرق ہے۔ مگر اغراض اور مقاصد دونوں کے ایک سے ہیں۔ اور دونوں ہی ہندو اقتدار کی خواہاں ہیں۔ دونوں ہی ہندو راج کی حامی اور دونوں ہی مسلم حقوق کی مخالف ہیں۔ اور نہیں چاہتیں کہ مسلمان بھی پنپنے پائیں۔ مگر پھر بھی کانگرسی مسلمان انہی لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانا زندگی کا مقصد قرار دیئے بیٹھے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ کانگرس ہمیں آلۂ کار بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتی۔ اور ان کو ساتھ ملا کر اور اپنے آپکو ملک کی نمائندہ انجمن بتلا کر ہندوانہ مقاصد کو تقویت پہنچا رہی ہے +

ہمیں ان کانگرسی مسلمانوں کی حالت پر رہ رہ کر تعجب آتا ہے کہ آخر یہ لوگ کیا سمجھ کر کانگرس کے کاز کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہندو مہاسبھا کانگرسیوں ہی کی کوششوں سے بنی۔ اور کانگرس کے ممبر ہی تھے۔ جنہوں نے اسکی بنیاد رکھی۔ اور انہی کی امداد اور اعانت سے اس کا ڈھانچہ تیار ہوا۔ اور انہی کے ایما پر یہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں اُتری +

بھولے بھالے کانگرسی مسلمانو! سنبھلو اور اپنی بے راہ روی سے اسلامی مفاد کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ تمہیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ کانگرس اور ہندو سبھا کے ممبر ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ یہ جب دیکھتے ہیں کہ اسوقت مسلمانوں کو ساتھ ملا کر گورنمنٹ سے کچھ لے سکتے ہیں۔ تو اُسوقت یہ کانگرسی جامہ پہنکر مسلمانوں کی حب الوطنی کو اپیل کرتے ہیں۔ اور انکو ساتھ ملا کر اور کانگرس کو ملک کی مشترکہ انجمن ظاہر کر کے گورنمنٹ سے کچھ نہ کچھ اینٹھ لیتے ہیں۔ اور جب دیکھیں کہ اب مسلمانوں کو بھی کچھ ملنے لگا ہے تو یہی کانگرسی مہاسبھائی ہو کر مسلمانوں کے خلاف اتنا طوفان بے تمیزی اٹھاتے ہیں کہ بعض اوقات گورنمنٹ بھی مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اور یہ جو کچھ ہمنے کہا ہے حقیقت پر مبنی ہے اور گذشتہ سالہ واقعات اسپر شاہد ناطق ہیں۔ اور جو لوگ

گذشتہ حالات اور واقعات کا علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہونگے کہ جب کانگرس نے مسلمانوں کو ہمنوا بنا کر مزید اصلاحات کا مطالبہ کیا۔ تو گورنمنٹ نے منٹو مارلے سکیم کے ماتحت بعض چند اصلاحات ملک کو اور عطا رکیں۔ لیکن جب کانگرس نے دیکھا کہ گورنمنٹ نے اس سکیم میں مسلمانوں کو بھی بعض خاص حقوق عطا رکئے ہیں۔ تو یہی کانگرسی مہاسبھا کے پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اسکی مخالفت کرنے لگ پڑے + اس کے بعد جب کبھی بھی گورنمنٹ نے مسلمانوں کی زبون حالی اور پسماندگی کو دیکھتے ہوئے انہیں ترقی کرنے کے بعض مواقع بہم پہنچائے۔ تو یہی کانگرسی۔ مہاسبھائی بھیس میں مسلمانوں کی مخالفت میں منہ سے جھاگ بہانے لگے۔ اور جیسے جیسے گورنمنٹ مسلمانوں کو انکے حقوق دلاتی گئی ویسے ہی ویسے انکی آتش حسد تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ادھر تو تشدد پسندوں نے اپنی بم سازی۔ پسٹل بازی اور ڈکیتیوں سے گورنمنٹ پر رعب ڈالنا چاہا۔ اور دوسری طرف مہاسبھائیوں نے مسلمانوں کو مرعوب کرنیکے لئے گئے اور باجہ کا سوال چھیڑ کر ہندو اکثریت کو انکے خلاف بھڑکا دیا۔ اور یہ انہی کی انگیخت کا نتیجہ تھا کہ اجودھیا۔ شاہ آباد۔ آرہ۔ کٹارپور وغیرہ مقامات میں سینکڑوں مسلمان زخمی اور شہید ہوگئے۔ لیکن جب دیکھا کہ گورنمنٹ اور مسلمان اس قسم کے تشدد اور ہنگاموں سے بھی مرعوب نہیں ہوتے تو آخر کار انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ چونکہ اب گورنمنٹ کا سلوک ہمارے ساتھ پہلے کا سا نہیں رہا۔ اب وہ ہماری ہر ایک بات کو پورا کرنا ضروری نہیں سمجھتی۔ اور باوجود ہماری چیخ پکار کے وہ دوسری قوموں کو بھی حکومت کے کاموں میں شریک کر رہی ہے۔ اور جداگانہ انتخاب کا رواج دیکر کونسلوں میں ہماری نمائندگی کا دائرہ محدود کر دیا ہے +

ہندو اقتدار کے لئے سوراج کا مطالبہ

لہذا اب یہی بہتر ہے کہ ملک کی طرف سے اس قسم کی ڈومینین سٹیٹس

یا حکومت خود اختیاری[1] کا مطالبہ کیا جائے جو حکومت کی باگ ڈور ہندو اکثریت کے سپرد کردے تاکہ تمام اعلیٰ اختیارات انگریزوں کے ہاتھ سے نکل کر ہندو اکثریت کے ہاتھ میں آجائیں اور اُسوقت ہم جو چاہینگے کرینگے اور ملک کی دوسری قوموں کو جس طرح چاہینگے رکھیں گے اور ایسی حالت میں ہمارے اختیار اور اقتدار میں دوسری کوئی طاقت دست اندازی نہ کرسکے گی +

لیکن اسکے لئے ضروری تھا کہ مسلمانوں کی امداد اور اعانت حاصل کی جائے۔ کیونکہ جبتک مسلمان انکے اس مطالبہ کی تائید نہ کریں اسوقت تک گورنمنٹ پر کوئی دباؤ یا اثر نہیں ڈالا جاسکتا۔ اسلئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ مہاسبھا کو پیچھے کرکے کانگرس کو آگے کیا جائے اور وہ مسلمانوں کو آزادی کے نام سے اپیل کرکے اپنے ساتھ ملائے۔ تاکہ متحدہ طور پر گورنمنٹ پر زور دیا جاسکے۔ وہ اپنے وعدہ کا ایفا کرتے ہوئے ملک کو سوراج عطا کردے +

چنانچہ اس فیصلہ کے بعد ہندو مہاسبھائی سرگرمیوں کو روک دیا گیا۔ اور کانگرس نے

مسلمان نوجوانوں کو پھانسنے کی کوشش

آگے بڑھ کر مسلمان نوجوانوں پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ اور جب ۱۹۱۵ء میں کانگرس کے علاوہ آل انڈیا مسلم لیگ کا بھی سالانہ اجلاس بمبئی میں ہونیوالا تھا اُسوقت ہندو لیڈروں نے مسلمانوں کو پھانسنے کے لئے انکی بہت سی آؤ بھگت کی۔ دعوت کی۔ اور باجوں گاجوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور ہندو مسلم اتحاد کے شیریں راگ گا گا کر اپنے ڈھب پر لایا گیا۔ جیساکہ آریوں کے اخبار مسافر آگرہ کے مندرجہ ذیل مختصر سے بیان سے واضح ہے۔

ہندو لیڈروں کیطرف سے مسلمان نوجوانوں کی آؤ بھگت

ہندو مسلمانوں میں اتحاد اور یگانگت کی نئی روح پھونکنے کی غرض سے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہندو لیڈران قوم نے اس موقعہ کو جبکہ بمبئی میں آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگرس کے شاندار اجلاس منعقد کئے جارہے ہیں غنیمت سمجھ کر یہ تجویز کی کہ ہندوؤں کی

[1] انکے اندر سوراج کی خواہش تبھی پیدا ہوئی جبکہ گورنمنٹ نے مسلمانوں کو بھی حکومت کے کاموں میں شرکت کا موقعہ دیا ورنہ جبتک یہ ہر جگہ خود ہی چھائے ہوئے تھے اسوقت تک سوراج کا خیال بھی نہ آیا تھا۔ احمدی مہاجر۔

جانب سے اپنے مسلمان بھائیوں کو کھلے میدان میں ایک پریتی بھوجن دیا جائے۔ اور اپنے مسلمان بھائیوں کے منظور کرنے پر کانگرس کے پنڈال کے پاس ہی مسلم لیگ کے پردھان (مسٹر مظہر الحق) اور دیگر معززین کو مدعو کیا۔ اس موقعہ پر ہندوؤں کا ایک کثیر مجمع اپنے مسلمان بھائیوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے اکٹھا ہوا۔ میدان خوب سجایا گیا۔ اور ایک باجہ بھی بج رہا تھا۔ سب سے پہلے ہندوؤں کی جانب سے سرنارائن چاندورکر صاحب نے اپنے مسلمان بھائیوں کا خیر مقدم کیا۔ اور فرمایا کہ ہندو بھائی آج اپنا رشتۂ اتحاد اپنے مسلمان بھائیوں سے جوڑنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہر دو اقوام کی قسمت وابستہ ہے۔ اور دونوں قومیں ملکر اپنی منزل مقصود یعنی ترقی مادر ہند کی طرف قدم بڑھائینگے۔" (مسافر آگرہ۔ ۷ جنوری سنہ ۱۶ء ص۶)

یہی نہیں اور بھی کئی مقامات پر اسی طرح کا ڈھونگ رچا گیا تھا چونکہ[۱۴] مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر جو صحیح معنوں میں دُور اندیش۔ مدبر اور ہندو راجیو کی چالیں سمجھنے والے تھے۔ پیچھے ہٹ چکے تھے۔ اس لئے نوجوان مسلمان اپنی صاف دلی۔ اور سادہ لوحی کے باعث ہندو لیڈروں کی اس آؤبھگت ظاہری خلوص اور مؤثر اپیلوں سے متاثر ہوکر انکے ہتھے چڑھ گئے۔ اور

مسلم نوجوانوں نے انکے داؤ میں آکر اسلامی مفاد کو نقصان پُہنچایا

کانگرسی ہندوؤں کے پھندے میں پھنسکر ایسی شرائط مان لیں جو اسلامی مفاد کے سراسر خلاف۔ مضر۔ اور نقصان دہ تھیں۔ اور باوجود قوم کی شدید ترین مخالفت کے وہ ان شرائط پر قائم رہے۔ اور ہندو لیڈروں کے داؤ میں آکر ملک کے ہر صوبہ اور حصہ میں ہندوؤں کی اکثریت تسلیم کر لی۔ اور بنگال میں ۵۵ کی بجائے ۴۰۔ اور پنجاب میں ۵۶ کی بجائے ۵۰ فیصدی حق تسلیم کر کے ان صوبوں کی مسلمان اکثریت کو بھی اقلیت میں بدل دیا۔ اور اپنی بے راہ روی سے ہر صوبہ میں ہندوؤں کا غلبہ مان لیا۔

چونکہ مسلمان طبعًا حریت پسند۔ اتحاد کا خواہاں اور آزادی کا دلدادہ ہوتا ہے اسلئے

[۱۴] ایسوسی ایٹڈ پریس [illegible]

مسلم لیگ کے نوجوان کارکنوں نے مستقبل کیطرف سے آنکھیں بند کر کے محض آزادی اور سوراج کیخاطر ہندو راجیوں کی تمام شرائط مان لیں۔ اور محض اس لئے مان لیں کہ اسوقت ہندو جس خلوص اور محبت کا ثبوت دے رہے ہیں وہ آیندہ بھی قائم رہے گا۔ اور ہمیں ان سے کسی قسم کے نقصان کی توقع نہیں۔ اور وہ اپنے دلونکو یوں تسلی دیتے ہوئے میدان عمل میں آ کودے۔ اور انہوں نے

مسلمان نوجوانوں کی قابل داد حب الوطنی

ملک کو سوراج دلانیکے لئے جس جوش۔ خروش اور خلوص کیساتھ قدم بڑھایا اسکو دیکھتے ہوئے خود ہندوؤں کو بھی حیرت سے اپنی انگلیاں چبانی پڑیں۔ اور تو اور فرقہ پرست ہندوؤں تک کو یہ کہنا پڑا کہ

"اب پولیٹیکل معاملات میں ہندو مسلمانوں کی کوئی تمیز نہیں رہی۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلمان ہندوؤں سے علیحدہ یا پیچھے ہیں مسلمان تو (اب) ہندوؤں سے دس قدم آگے چلتے ہیں۔ مسلمان اصحاب کی جو تقریریں ہوئیں وہ نہایت دلیرانہ تھیں"

(پرکاش ۲۰ ساون سمت ۱۹۷۵ صا۱)

ہندو راجئے لکھنو پیکٹ سے بھی پریشان ہو گئے

لیکن باوجود اسکے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کا باہمی معاہدہ اسلامی مفاد کیلئے بیحد مضر نقصان دہ اور تباہ کن تھا اور انہیں کسی صوبہ میں بھی پنپنے اور آزادی سے کام کرنے کا موقعہ نہ دیتا تھا۔ اور نہ ہی اسمیں مسلمانوں کیلئے سرکاری ملازمتوں میں اپنی آبادی کی بنا پر حصہ لینے کی کوئی شرط تھی اور اسی بنا پر مسلمانوں نے اسکی پرزور مخالفت بھی کی۔ مگر پھر بھی ہندو راجئے جنمیں کانگرسی اور مہاسبھائی سبھی شامل تھے۔ پریشان ہو گئے۔ اور یہ دیکھ کر کہ اب مسلمان نوجوان آزادی کی جنگ سے قدم نہ ہٹائینگے۔ انہوں نے اس اپنے ہی طے کردہ معاہدہ کے خلاف جابجا جلسے کر کے اور ریزولیوشن پاس کر کے اپنی تنگدلی اور عیاری کا ثبوت دیا۔ اور بقول ایڈیٹر پیسہ اخبار

خود کانگرسیوں نے بھی اس معاہدہ کی مخالفت کی

کانگرس کی اس تجویز (معاہدہ) کو بھی جس میں تمام ہندوستان میں

مسلمانوں کو زیر دست رکھنے کی کوشش کیگئی ہے۔ آل انڈیا ہندو سبھا نے جس کا اجلاس انہی دنوں میں بمقام لکھنؤ ہوا تھا۔ اور جس میں زیادہ تر وہی اصحاب شریک تھے۔ جو کانگرس میں شامل ہوئے تھے۔ قانونی کونسلوں میں مسلمانوں کی قلیل نیابت بھی منظور نہ کی اور صاف کہدیا کہ کانگرس ہنود کے حقوق کا تصفیہ کرنیوالی کون ہوتی ہے" (پیسہ اخبار ۹ مئی ۱۷ء)

نہ صرف یہی کیا بلکہ کانگریسیوں نے مہا سبھائی بھیس بدلکر ایک وفد بنایا۔ اور وزیر ہند کے پاس پہنچکر انکے سامنے ہندوؤں کی طرف سے ایسے مطالبات رکھے جو انہی کے طے کردہ معاہدہ کے صریح خلاف تھے۔ اور اسکے علاوہ دیگر ذرائع سے بھی گورنمنٹ کو ہندو مطالبات کی طرف جھکانے کی کوشش کی ÷

مگر کانگریسیوں اور مہا سبھائیوں کی ان تمام خفیف الحرکتیوں۔ عہد شکنیوں۔ تنگدلیوں اور مخالفانہ سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے بھی مسلم لیگ کے حامی۔ کانگریسیوں کے دوش بدوش کھڑے ہوکر بلکہ ان سے بھی دس قدم آگے بڑھ کر حصول آزادی میں ساعی رہے اور وہ ہندو راجیوں کی مخالفانہ کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے بھی کانگرس پر اعتماد کئے رہے۔ اور یہ سمجھ کر ہی مطمئن ہوگئے کہ کانگرس نے جسقدر حقوق تسلیم کرلئے ہیں۔ وہ تو بہر حال مل ہی جائینگے۔ اور ان میں کسی قسم کا ردو بدل نہ ہوگا۔ اور نہ ہی انکے نفاذ کے وقت کسی قسم کی مخالفت ہوگی ÷

مگر ان سادہ لوح نوجوانوں کو کیا علم تھا کہ مسلم حقوق کے خلاف مہا سبھائیوں اور کانگریسیوں کی مخفی ریشہ دوانیاں بعد میں کیا گل کھلائینگی۔ اور جو شرائط کانگریسیوں نے خود طے کی ہیں۔ وقت آنے پر وہ بھی پوری نہ کیجائینگی۔ اور آخر کار مسلمانوں کو سر پکڑکے رہجانا پڑیگا ۱۹۱۵ء سے ۱۹۳۱ء تک ان لوگوں نے ہندو راج کیخاطر جو جو داؤ کھیلے ان کا حیرت میں ڈال دینے والا مفصل تذکرہ اگلے حصہ میں ملاحظہ فرمائیے گا

جو دوست اگلے حصہ کے مطالعہ کے خواہشمند ہیں وہ اپنی اپنی فرمائش جلد بھیجدیں تاکہ چھپتے ہی انہیں بھیجدیا جائے

گذشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اسکو پڑھتے ہوئے ممکن ہے ہمارے وہ ہندو بھائی جو واقعی اپنے اندر دیش کا درد رکھتے ہیں۔ یہ کہہ بیٹھیں کہ اس قسم کی باتیں سوائے اسکے کہ باہمی افتراق پیدا کریں۔ ان سے اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ اسلئے ہم انکی خدمت میں عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جن مباحث پر ہم نے قلم اٹھایا ہے۔ ان سے ہماری یہ غرض نہیں کہ ہندو اور مسلمانوں میں نفاق اور شقاق بڑھایا جائے۔ بلکہ اس قسم کی تحریر شائع کرنے کا صرف یہ مقصد ہے کہ جہاں مسلمان۔ برادران وطن کی ذہنیت اور ارادوں کو معلوم کر کے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نکال لیں۔ وہاں آپ ایسے ہی خواہان ملک اپنے بھائی ہندوؤں کی مذموم اور قابل صد نفرت روش سے واقف ہو کر انہیں سمجھائیں۔ اور بتلائیں کہ انکی حد سے بڑھی ہوئی حرص۔ اور دوسروں پر ناجائز اقتدار جمانے کی خواہش نہ صرف اخلاقی رنگ میں مذموم ہے بلکہ ملک اور ملت کے لئے بھی سخت مضر اور نقصان دہ ہے۔ اور جب تک وہ اس ذہنیت کو نہ بدلینگے۔ اس وقت تک ملک کو حقیقی آزادی اور خوشحالی نصیب نہ ہوگی۔ اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارے برادران عزیز حسن ظنی سے کام لیتے ہوئے ہمارے اس بیان کو صحیح سمجھیں گے۔ اور جس مقصد کے لئے ہم نے اتنی زحمت اور محنت گوارا کی ہے اسکو پورا کرنے کیلئے وہ ہمارا ہاتھ بٹائینگے۔ اور جہاں تک ان سے ممکن ہوگا وہ اپنے بے راہ رو بھائی ہندوؤں کو اس قسم کی تنگدلی و کم ظرفی پر مبنی ذہنیت بدلنے پر مجبور کرینگے۔ یہی نہیں بلکہ انہیں بھی اپنی طرح وسیع قلب۔ عالی حوصلہ۔ انصاف پسند اور روا دار بنانے کی سعی مشکور فرمائینگے۔ اور جسدن بھی انکی کوششیں کارگر ہو گئیں۔ سمجھ لو کہ نکبت و ادبار اسی دن اس ملک سے رخصت ہو جائیگا۔ اور ہمارا پیارا دیش بہت جلد اپنی گذشتہ رفعت و شان حاصل کرے گا +

اسکے بعد ہم برادران ملت سے بھی یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ چونکہ زمانہ نازک آگیا ہے حالات جلد جلد پلٹا کھا رہے ہیں۔ ملک میں انقلاب کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور اسوقت انکی زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے۔ لہذا وہ اپنی سستیوں اور غفلتوں کو خیرباد کہیں اور ہوش میں آئیں۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے عقل و خرد سے کام لیں اور برادران وطن

کے ارادوں۔ چالوں اور منصوبوں سے واقف ہو کر جلد سے جلد اپنے بچاؤ کی صورت نکالیں۔ اور ایسی راہ اختیار کریں کہ جس پر چل کر وہ آیندہ بھی سرزمین ہند میں عزّ و وقار کی زندگی بسر کر سکیں۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ جہاں وہ گورنمنٹ سے اشتراک عمل کریں وہاں دوسروں سے لڑنے جھگڑنے سے بھی مجتنب رہیں کیونکہ ہمسائیوں سے کٹا چھنی۔ اور فتنہ و فساد انکے لئے سخت مضر بلکہ مہلک ہے +

ہندو راجئے بیشک یہ کہیں کہ ہندو جاتی ایک مردہ جاتی ہے۔ اس میں زندگی کی روح پھونکنے کے لئے جنگ و پیکار ضروری ہے[1] مگر اسلام اور اسلامیوں کی ترقی کا راز امن اور سلامتی میں ہی مضمر ہے۔ کیونکہ مسلمان اگر کوئی تعمیری پروگرام تجویز کر سکتے ہیں۔ اور اسے عملی جامہ پہنا کر ترقی کے بلند بام تک پہنچ سکتے ہیں۔ تو اس صورت میں جبکہ انہیں اطمینان اور سکون حاصل ہو۔ اور وہ ہر قسم کے فتنوں اور ہنگاموں سے بچے رہیں +

ہمیں امید ہے کہ دردمندانِ اسلام گرد و پیش کے حالات پر نظر ڈالتے ہوئے اتفاق اور اتحاد کی ضرورت محسوس کرینگے۔ اور باہمی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جلد سے جلد متحد و منظم ہو کر اپنے جائز ملکی اور ملّی حقوق حاصل کرنے کے لئے ڈٹ جائینگے۔ اور اسوقت تک قدم پیچھے نہ ہٹائینگے جب تک کہ وہ اپنی مراد کو نہ پہنچ جائیں +

خدا تعالےٰ نے چاہا تو ہم اگلے حصہ میں جہاں یارانِ وطن کی بقیہ فریب کاریوں۔ داؤ پیچ۔ منصوبوں اور چالاکیوں کو منظر عام پر لائینگے۔ وہاں وہ حقوق بھی گنائینگے۔ جو ہمیں لازماً ملنے چاہئیں۔ نہ صرف حقوق گنانے پر اکتفا ہوگی بلکہ انکے وجوب اور تائید میں خود انہی لوگوں کی تحریریں پیش کرینگے جو آج ہندو راج کیخاطر دوسروں کے ہر ایک مطالبہ کو ناواجب اور قومیت کے منافی کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں +

خاکسار

(ملک) فضل حسین احمدی مہاجر سکرٹری انجمن خدام الاسلام قادیان

ضلع گورداسپور پنجاب۔ (۲۵-۱ اگست ۱۹۳۱ء بوقت انصف شب)

---

[1] بھائی پرمانند نے لکھا ہے کہ اصول یہ ہے کہ مرتی ہوئی قوم کو موت سے بچانے کے لئے جنگ ہی ایک اکسیر دوا ہے۔" (ہندو سنگٹھن اور آریہ سماج ص ۲۰۹-۲۱۰)

حضرت امامِ جماعت احمدیہ کی مسلمانانِ ہند کو نصیحت

آخر میں میں تمام مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہر قوم کی حالت اسکی اپنی کوششوں سے بدلتی ہے۔ جو قوم یہ چاہتی ہے کہ دوسرے لوگ ہماری حالت کو بدلیں۔ اور ہمیں ابھاریں وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ کمشن کا موقع بیشک ایک اچھا موقع ہے۔ اور اس سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا بھر کی کمشنیں ہمیں فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ جبتک ہم پختہ ارادہ اور عقد ہمت کے ساتھ اپنی اصلاح کیلئے خود آپ کھڑے نہ ہو جائیں۔ قانون ہمیں کبھی آزاد نہیں کر سکتا۔ جبتک کہ اقتصادی طور پر اور تمدنی طور پر بھی ہم آزاد نہ ہوں۔ میں نے پچھلے دنوں تحریک کی تھی کہ مسلمان اپنی اقتصادی آزادی کیلئے کوشش کریں۔ اور الحمد للہ اس تجویز سے ہزاروں جگہوں پر مسلمانوں کی دکانیں نکلیں۔ اور لاکھوں روپیہ مسلمانوں نے کمایا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ پھر اس بات میں سستی ہو رہی ہے۔ بدقسمتی سے مسلمان جب اٹھتے ہیں۔ جوش سے اٹھتے ہیں۔ مگر پھر جھاگ کیطرح بیٹھ جاتے ہیں جبتک مستقل کوشش جاری نہ رہیگی۔ اسوقت تک کامیابی نہ ہوگی۔ میں اپنے بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ اپنے دلوں میں غور کریں کہ جن لوگوں سے انہوں نے دکانیں کھلوائی تھیں ان کا ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کرا کے اب جو وہ انکی مدد سے دریغ کر رہے ہیں۔ اور انکی دوکانوں کو چھوڑ کر دوسری دوکانوں پر جا رہے ہیں۔ اس کا اثر قوم کے اخلاق پر کیا پڑیگا۔ اور آیندہ نسلیں اس سے کیا سبق حاصل کرینگی۔ پس اگر حریت چاہتے ہو۔ اگر آزاد زندگی کی تڑپ رکھتے ہو۔ اگر پھر ایک دفعہ دنیا میں عزت کی سانس لینا چاہتے ہو۔ تو خدارا ان سستیوں اور بے استقلالیوں کو چھوڑ دو۔ تعاون باہمی کی عادت ڈالو۔ اور نقصان اٹھا کر بھی اپنے بھائی کا فائدہ کرو۔ تب اور صرف تب آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہونگے۔ سائمن کمشن نہیں بلکہ خود آپکی ان تھک کوششیں اور بے نفس قربانیاں آپکو کامیابی کے مقام پر کھڑا کر سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو +

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

ہندو راج کے منصوبے حصہ اول کے متعلق بہت سی شاندار رایوں میں سے چند رائیں

حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان

میاں فضل حسین صاحب نے مجھ سے اجازت لیکر بلکہ میری پسندیدگی اور خواہش کے مطابق ایک کتاب "ہندو راج کے منصوبے" لکھی ہے۔ افسوس ہے کہ اسوقت تک کم فرصتی کی وجہ سے میں اسے پڑھ نہیں سکا تھا۔ اب اس کتاب کو دیکھنے کے بعد میں اس کے متعلق اپنی رائے لکھتا ہوں۔ کہ یہ کتاب نہایت محنت سے لکھی گئی ہے۔ اور اس میں اس امر کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ہندوؤں کے تمام لیڈر مذہبی ہوں کہ سیاسی صرف اس امر کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کہ ہندوستان میں ویدک راج جاری کیا جائے۔ تبلیغ اسلام کو جبراً روکا جائے۔ اور مسلمانوں کو تنگ کر کے یا اس ملک سے نکال دیا جائے یا انہیں شدھ کر لیا جائے۔ **اس کتاب میں** اس قدر حوالہ جات ہندوؤں کے درج کئے گئے ہیں۔ کہ انکو پڑھ کر اس حقیقت سے انکار ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ ہندوستان سے اسلام کو مٹا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ میرے نزدیک یہ کتاب اس قابل ہے۔ کہ ہر مسلمان اپنے بچوں کو اس کا مطالعہ کرائے۔ اور اس کے مطالب یاد کرائے۔ تاکہ آئیندہ نسلیں ہندوؤں کے منصوبوں سے آگاہ ہو جائیں۔ سکولوں اور کالجوں کے مسلمان طلبا میں اسکی اشاعت بہت مفید ہو سکتی ہے۔ اور ضرورت ہی کہ بنگالی سندھی۔ مالاباری۔ پشتو اور فارسی میں اس کا ترجمہ کر کے اس کے مطالب سے تمام ہندوستانی مسلمانوں کو واقف کیا جائے۔ والسلام

ایڈیٹر صاحب انقلاب لاہور

اس کتاب کی کیفیت نام سے ظاہر ہے۔ یعنی اس کا موضوع بحث یہ ہی کہ ہندوؤں نے ہندوستان میں اپنے راج کے قیام کیلئے کیا کیا تدبیریں

کیں۔ اور کن کن طریقوں سے دوسری اقوام کے جائز حقوق کو پامال کرنا چاہا۔ اسمیں شروع سے لیکر سنہ ۱۸۵۷ء
تک کی ہندو ذہنیت کی تاریخ تفصیلاً پیش کیگئی ہے۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ فاضل و لائق
مصنف نے اپنے تمام دعاوی کیلئے غیر مسلم مصنفین اور اکثر و بیشتر ہندو مصنفین و ارباب رائے
کی تقریرات و تحریرات سے سامان تائید و توثیق بہم پہنچایا ہے۔ گویا ایک حیثیت سے یہ کتاب
ہندوؤں کے منصوبوں کی ایک ایسی تاریخ ہے جس کا سارا مواد خود ہندوؤں کا تیار کیا ہوا ہے
ہم اس کتاب کو محض قومی ذہنیت کی تاریخ کے اعتبار سے بھی بیحد بیش قیمت سمجھتے ہیں۔ اور اسکی
گراں بہائی میں اس وجہ سے اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اور یہ حالات موجودہ سیاسیات میں مسلمانوں
بہترین رہنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اور ایک بھائی نے بالکل سچ لکھا ہے۔ کہ یہ ہندو ذہنیت کا
انیکلوپیڈیا ہے ÷ فی کتاب چھ آنے۔ ایک روپے کے تین۔ بیس روپے کی سو۔ اسلامی انجمنوں کو
چاہیئے۔ کہ اس کتاب کی کاپیاں مفت تقسیم کریں۔ کتاب کی لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ کاغذ اچھا ہے
ضخامت ۲۱۰ صفحے ہے۔ لیکن چونکہ تجارتی غرض سے نہیں لکھی گئی۔ بلکہ محض مسلمانوں کے فائدے
کیلئے لکھی گئی ہے۔ اس لئے قیمت کم رکھی گئی ہے ہم اسکے فاضل مولف ملک فضل حسین صاحب
کو اسکی ترتیب پر دلی مبارکباد دیتے ہیں ÷

حکیم محمد حسین صاحب قریشی لاہور میرے عزیز بھائی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپکی
تازہ تصنیف "ہندو راج کے منصوبے" بغور مطالعہ کے
بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ یہ اپنے وقت کی ایک بےنظیر تصنیف ہے۔ اور ضرورت اس بات
کی ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں یہ شائع ہو۔ یہ ایسے حقائق سے پُر کتاب ہے جسکے لئے لازماً آپ کو بڑی
محنت اور ہزاروں کی تعداد میں ورق گردانی کرنی پڑی ہوگی میں اپنے تمام دوستوں اور مسلمان بھائیوں
سے امید رکھتا ہوں۔ کہ وہ اسکی اشاعت میں تا بمقدور آپ کا ہاتھ بٹائینگے۔ تا یہ ملک کے ہر ذیعلم کے ہاتھ میں پہنچ جائے"

مرزا ناصر علی صاحب وکیل فیروز پور جو مسلمان کانگریس کے نہایت دلدادہ تھے۔ وہ بھی یہ کتاب پڑھکر
اپنی رائے و روش تبدیل کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔
جس محنت اور دیانتداری سے واقعات درج کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ÷

مصنف کی دیگر محققانہ تصانیف

نام کتاب	تعداد صفحات	قیمت	نام کتاب	تعداد صفحات	قیمت
برگزیدہ رسول غیروں میں مقبول حصہ اول	۶۴	۵/	ویدوں کی بے اعتباری	۱۶	۔/
" " " حصہ دوم	۱۰۰	۵/	تردید قدامت روح مادہ	۸	—
" " " حصہ سوم	۱۰۰	۵/	پیدائش عالم	۸	—
" " " حصہ چہارم	۱۰۰	۵/	کونسی کتاب عالمگیر ہے	۸	—
رسول خدا کی غیر مسلموں کے متعلق رواداری کی تعلیم	۱۶	۔/	تبلیغ کا حق آریوں کو یا مسلمانوں کو ہی	۸	—
حضرت نبی کریم کے فرمان ہائے امن و آزادی	۱۶	۔/	ابطال تناسخ	۸	—
رسول مقبول کی صداقت پر معاصرین کی عینی شہادتیں	۱۶	۔/	سماجک مسلمات پر ۸ سوال	۸	—
توحید کا حقیقی علمبردار	۱۶	۔/	آریہ سماج کے بنیادی اصولوں کی تردید ویدوں سے	۱۲	۱/
ہمارا رسول ہندوؤں میں مقبول	۱۶	۔/	ذبیحہ گائے از روئے وید شاستر	۱۲	۱
آئینہ اسلام مع ویدک دھرم کی عکسی تصویر	۱۸۰	۱۲/	بانی آریہ سماج کے اقوال میں تناقض	۸	
ابطال حقیقت وید	۱۲۰	۶/	بطلان حدوث روح مادہ	۱۲	
کیفیت وید	۶۴	۵/	موجودہ بائبل الہامی نہیں	۶۰	۲
محاکمہ مابین آریہ سماج اور گاندھی	۱۰۰	۸/	ہندو راج کے منصوبے حصہ اول	۲۱۲	
ویدوں کے سربستہ راز	۸۰	۵/	ہندو سیاست کے داؤ پیچ	۲۲۰	
کیا وید الہامی ہیں	۱۶	۔/	" " حصہ سوم (زیر تصنیف)	۲۲۰	
وید رشیوں کی تصنیف ہیں	۱۶	۔/			
ویدک الہام کی حقیقت	۱۶	۔/	ہندو راج کیا ہے؟ (زیر تصنیف)	۲۲۰	
کیا وید زندہ کتاب ہے	۱۶	۔/	گائے اور باجہ (")	۲۱۲	
وید سمجھ سے بالا اور مہمل کتاب ہے	۱۶	۔/	ہندو مسلم فسادات کے اسباب (")	۲۱۲	
کیا وید ازلی ہیں؟	۱۶	۔/	مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج (")	۲۱۰	
تردید قدامت وید	۱۶	۔/			

... قادیان میں چھپا